تین اسلامی ملکوں کا سفرنامہ

انبیاء کی سرزمین میں

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

مفتی اعظم پاکستان

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

تین اسلامی ملکوں کا سفرنامہ

انبیاءؑ کی سرزمین میں

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

مفتی اعظم پاکستان

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دُنیا میں گھومنے، اُسے دیکھنے اور اس سے سبق لینے کے مواقع بندے کو غیر معمولی طور پر عطا فرمائے (یہ اور بات ہے کہ سبق لینے میں قاصر رہا)۔ ایشیا، یورپ، افریقہ اور امریکہ کے براعظموں میں کتنے ہی ملکوں اور ان کے کتنے ہی شہروں میں جانا ہوا، بہت سے ممالک میں بار بار جانے اور وہاں کے حالات کا خاصی تفصیل سے جائزہ لینے کی نوبت آئی، اور اپنی عادت کے مطابق وہاں کے خاص خاص جغرافیائی، تاریخی، مذہبی، تفریحی اور سیاسی حالات سے متعلق یادداشتیں بھی نوٹ کرتا اور محفوظ کرتا رہا۔

لیکن اِن سب یادداشتوں کو ''سفرنامے'' کی صورت دینے کی نوبت کچھ تو اس لئے نہ آئی کہ میں کیا اور میرا سفرنامہ کیا؟ کوئی اسے پڑھنے کے لئے وقت نکالے تو کیوں نکالے؟ ـــــــ اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ ہر سفر سے واپسی پر اپنے مقامی فرائضِ منصبی کا بوجھ، اور ''تلافیٔ مافات'' کی بے تاب فکر ایسا گھیراؤ کرلیتی ہے کہ سر اُٹھانے کی مہلت نہیں دیتی۔ اس بوجھ تلے، سفرنامے جیسے فرصت کے کام کو دِل چاہے تو کیسے چاہے؟

تاہم ان میں سے چند سفر ایسے پیش آئے کہ اُن کی مفصل رُوئیداد قلم بند کرنے کو بے اختیار دِل چاہا، اور اب تک چاہتا ہے۔

۱- ایک اپنے آبائی وطن ''دیوبند'' (بھارت) سے ہجرتِ پاکستان کا سفر، جو قیامِ پاکستان کے آٹھ ماہ بعد مئی ۱۹۴۸ء میں اپنے والدین اور غیرشادی شدہ بہن بھائیوں کے ساتھ اُس وقت ہوا جب میری عمر کا تقریباً بارھواں سال تھا۔ بھارت کے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتلِ عام جاری تھا اور دُوسرے کئی ملکوں میں ان کے خون سے ہولی کھیلی جارہی تھی۔ یہ سفر کراچی تک چھ دن میں ۶ر مئی کو پورا ہوا۔

۲- پہلا سفرِ حج جو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ۱۹۶۴ء میں ہوا، مگر حرمین شریفین کا سفرنامہ اور تأثرات لکھنے کی خواہش الگ بات ہے ـــــ مگر لکھنا دِل گردے کا کام ہے، اس کی ہمت تو اچھے اچھے اہلِ قلم کو نہیں ہوتی۔

۳- اگست ۱۹۹۲ء میں ترکی کا پہلا، پھر اگست وستمبر ۱۹۹۷ء میں دُوسرا سفر، یہ دونوں سفر انگلستان جاتے اور وہاں سے واپسی میں ہوئے، ہر مرتبہ وہاں اسلامی تاریخ کی ولولہ انگیز یادیں، پھر اسلامی خلافت کے سقوط کی تلخیاں اور ترک مسلمان بھائیوں کی محبت کی مٹھاس نیز مستقبل کی اُمیدیں ہمسفر رہیں۔ اور اُن کی یادیں آج تک رفیقِ زندگی ہیں۔

۴- اُندلس (اسپین) کا پہلا سفر جو ستمبر ۱۹۹۷ء میں ''ڈیوزبری'' (انگلینڈ) سے سڑک کے راستے شروع ہوکر پورے فرانس کو، پھر تقریباً پورے اسپین کو براستہ ''بارسلونا'' عبور کرکے یہاں کے مشہور تاریخی شہروں غَرناطَہ اور قُرطُبَہ تک ہوا، اور اسی طرح وہاں سے پیرس تک واپسی ہوئی ـــــ وہی غرناطہ وقرطبہ جنھوں نے اسلامی علوم و فنون کے ساتھ دُنیا کو موجودہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بھی ترقی پذیر بنیادیں فراہم کیں۔

پھر اُندلس ہی کا دُوسرا سفر ستمبر و اکتوبر ۲۰۰۳ء میں امریکہ سے واپسی پر ہوائی جہاز سے براستہ جرمنی ہوا، اس میں غرناطہ اور قرطبہ کے ساتھ ''مَالِقَہ'' اور

''جبرالٹر'' (جبل الطارق) کی تابناک یادگاروں، عبرت گاہوں اور حسرت گاہوں کو بھی دیکھنے کا موقع ملا ــــــ وہاں کی رسیلی ''بادِسحر میں خاموش اَذانیں'' دِل کے کانوں کو آج بھی سنائی دیتی ہیں!

۵- نومبر ۱۹۹۲ء میں اُزبکستان کا سفر، جو پاکستانی علمائے کرام کے ایک وفد کے ساتھ اُس وقت ہوا جب وسط ایشیا کا یہ مسلم ملک، رُوس کے تقریباً ستّر سالہ تسلط سے نیا نیا آزاد ہوا تھا، اس میں تاشقند، سمرقند، خَرتَنک اور بخارا کے سبق آموز اور دِل دوز حالات سامنے آئے۔ کبھی اسی علاقے کی آغوش میں اسلامی علوم وفنون پروان چڑھے تھے، اور نابغۂ روزگا مسلم شخصیات پیدا ہوئی تھیں۔

۶- اگست ۱۹۹۶ء میں چین کا سفر جس میں دُنیا کے سب سے بڑے صوبے ''سنکیانگ'' کو دیکھنے کا موقع ملا، اس خوبصورت مسلم ملک کا نام اصل میں ''مشرقی ترکستان'' تھا، ''ختن'' اور ''کاشغر'' جیسے مشہور اسلامی شہر اسی علاقے میں ہیں۔ یہاں مسلمان اب بھی بھاری اکثریت میں ہیں، کبھی یہ بھی اسلامی علوم وفنون اور اسلامی روایات کا گہوارہ تھا، اب چین کے قبضے میں ہے۔

یہاں ہم اسلام آباد سے بذریعہ ہوائی جہاز ۳ گھنٹے پرواز کے بعد اس کے دارالحکومت ''اَرُومُچی'' پہنچے تھے، پھر بیجنگ اور شنگھائی ہوتے ہوئے چین کے مشرقی کنارے سے براستہ ہانگ کانگ وسنگاپور واپسی ہوئی۔

۷- نومبر و دسمبر ۲۰۰۴ء میں جاپان (مشرق) کے راستے امریکہ کا سفر، جس میں واپسی یورپ (مغرب) کی طرف سے ہوئی، اس طرح اسی ایک سفر میں پوری دُنیا کے گرد چکر مکمل ہوا، اور جاپان کی سبق آموز اور عبرت ناک یادیں ساتھ آئیں۔

یہ ساتوں سفر جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے دِینی مقاصد کے لئے ہوئے، میری زندگی کے خصوصی طور پر یادگار سفر تھے، دِلچسپیوں، نئی معلومات، مسرتوں، حسرتوں اور عبرتوں سے لبریز۔ جاپان کے سوا یہ باقی چھ سفر اُن مسلم علاقوں کے تھے جن کی سبق

آموز تاریخ، موجودہ حالات اور ان کے بارے میں اپنے تأثرات قلم بند کرنے کے لئے اب بھی دِل میں ایک ہوک سی اُٹھتی ہے، خصوصاً اس لئے بھی کہ ان کی بہت سی اہم یادداشتیں جو میں نے اِن سفروں میں نوٹ کی تھیں اب بھی بحمداللہ میرے پاس محفوظ ہیں ـــــ مگر اب جبکہ شمسی کلینڈر کے حساب سے عمر کا ۷۰ (ستر) واں، اور قمری حساب سے ۷۲ (بہتر) واں سال چل رہا ہے ـــ ان یادداشتوں کو سفرنامے کی صورت دینے کے لئے وقت کہاں سے لاؤں؟ جبکہ اپنے اصل فرائضِ منصبی ادا کرنے کے لئے بھی وقت اب بظاہر بہت کم رہ گیا ہے ـــ پتہ نہیں کتنا؟

تین سفرنامے

البتہ تین اور سفر ایسے ہوئے جن کی رُوئیداد تفصیل سے لکھے بغیر مجھے چین نہ آیا، اور اہلِ محبت کی فرمائش اور ہمت افزائیوں نے بھی قلم کو رواں دواں کردیا:-

۱- ایک اپریل ۱۹۸۶ء میں افغانستان کا سفر جو اُس وقت ہوا جب وہاں رُوسی فوجوں کے خلاف جہاد عروج پر تھا، وہاں جن عجیب وغریب ایمان افروز حالات سے گزرا اور جو حیرت ناک واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے، اُن کو میں نے خاصی تفصیل سے کتابی شکل میں اس طرح مرتب کیا کہ اُس میں اس جہاد کا منظر و پس منظر اور اس کے متعلق بہت اہم معلومات جمع ہوگئیں، کہا جاسکتا ہے کہ یہ صفر سفرنامہ نہیں بلکہ جہادِ افغانستان کا آنکھوں دیکھا حال، اُس کی تاریخ اور اس کا مفصل تعارف ہے۔ یہ کتاب ''یہ تیرے پُراسرار بندے'' کے نام سے شائع ہوئی، اب تک اس کے نہ جانے کتنے ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں ـــــ چند سال سے اس کا انگریزی ترجمہ بھی بنام:

"JIHAD IN AFGHANISTAN AGAINST COMMUNISM"

شائع ہورہا ہے۔

۲- دُوسرا سفر جو اپنی نوعیت کا منفرد سفر تھا، اپنے اہل و عیال کے ساتھ اپریل ۲۰۰۳ء کے آخری ہفتے میں پاکستان کے شمالی علاقے ''گلگت'' کا ہوا، اور ۶ رمئی تک جاری رہا۔

واپسی میں ہم سب یعنی میں، میری اہلیہ، میرے بیٹے عزیز القدر مولانا محمد زبیر اشرف عثمانی، اُن کی اہلیہ اور ۴ معصوم بچیاں (کُل آٹھ افراد) دُنیا کے چوتھے نمبر کے سب سے اُونچے پہاڑ ''نانگا پربت'' کے دامن میں پہنچے تو باد و باراں کے ایسے خوفناک طوفان میں گھر گئے جو مقامی لوگوں کی متفقہ رائے کے مطابق شاہراہِ قراقرم(۱) کی تاریخ کا سب سے زیادہ ہولناک طوفان تھا ــــ جبکہ میری اِن ۴ پوتیوں میں سب سے چھوٹی کی عمر ڈیڑھ سال، اور سب سے بڑی کی عمر بھی صرف ۹ سال تھی۔

ناچار ہمیں مغرب کے قریب، شاہراہ سے بہت نیچے پیدل اُتر کر دریائے سندھ کے کنارے ایک اجنبی پہاڑی گاؤں میں پناہ لینی پڑی۔ وہاں ہم ۵ دن ۵ راتیں اس طرح پناہ گزین رہے کہ ہمیں دُنیا کی، اور دُنیا کو ہماری خبر نہ تھی ــــ بالآخر وہاں سے ہمیں ہیلی کاپٹر کے ذریعہ نکالا گیا۔ اور یہ شاہراہ ایک ماہ سے زیادہ عرصے تک پہاڑی ملبہ اس پر گرجانے کے باعث بند رہی۔

اس سفر میں جو انتہائی سنگین اور خوفناک حالات پیش آئے، اور موت کے منہ میں پہنچ جانے کے بعد اللہ ربّ العالمین نے جن جن عجیب طریقوں سے ہماری حفاظت کا انتظام فرمایا، اور جس گاؤں (جلی پور) کے بے یار و مددگار عظیم انسانوں نے ہمیں پناہ دی تھی، ان کی انتہائی غربت و افلاس اور ناقابلِ تصوّر بے سروسامانی دیکھنے میں آئی، اس کی ساری دِل ہلا دینے والی رُوئیداد میں نے کراچی پہنچتے ہی املاء کروادی تھی، جو اوّلاً ماہنامہ ''البلاغ'' میں قسط وار شائع ہوئی، پھر کتابی شکل میں بھی ''گلگت کے پہاڑوں میں یادگار آپ بیتی'' کے نام سے شائع ہوچکی ہے۔

---

(۱) اسی شاہراہ کو جو چین تک جاتی ہے ''شاہراہِ ابریشم'' بھی کہا جاتا ہے۔

۳- تیسرا اپنی نوعیت کا منفرد سفر ۲۰۰۴ء میں ہوا جس کی رُوئیداد اس وقت آپ کے سامنے ہے ـــــــ یہ سفرنامہ اوّلاً جامعہ دارالعلوم کراچی کے ترجمان ماہنامہ ''البلاغ'' میں جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ (جولائی ۲۰۰۶ء) تک ۱۹ قسطوں میں شائع ہو چکا ہے، جس کی ابتدائی تین چار قسطیں میں نے مصروفیات کے باعث املاء کروائی تھیں، مگر اندازہ ہوا کہ املاء کا طریقہ دِل کی ترجمانی کے لئے کافی نہیں، اس لئے آگے کا سارا حصہ بقلمِ خود ہی لکھا گیا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ اسے اور پچھلے دونوں سفرناموں کو قارئین کے لئے نافع بنائے اور میرے لئے بھی ذخیرۂ آخرت بنادے، آمین۔

وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللہِ بِعَزِیْز.

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رجب ۱۴۲۷ھ
۱۹؍اگست ۲۰۰۶ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سفر کے متعلق کچھ دُعائیں ـــــ اور معمولات

کئی احباب نے یہ بھی فرمائش کی کہ سفر کے سلسلے میں اپنے معمولات درج کردوں، تاکہ قارئین بھی ان پر عمل فرماسکیں۔ چونکہ بزرگوں سے سیکھے ہوئے ان معمولات اور دُعاؤں کا غیر معمولی فائدہ بلکہ غیر متوقع فوائد بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بندے کو ہر سفر میں عطا فرمائے اس لئے وہ بھی نذرِ قارئین کرتا ہوں، تاکہ اُن کا عمل میرے لئے بھی باعثِ ثواب بن جائے۔

۱۔ جب کسی سفر کا ارادہ ہونے لگے تو:

(الف) اگر وہ بہت اہم سفر ہے اور سفر کرنے کے بارے میں زیادہ تردّد ہے تو باقاعدہ نمازِ اِستخارہ سات دن، یا تین دن یا ایک دن پڑھ کر اِستخارے کی مسنون دُعا کرتا ہوں، اور وہ عمل اور دُعائیں بھی کرتا ہوں جو آگے نمبر (ب) میں بیان ہوں گی۔

(ب) اگر وہ سفر بہت زیادہ اہم اور تردّد والا نہیں تو روز مرّہ جو نفلیں پڑھنے کا معمول ہے، اُن ہی میں اِستخارے کی نیت بھی کرلیتا ہوں، اور یہ دُعا تقریباً ہر فرض نماز کے بعد، اور ویسے بھی چلتے پھرتے جب خیال آئے، کسی خاص تعداد کے بغیر پڑھتا رہتا ہوں کہ:

اَللّٰھُمَّ خِرْ لِیْ وَاخْتَرْ لِیْ.

ترجمہ: ''یا اللہ! میرے لئے خیر کا انتخاب فرما دیجئے۔''

اور اسی طرح یہ دُعا بھی:

اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَقِنِیْ شَرَّ نَفْسِیْ.

ترجمہ: ''اے اللہ! میرے دِل میں ایسی بات ڈال دیجئے جو میرے مناسب ہو، اور مجھے میرے نفس کے شر سے بچا لیجئے۔''

۲- سفر شروع کرتے وقت دو رکعت سفر کی نیت سے پڑھ لیتا ہوں، اور اپنے مرشد و آقا حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے مطابق پہلی رکعت میں سورۃ ''اَلَمْ نَشْرَحْ'' اور دُوسری رکعت میں سورۃ ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللہِ'' پڑھنے کا معمول ہے۔

۳- ہر سواری میں سوار ہوتے وقت مسنون دُعا:

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، اَلْحَمْدُ لِلہِ، سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ.

ترجمہ: ''اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارا تابع بنا دیا، اور ہم تو (اُس کی مدد کے بغیر) ایسے نہ تھے کہ اِس کو قابو کر لیتے، اور ہم کو تو اپنے رَبّ کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے۔''

۴- جب سواری چلنے لگے تو یہ مسنون دُعا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْأَلُکَ فِیْ سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی.

اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا ھٰذَا السَّفَرَ، وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَہٗ.

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ وَالْوَلَدِ وَالْمَالِ.

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ مِنْ وَّعْثَآءِ السَّفَرِ، وَکَآبَۃِ الْمَنْظَرِ وَسُوْٓءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْاَھْلِ وَالْوَلَدِ وَالْمَالِ.

ترجمہ: ''اے اللہ! ہم آپ سے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ مانگتے ہیں اور ایسے عمل جو آپ کے پسندیدہ ہوں۔

اے اللہ! ہم پر یہ سفر آسان فرمادیجئے، اور اس کے فاصلوں کو لپیٹ دیجئے (جلدی سے طے کرادیجئے)۔

اے اللہ! اس سفر میں (دراصل) آپ ہی ہمارے ساتھی ہیں، اور ہمارے گھر والوں، اولاد اور اَموال کے بھی محافظ ہیں۔

اے اللہ! ہم سفر کی مشقت سے اور بُری حالت دیکھنے سے بھی آپ کی پناہ مانگتے ہیں، اور واپس آکر گھر والوں، اولاد اور اَموال کی بُری حالت پانے سے (بھی پناہ مانگتے ہیں)۔''

۵۔ دورانِ سفر جب بھی یاد آجائے کم از کم ایک بار وہ دُعا جو قرآنِ کریم میں بھی آئی ہے، اور ہجرتِ مدینہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی گئی تھی:

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا.

ترجمہ: ''اے میرے رَبّ! مجھے اچھی طرح پہنچایئے، اور مجھے اچھی طرح لے جایئے، اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجئے جس کے ساتھ (آپ کی) مدد ہو۔''

یہ دُعا ہر اہم کام کے شروع میں پڑھنا مفید[1] ہے، اور بحمد اللہ اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے مطابق سفر سمیت ہر اہم مقصد کے لئے اسے پڑھتا ہوں۔

۶- جب جہاز اُترنے لگے، اور جب جہاز یا کسی اور سواری سے ہم اُترنے لگیں تو قرآنِ کریم کی یہ دُعا:

رَبِّ اَنۡزِلۡنِیۡ مُنۡزَلًا مُّبٰرَکًا وَّاَنۡتَ خَیۡرُ الۡمُنۡزِلِیۡنَ.

ترجمہ: ''اے میرے رَبّ! میرے اُترنے کو بابرکت بنادیجئے، اور آپ سب سے اچھے میزبان ہیں۔''

نیز وہ دُعا بھی جو پانچویں نمبر پر بیان ہوئی۔

۷- کسی بستی یا شہر میں داخل ہوتے وقت یہ مسنون دُعائیں:

(الف) اَللّٰھُمَّ حَبِّبۡنَآ اِلٰی اَھۡلِ ھٰذِہِ الۡبَلۡدَۃِ وَحَبِّبۡ صَالِحِیۡ اَھۡلِھَآ اِلَیۡنَا.

ترجمہ: ''اے اللہ! اس شہر والوں کے دِلوں میں ہماری محبت ڈال دیجئے، اور ہمارے دِل میں یہاں کے نیک لوگوں کی محبت ڈال دیجئے۔''

(ب) اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسۡأَلُکَ خَیۡرَ ھٰذِہِ الۡقَرۡیَۃِ وَخَیۡرَ مَا فِیۡھَا، وَنَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ شَرِّ ھٰذِہِ الۡقَرۡیَۃِ وَشَرِّ مَا فِیۡھَا.

ترجمہ: ''اے اللہ! ہم آپ سے اس بستی کی خیر مانگتے ہیں، اور جو کچھ اس بستی میں ہے اُس کی بھی خیر مانگتے ہیں۔ اور اس بستی کے شر سے آپ کی پناہ مانگتے ہیں، اور جو کچھ اس بستی میں ہے اُس کے شر سے بھی پناہ مانگتے ہیں۔''

۸- جب کسی مقام پر ٹھہریں یا قیام کریں تو یہ مسنون دُعا:

---

(۱) تفسیر معارف القرآن ج:۵ ص:۵۰۹ (سورۃ بنی اسرائیل آیت:۸۰)۔

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ، فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ.

ترجمہ: ''میں اللہ کی پکی باتوں کی پناہ مانگتا ہوں ہر اُس شر سے جو اُس نے پیدا فرمایا ہے، کیونکہ اللہ ہی سب سے بہتر محافظ ہے اور وہی سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔''

۹- سفر سے واپسی پر یہ مسنون دُعا:

اٰئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ.

ترجمہ: ''ہم واپس آنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، اپنے رَبّ کی حمد کرنے والے ہیں۔''

نیز وہ دُعا بھی جو پانچویں نمبر پر بیان ہوئی۔

اللہ تعالیٰ یہ سب دُعائیں ہم سب کے لئے قبول فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ:

اُردُن میں

منگل کی صبح ساڑھے دس بجے اُردُن ایئرلائن کا طیارہ عَمّان کے ایئرپورٹ پر اُترا تو کراچی میں اس وقت دوپہر کے ساڑھے بارہ بجے تھے، وہاں سے روانگی صبح ساڑھے چھ بجے ہوئی تھی، راستہ میں طیارہ ایک گھنٹہ دبئی میں رُکا، چھ گھنٹے کے مسلسل سفر اور گزشتہ پوری رات جاگنے کے باعث طبیعت خاصی مضمحل تھی، یہ جون ۲۰۰۴ء کی ۸، اور ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ کی ۲۰ تاریخ تھی۔

یہاں اِمیگریشن میں تقریباً آدھا گھنٹہ رُکنا پڑا، متعلقہ اہل کاروں کو میرے نام سے کوئی اشتباہ ہوگیا تھا، جس سے وہ پریشان تھے، اور تاخیر پر بار بار معذرت کر رہے تھے۔

انہوں نے ہمیں احترام سے ایک جگہ بٹھایا اور خود پاسپورٹ لے کر مختلف جگہوں پر جاتے آتے رہے، میں نے ان سے کہا کہ باہر ہمارے کچھ احباب استقبال کے لئے آئے ہوئے ہیں، تاخیر سے وہ پریشان ہو رہے ہوں گے، تو اس پر متعلقہ افسر نے شائستگی کے ساتھ مجھ سے ان کا موبائل نمبر لے کر میرے میزبان شیخ حسن یوسف کو اطمینان دلایا کہ آپ پریشان نہ ہوں، تقریباً آدھے گھنٹہ بعد آپ کے مہمان آپ کے پاس ہوں گے۔

یہاں سے فارغ ہوکر بحمداللہ کسٹم میں کوئی دُشواری پیش نہیں آئی، باہر شیخ

حسن یوسف صاحب کے علاوہ نوجوان عالمِ دین فراز فرید ربانی صاحب بھی اپنے نوجوان ساتھیوں اور شاگردوں کے ساتھ منتظر تھے۔

شیخ حسن یوسف اصل باشندے فلسطین کے ہیں، مگر اب برسہابرس سے اُردُن میں مقیم ہیں اور عمان ہی کو اپنا وطن بنالیا ہے، یہاں تبلیغ و دعوت کے کام میں سرگرمی سے لگے ہوئے ہیں۔ ان سے گزشتہ بقرعید پر کراچی میں ملاقات ہوئی تھی اور ان سے میں نے عمرے کو جاتے ہوئے عمان آنے کا وعدہ کیا تھا۔

ایئرپورٹ سے شہر بہت فاصلہ پر ہے، قیامگاہ تک پہنچتے پہنچتے آدھے گھنٹہ سے زیادہ لگ گیا، عمان جدید طرز کا خوبصورت شہر ہے اور اُونچے نیچے چھوٹے بڑے ٹیلوں پر واقع ہے، مجھے یہ استنبول سے خاصا مشابہ نظر آیا، ایک رات ایک ہوٹل میں قیام رہا، کرایہ ادا کرنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ ادائیگی ہوچکی ہے، مگر کس نے کی؟ یہ کوشش کے باوجود معلوم نہ ہوسکا، اس کے بعد یہاں کی ایک نہایت حسین اور مرکزی جامع مسجد "مسجد الفیحاء" کے نوجوان امام و خطیب شیخ ضیاء کے اصرار پر ان کے مکان پر قیام ہوا۔

ان کا مکان خالی تھا کیونکہ یہ غیرشادی شدہ ہیں اور اصل باشندے شام کے ہیں، ان حضرات کی خواہش یہی تھی کہ اس مکان میں قیام ہو، تاکہ آنے والے حضرات کو ملاقات میں سہولت ہو، کیونکہ یہ مکان مسجد ہی کے احاطہ میں ہے، اور آرام دہ صاف ستھرا مکان ہے۔

آج بعد مغرب یہاں کے مشہور عالمِ دین اور صاحبِ طریقت بزرگ شیخ نوح نے ناچیز کو کھانے پر مدعو کیا ہوا تھا اور شہر کے بہت سے اہلِ علم کو اسی مناسبت سے جمع کرلیا تھا، اس کی اجازت مجھ سے کراچی میں فون پر لے لی گئی تھی۔ ان حضرات کے ساتھ عشاء تک بہت دلچسپ علمی اور فقہی مسائل میں تبادلۂ خیال ہوا، یہیں نوجوان عالمِ دین شیخ اِیاد الغوج سے بھی ملاقات ہوئی، ان کا کتب خانہ ایک

امتیازی شان رکھتا ہے، اور ان کے پاس کئی سو نایاب کتابوں کے مخطوطات محفوظ ہیں، اور ان مخطوطات کی فوٹو کاپیاں تیار کر کے اپنے مکتبہ سے شائع کرتے ہیں۔

بدھ ۲۱/ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ - ۹/ جون ۲۰۰۴ء

آج پروگرام کے مطابق گیارہ بجے حسن یوسف صاحب گاڑی لے کر آگئے، اس وقت ہمیں اَصحابِ کہف کا غار دیکھنے کے لئے جانا تھا۔

کیا یہی اَصحابِ کہف کا غار ہے؟

اَصحابِ کہف کے جس غار کو ہم دیکھنے جارہے تھے، اس کے بارے میں سو فیصد یقین سے کہنا تو مشکل ہے کہ یہی وہ غار ہے جس کا ذکر قرآنِ کریم کی سورۂ کہف میں آیا ہے، مؤرّخین نے مختلف دلائل اور قرائن کی بنیاد پر اَصحابِ کہف کے غار کے بارے میں مختلف آراء نقل کی ہیں، بعض مؤرّخین نے اس کا مقام ترکی میں، بعض نے اندلس میں اور بعض نے اُردُن میں بیان کیا ہے۔

ان روایات کی تفصیل تفسیر ''معارف القرآن'' میں سورۂ کہف کی تفسیر میں دیکھی جاسکتی ہے، اور مزید کچھ تفصیل برادرِ عزیز شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بھی اپنی کتاب ''جہانِ دِیدہ'' میں بیان کی ہے، اس لئے میں یہاں تفصیل کو چھوڑ کر مختصراً عرض کرتا ہوں کہ ان تمام روایات کے مجموعہ کو، اور اَصحابِ کہف کے غار کے سلسلہ میں جدید ترین تحقیقات کو، اور مقامی علماء اور عوام میں شہرت، اور اس غار کے محل وقوع کو دیکھ کر ناچیز کا غالب گمان بلکہ تقریباً یقین یہی ہوتا ہے کہ وہ غار یہی ہے جس کی زیارت آج ہم کو نصیب ہوئی۔

اس کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:-

۱:- تفسیر[1] ''معارف القرآن'' میں امامِ تفسیر ابنِ عطیہ سے نقل کیا ہے کہ میں

---

(۱) آنے والی روایات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تفسیر معارف القرآن ج:۵ ص:۵۴۲ تا ۵۴۶۔

نے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ شام میں ایک غار ہے جس میں کچھ مردہ لاشیں ہیں، وہاں کے مجاورین کہتے ہیں کہ یہ لوگ اَصحابِ کہف ہیں، اور اس غار کے پاس ایک مسجد اور مکان کی تعمیر ہے جس کو رقیم کہا جاتا ہے، اور ان مردہ لاشوں کے ساتھ ایک مردہ کتے کا ڈھانچہ بھی موجود ہے۔

۲:- امامِ تفسیر ابنِ جریرؒ اور ابنِ ابی حاتمؒ کے حوالہ سے تفسیر معارف القرآن میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بیان منقول ہے کہ رقیم ایک وادی کا نام ہے جو فلسطین کے نیچے ایلہ (عقبہ) کے قریب ہے، نیز حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بیان بھی منقول ہے کہ میں نہیں جانتا کہ رقیم کیا ہے؟ لیکن میں نے کعب احبار سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ رقیم اس بستی کا نام ہے جس میں اَصحابِ کہف غار میں جانے سے قبل مقیم تھے۔

۳:- ابنِ ابی شیبہؒ، ابن المنذرؒ اور ابنِ ابی حاتمؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں رُومیوں کے مقابلہ میں ایک جہاد کیا، اس موقع پر ہمارا گزر اس غار سے ہوا جس میں اَصحابِ کہف ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کچھ آدمیوں کو یہ غار دیکھنے کے لئے بھیجا، مگر جب غار میں داخل ہونا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک سخت ہوا بھیج دی جس نے ان سب کو غار سے نکال دیا۔

۴:- ۱۹۵۳ء میں اُردُن کے محقق تیسیر ظبیان صاحب اور ان کے ساتھیوں نے بڑی تحقیق اور کاوشوں کے بعد اس غار کو دریافت کیا، انہوں نے ماہرانہ تحقیق کے بعد یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہی اَصحابِ کہف کا وہ غار ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ اپنی اس تحقیق کو انہوں نے اپنی کتاب ''موقع اَصحاب الکہف'' میں محفوظ کر دیا ہے اور اس کا خلاصہ برادرِ عزیز مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب ''جہانِ دِیدہ''

میں دیکھا جاسکتا ہے۔

۵:- اُوپر جن روایات میں آیا ہے کہ یہ غار بلادِ شام میں اور بعض روایات میں ہے کہ بلادِ رُوم میں ہے اور بعض روایات میں ہے کہ ایلہ (عقبہ) کے قریب فلسطین کے نیچے ہے، یہ سب روایات بھی اسی مقام کی نشاندہی کرتی ہیں، کیونکہ اسلامی فتوحات سے پہلے اُردُن اور فلسطین کا پورا علاقہ رُومیوں کے زیرِ حکومت تھا، لہٰذا اُردُن میں واقع اس غار کو یہ کہنا کہ یہ بلادِ رُوم میں تھا، دُرست ہے، پھر ملکِ ''شام'' کا لفظ ان سب ممالک کے مجموعہ پر بولا جاتا تھا، لہٰذا بعض مؤرّخین کا یہ کہنا بھی دُرست ہے کہ یہ غار شام میں ہے۔

۶:- اس غار سے تقریباً سو ڈیڑھ سو قدم کے فاصلہ پر نشیب میں ایک وادی ہے، اس میں ایک بستی ''الرجیب'' کے نام سے موجود ہے، ہمارے میزبان اور راہنما جناب شیخ حسن یوسف صاحب نے بتایا کہ بظاہر رفتہ رفتہ قاف کو جیم سے اور میم کو باء سے بدل دیا گیا ہے، اس لئے قرینِ قیاس یہی ہے کہ ''الرجیب'' اصل میں ''الرقیم'' تھا، اور قرآنِ کریم میں اَصحابِ کہف کو ''اَصْحٰبُ الْکَھْفِ وَالرَّقِیْمِ'' کہا گیا ہے، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ غار میں جانے سے پہلے اَصحابِ کہف اسی بستی میں مقیم تھے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے جو دو روایتیں پیچھے گزری ہیں، ان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

۷:- یہ جگہ ایلہ (عقبہ) سے سڑک کے راستہ تقریباً تین ساڑھے تین گھنٹے کی مسافت پر ہے، اس لئے جن روایات میں ہے کہ یہ غار ایلہ کے قریب ہے، ان سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

۸:- وہ تمام علامات یہاں موجود ہیں جن کا ذکر قرآنِ کریم میں آیا ہے، یہ جگہ عمان شہر کے مضافات میں واقع ہے اور اب شہر کی آبادی وہاں تک تقریباً پہنچ گئی ہے۔

اَصحابِ کہف کا واقعہ

مختلف تاریخی روایات اور قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اَصحابِ کہف کا یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے تقریباً سو سال بعد سن ۱۰۰ء میں پیش آیا،[۱] اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین رائج تھا اور جو لوگ اس دین پر صحیح طرح قائم تھے، وہی مسلم اور مؤمن تھے، یہ نوجوان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر قائم تھے، لیکن ان کی بستی کا بادشاہ ''دقیانوس'' اور اس کی قوم بت پرست تھی، جبکہ یہ نوجوان بت پرستی اور شرک سے بیزار تھے، انہوں نے علی الاعلان اپنی توحید کا اعلان کیا، قرآن مجید میں اس کا تذکرہ اس طرح کیا گیا:

اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا.[۲]

''جب وہ کھڑے ہوئے اور بولے کہ ہمارا رَبّ تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رَبّ ہے، ہم اس کو چھوڑ کر کسی معبود کی عبادت نہ کریں گے۔''

بادشاہ نے ان کو دھمکیاں دیں اور کہا کہ اگر تم نے اپنا عقیدہ نہ چھوڑا تو ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ بادشاہ ہمارا دُشمن ہو چکا ہے، اس لئے یہاں سے نکل کر فلاں غار میں پناہ لینی چاہئے، چنانچہ طے شدہ منصوبے کے تحت انہوں نے اپنے ساتھ کچھ کھانے پینے کا سامان اور نقد رقم لے کر خفیہ طور پر اس غار میں آکر پناہ لے لی۔ ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہوا ہے، لیکن قرآنِ کریم نے جس انداز میں ان کا تذکرہ کیا ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ ان کی تعداد سات تھی، اور آٹھواں ان کا کتا تھا جو ان کے پیچھے پیچھے آکر غار کے

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تفسیر معارف القرآن ج:۵ ص:۵۴۶ تا ص:۵۴۹۔

(۲) سورۃ الکہف آیت:۱۴۔

دہانے پر بیٹھ گیا تھا۔

اصحابِ کہف کا کتا

ہماری شریعت میں تو کھیتی یا مویشیوں کی حفاظت یا شکار کے مقصد کے بغیر کتا پالنا جائز نہیں، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''(مذکورہ بالا ضرورتوں کے بغیر) کتا پالنے والے کے ثواب میں روزانہ دو قیراط کی کمی ہوجاتی ہے''۔ (۱)

ایک اور حدیث میں ہے:

''جس گھر میں کتا یا تصویر ہو، اس میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے''۔ (۲)

ہوسکتا ہے کہ ان اَصحابِ کہف کی زمین یا مویشی ہوں اور انہوں نے ان کی حفاظت کے لئے کتا پالا ہو، جب یہ حضرات غار میں آئے تو وہ بھی پیچھے پیچھے چلا آیا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس زمانے کی شریعت میں کتا پالنے کی مطلقاً اجازت ہو۔ (۳)

ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لینے کے بعد یہ دُعا کی:

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا. (۴)

''اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنے پاس سے رحمت کا سامان عطا فرمایئے اور ہمارے (اس) کام میں دُرستی کا سامان مہیا کردیجئے''۔

---

(۱) بخاری: کتاب الصید و مسلم: کتاب المساقاۃ والمزارعۃ و ترمذی: کتاب الصید۔

(۲) بخاری رقم الحدیث: ۳۰۵۳، ۳۰۵۴، ۳۱۴۴ و مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۴۔

(۳) تفسیر معارف القرآن ج:۵ ص:۵۵۵، ۵۵۶۔

(۴) سورۃ الکہف آیت: ۱۰۔

نیند مسلط کردی گئی

اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام کیا کہ ان کے کانوں پر نیند مسلط کردی اور یہ سب کے سب غار کے اندر سوگئے، اور یہ نیند ان پر سالہا سال تک طاری رہی، جس کا تذکرہ قرآن مجید میں اس طرح آیا:

فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا۔[1]

''پس ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک نیند کا پردہ ڈال دیا۔''

کانوں پر نیند مسلط کرنے کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ آدمی کو جب نیند آتی ہے تو اعضاء بتدریج سوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب غنودگی آتی ہے تو آنکھیں اور زبان تو بند ہوجاتی ہیں اور جسم بھی ڈھیلا ہوجاتا ہے لیکن آوازیں کچھ نہ کچھ کان میں آتی رہتی ہیں، خواہ سمجھ میں نہ آئیں، چنانچہ کان سب سے آخر میں سوتے ہیں، تو کانوں پر نیند مسلط کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو گہری نیند سلادیا گیا تھا۔

اس غار کا محلِ وقوع ایسا ہے کہ وہاں سے بیت اللہ شریف جنوب میں ہے اور دروازہ بھی جنوب کی طرف ہے، اندر جاکر راستے کی تقریباً سات فٹ چوڑی تین شاخیں ہیں، ایک دائیں طرف، ایک بائیں طرف اور ایک سامنے، بیچ میں نسبتاً کشادہ جگہ ہے۔ اَصحابِ کہف اسی بیچ کی جگہ میں سوئے تھے جس کی طرف قرآن مجید میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ۔[2]

''اور وہ لوگ اس غار کی ایک کشادہ جگہ میں تھے۔''

---

(۱) سورۃ الکہف آیت: ۱۱۔

(۲) سورۃ الکہف آیت: ۱۷۔

اصحابِ کہف کی حفاظت کا عجیب انتظام

اللہ رَبّ العالمین نے ان کی حفاظت کا عجیب و غریب انتظام کس طرح فرمایا؟ اسے قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا:

۱- وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ.[۱]

''اور (اے مخاطب!) جب دُھوپ نکلتی ہے تو، تو اس کو دیکھے گا کہ وہ غار سے داہنی جانب (یعنی مشرق) کو بچھی رہتی ہے (یعنی غار کے دروازے سے داہنی طرف الگ ہوکر رہتی ہے) اور جب چھپتی ہے تو غار کے بائیں طرف (یعنی مغرب میں) ہٹتی ہے۔''

۲- وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ.[۲]

''اور (اس نیند کے زمانۂ دراز میں) ہم ان کو (کبھی) داہنی طرف اور (کبھی) بائیں طرف کروٹ دیتے رہے۔''

۳- وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ.[۳]

''اور ان کا کتا غار کے دہانے پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے (بیٹھا) تھا۔''

یعنی: (۱)- دُھوپ کی حرارت تو ان تک پہنچتی تھی لیکن دُھوپ اندر داخل نہیں ہوتی تھی، کیونکہ سورج مشرق سے طلوع ہونے کے بعد غار کے اُوپر سے گزر کر مغرب میں ڈوب جاتا تھا، جبکہ غار کا منہ جنوب کی طرف تھا۔

(۲)- دُوسرا انتظام یہ کیا گیا کہ وقفے وقفے سے انہیں کروٹ دلوائی جاتی

---

(۱) سورۃ الکہف آیت: ۱۷۔

(۲،۳) سورۃ الکہف آیت: ۱۸۔

رہی کہ ہوا جسم کے سارے حصوں کو لگتی رہے تاکہ مٹی ان کے جسموں کو نہ کھائے اور حشرات الارض کیڑے مکوڑے، سانپ بچھو وغیرہ انہیں جاگا ہوا محسوس کر کے گزند نہ پہنچائیں۔

(۳)- مزید حفاظت کے لئے دروازے پر کتا موجود تھا۔

ان کی حالت ایسی تھی کہ دیکھنے والا انہیں یہی سمجھتا تھا کہ یہ جاگ رہے ہیں حتیٰ کہ بعض مفسرین نے یہاں تک لکھا ہے کہ ان کی آنکھیں پوری طرح بند نہ تھیں بلکہ کچھ کھلی ہوئی تھیں۔[1]

قرآن مجید کا حسابی اُعجوبہ

یہ کتنا عرصہ سوئے رہے؟ اس بارے میں قرآن مجید نے یہ اندازِ بیان اختیار کیا:

وَلَبِثُوا فِیْ کَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا.[2]

''اور وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور نو سال مزید رہے۔''

یہاں قرآن مجید کا ایک حسابی اعجوبہ ہے، اور وہ یہ کہ عربی کے عام قاعدے کا تقاضا تو یہ تھا کہ یوں کہہ دیا جاتا: ''وَلَبِثُوا فِیْ کَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ وَتِسْعَ سِنِیْنَ'' (وہ اپنے غار میں تین سو نو سال رہے) مگر قرآن مجید نے اس کے بجائے یوں ارشاد فرمایا: ''وَلَبِثُوا فِیْ کَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا'' (اور وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور نو سال مزید رہے)۔

حساب لگایا گیا تو یہ صورتِ حال سامنے آئی کہ شمسی کیلنڈر کے تین سو سال قمری کیلنڈر کے تین سو نو سال کے برابر ہوتے ہیں، بظاہر قرآن مجید نے اسی طرف اشارہ کرنے کے لئے عدد کو اس طرح بیان فرمایا تاکہ دونوں تقویموں

---

(۱) یہاں تک کی بیشتر تفصیلات تفسیر معارف القرآن سورۃ الکہف سے ماخوذ ہیں۔

(۲) سورۃ الکہف آیت: ۲۵۔

(کلینڈروں) کی مدت معلوم ہو جائے۔

ان نوجوانوں پر یہ طویل مدت اس طرح گزری کہ نہ کچھ کھایا، نہ پیا، اس حالت میں ان کا زندہ رہنا اللہ ربّ العالمین کی قدرت کا عجیب اظہار تھا، اور اس کی ایک حکمت وہ بھی تھی جو بعد میں عرض کروں گا، اِن شاء اللہ۔

جب یہ نوجوان بیدار ہوئے تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ: ہم کتنی دیر سوئے؟ کچھ ساتھیوں نے کہا کہ ایک دن یا اس کا کچھ حصہ۔ ان کے اس جواب کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ یہ نوجوان غار میں صبح کے وقت داخل ہوئے تھے اور جب آنکھ کھلی تو سورج غروب ہونے والا تھا، تو ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اگر آج صبح داخل ہوئے تھے تو دن کا کچھ حصہ سوئے رہے اور اگر گزشتہ کل آئے تھے تو ایک دن اور گزر گیا ہوگا۔

لیکن ان میں سے کچھ کو اندازہ ہوگیا کہ معاملہ کچھ اور ہے، انہوں نے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے کہا:

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ.[1]

''تمہارا ربّ ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنی مدّت (سوتے) رہے۔''

یعنی اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کتنی دیر سوئے رہے، وہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اب کام کی بات کرو، وہ یہ کہ کسی کو پیسے دے کر چپکے سے شہر بھیجو تاکہ وہ کسی دُکان سے حلال کھانا خرید کر لائے۔ ان کا یہ قول قرآنِ کریم میں ان الفاظ میں نقل کیا گیا:

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا

---

(۱) سورۃ الکہف آیت:۱۹۔

يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا.[1]

''اپنے میں سے کسی کو یہ چاندی کا سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو، وہ (وہاں) تحقیق کرے کہ کون سا کھانا حلال ہے اور اس میں سے تمہارے پاس کھانا لائے اور یہ کام خوش تدبیری سے کرے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔''

حلال کھانا تلاش کرنے کے لئے اس لئے کہا کہ جب وہ غار میں گئے تھے، اس وقت بتوں کے نام کا ذبیحہ ہوتا تھا اور وہی گوشت بازار میں ملتا تھا، اور چھپ کر جانے کے لئے اس لئے کہا کہ وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ ابھی تک دقیانوس ہی کی حکومت ہے لہٰذا انہیں خطرہ تھا کہ اگر ظالم بادشاہ کو پتہ چل گیا تو وہ انہیں سنگسار کردے گا یا جبراً دینِ حق سے ہٹانے کی کوشش کرے گا، چنانچہ انہوں نے اپنے اس خطرے کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ.[2]

''اگر وہ لوگ کہیں تمہاری خبر پاجائیں گے تو تم کو یا پتھراؤ کرکے مار ڈالیں گے یا (جبراً) تم کو اپنے مذہب میں پھر لوٹالیں گے''۔[3]

جاگے تو دُنیا بدلی ہوئی تھی

لیکن جب ان کا ایک ساتھی، جس کا نام تملیخا بتایا جاتا ہے، چاندی کا سکہ لے کر شہر پہنچا تو دُنیا ہی بدلی ہوئی تھی، اس عرصے میں ایک انقلاب آ گیا تھا اب

---

(۱) سورۃ الکہف آیت:۱۹۔

(۲) سورۃ الکہف آیت:۲۰۔

(۳) حوالۂ بالا۔

وہاں ایک نیک مؤمن بادشاہ ''بیدوسیس'' برسرِ حکومت تھا جو اصلی دینِ عیسوی پر مضبوطی سے قائم تھا، البتہ عوام میں سے کچھ لوگ عقیدۂ آخرت کا انکار کرتے تھے، اُن کا کہنا تھا کہ یہ بات عقلی طور پر محال ہے کہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے۔

بادشاہ ان کے اس غلط عقیدے کی وجہ سے بہت پریشان تھا، ایک روز اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح عاجزی سے دُعا کی کہ ایک جگہ جاکر نیچے راکھ بچھائی اور خود ٹاٹ کا لباس پہن کر اس پر بیٹھ گیا، اور پھر خوب آہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے اللہ! کوئی ایسی صورت پیدا فرمادیجئے کہ یہ قوم موت کے بعد والی زندگی کو ماننے لگ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی دُعا قبول فرمائی، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے کہ جب ان کا ساتھی کسی دُکاندار کے پاس پہنچا اور اُسے سکہ دکھایا تو وہ حیران رہ گیا کہ یہ کون سے زمانے کا سکہ ہے؟ اس نے پاس والے دُکاندار کو دکھایا لیکن کسی کی بھی سمجھ میں نہ آیا! رفتہ رفتہ یہ بات بادشاہ تک پہنچی، اس نے تملیخا کو بُلا بھیجا۔

اُس وقت لوگوں کے درمیان یہ بات مشہور تھی کہ کافی عرصہ پہلے کچھ لوگ یہاں سے غائب ہوگئے تھے۔ دقیانوس بادشاہ جس کے زمانے میں انہوں نے غار میں پناہ لی تھی، جب ان کی تلاش سے عاجز آگیا تو اس نے ان سات نوجوانوں کے نام اشتہاری مجرم کے طور پر تختی پر لکھوادیئے، جو شاہی دفتر میں محفوظ رہی۔

جب تملیخا اس نیک بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو بادشاہ کو خیال ہوا کہ شاید یہ انہی نوجوانوں میں سے ہو جو غائب ہوگئے تھے اور جن کے نام تختی پر لکھے ہوئے ہیں۔ اس نے تختی منگوائی اور اس نوجوان کا نام پوچھا، اس نے نام بتایا تو وہ نام تختی پر موجود تھا، پھر جب اس نے اپنے ساتھیوں کے نام بتائے تو وہ بھی تختی پر درج تھے، یہ جان کر بادشاہ کو بہت خوشی ہوئی، اس نے تملیخا کے ساتھ ان کے غار میں

جانے کا ارادہ کرلیا۔

جب بادشاہ اور کچھ اہلِ شہر تملیخا کے ساتھ غار کے دروازے پر پہنچے تو تملیخا نے بادشاہ سے کہا کہ آپ یہاں ٹھہریں، میں ساتھیوں کو آپ کے آنے کی اطلاع دیتا ہوں تاکہ وہ پریشان نہ ہوں۔

اب اس کے بعد دو طرح کی روایات ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تملیخا اور اس کے ساتھی باہر آئے، بادشاہ سے ملاقات ہوئی، پھر جب واپس گئے تو اندر جاکر ان کا انتقال ہوگیا۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کو بادشاہ کے آنے کا علم ہوا تو اسی وقت ان سب کی وفات ہوگئی اور بادشاہ سے ملاقات نہ ہوسکی۔

اتنی مدّت تک سُلانے کی ایک حکمت

البتہ اہلِ شہر اور وہ لوگ جو آخرت کا انکار کرتے تھے، انہوں نے جب قدرتِ الٰہیہ کا یہ عجیب منظر دیکھا تو ان کو بھی یقین ہوگیا کہ جس ذات کو یہ قدرت حاصل ہے کہ تین سو برس تک زندہ انسانوں کو کسی غذا کے بغیر زندہ رکھے اور اس طویل عرصے تک ان کو سلانے کے بعد پھر صحیح سالم اُٹھائے تو اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ مرنے کے بعد بھی اَجسام کو دوبارہ زندہ کردے۔ چنانچہ یہ ماجرا دیکھنے کے بعد وہ مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان لے آئے۔ اَصحابِ کہف کو اتنے عرصے تک سُلانے کی ایک حکمت یہ تھی، چنانچہ قرآن مجید میں اس حکمت کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا:

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا.[1]

---

(۱) سورۃ الکہف آیت:۲۱۔

''اور اس طرح ہم نے (اپنی قدرت اور حکمت سے اس زمانے کے) لوگوں کو ان (کے حال) پر مطلع کردیا تا کہ (من جملہ اور فوائد کے ایک فائدہ یہ بھی ہو کہ) وہ لوگ اس بات کا یقین کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں۔''

ان نوجوانوں کے انتقال کے بعد لوگوں نے کہا کہ ان کی کوئی یادگار قائم کرنی چاہئے، لیکن اس میں اختلاف ہوا کہ یادگار کے طور پر کیا چیز بنائی جائے۔ بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ مسجد بنائی جائے،[1] چنانچہ وہاں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی گئی، اس مسجد کے کھنڈر آج بھی غار کے اُوپر موجود ہیں۔

غار کی موجودہ صورتِ حال

اس وقت غار کے اندر کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں چار قبریں نظر آتی ہیں، دو قبریں ہٹادی گئیں، البتہ ان کی جگہ بتائی جاتی ہے کہ اس جگہ وہ قبریں تھیں، یہ قبریں ہمارے طرز کی نہیں بلکہ تابوت نما ہیں۔ مشرقی حصے کی ایک قبر میں چھوٹا سا سوراخ بھی ہے، اس سوراخ سے جھانک کر دیکھا جائے تو انسانی پنڈلی کی تقریباً پوری ہڈی نظر آتی ہے۔

اَصحابِ کہف کا کتا بھی کیسا خوش قسمت ہے کہ قرآن مجید میں کئی جگہ اس کا ذکر آیا ہے:-

۱- وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ.[2]
۲- ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ.[3]

---

(۱) حوالۂ بالا۔
(۲) سورۃ الکہف آیت:۱۸۔
(۳) سورۃ الکہف آیت:۲۲۔

۳- خَمۡسَةٌ سَادِسُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ.[۱]
۴- سَبۡعَةٌ وَّثَامِنُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ.[۲]

اللہ تعالیٰ نے اللہ والوں کی صحبت کی یہ برکت اس کتے کو عطا فرمائی کہ اُسے یہ اعزاز ملا کہ قرآن مجید نے کئی جگہ اس کا اچھائی کے ساتھ تذکرہ کیا۔[۳]

جمعرات ۲۲/ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ - ۱۰/جون ۲۰۰۴ء

''مُؤتَہ'' میں

اگلے دن ہمارے میزبان جناب حَسَن یوسف صاحب ہمیں عمّان سے جنوب کی طرف (یعنی سعودی عرب کی سمت میں) لے گئے، کیونکہ آج سب سے پہلے ''مُوتہ'' جانا تھا۔

عمّان شہر کی آبادی سے نکلتے ہوئے ایک مضافاتی علاقے ''عَبدُون''[۴] سے گزر ہوا، یہاں کشادہ سڑک کے ساتھ ساتھ ہمارے دائیں بائیں کچھ بلندی پر ایک نئی خوبصورت آبادی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ حَسَن یوسف صاحب نے بتایا کہ ان ٹیلوں پر عمّان کا یہ اضافی حصہ حال ہی میں آباد ہوا ہے، یہاں اعلیٰ درجے کے جدید ترین رہائشی مکانات ہیں، اور یہ عمّان کا سب سے مہنگا اور قیمتی علاقہ ہے۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ عمّان میں اس کی وہی حیثیت ہے جو کراچی میں ''ڈیفنس سوسائٹی'' کی۔

اسی ''عبدون'' کی نئی آبادی میں بائیں طرف امریکی سفارت خانے کی

(۱،۲) حوالۂ بالا۔

(۳) تفسیر معارف القرآن ج:۵ ص:۵۵۶۔

(۴) حسن یوسف صاحب نے عربی کا ایک جملہ سنایا کہ:''اذا بلغ البنیان - او العمران - عبدُون فانتظروا الساعة'' اور کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیثِ نبوی ہے۔ مگر ناچیز رفیع عثمانی عرض کرتا ہے کہ میں نے ذخیرۂ احادیث میں یہ جملہ بہت تلاش کیا، مجھے نہیں ملا۔ خلاصہ یہ کہ یہ حدیثِ نبوی نہیں، بالکل بے اصل بات ہے۔

عمارتوں کا ایک بہت بڑا مجموعہ جو کئی ایکڑ میں پھیلا ہوا تھا نظر آیا، جو بذاتِ خود ایک شہر سا لگتا ہے۔ اتنے سارے امریکی سفارت کار، اُردن جیسے چھوٹے سے ملک میں یہاں کیا کر رہے ہیں؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

مُوتہ وہی شہر ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ''جنگِ مُوتہ'' ہوئی تھی، یہ عمّان سے تقریباً تین، ساڑھے تین گھنٹے کی ڈرائیو (Drive) پر ہے۔

سب سے پہلے ہم اُس میدان میں پہنچے جہاں یہ معرکہ ہوا تھا، یہاں ایک بہت بڑے پتھر پر ان بارہ صحابہ کرامؓ کے نام درج ہیں جو اس میں شہید ہوئے۔ مجاہدینِ اسلام کا جہاں پڑاؤ تھا وہ جگہ یہاں سے نسبتاً بلندی پر سامنے نظر آرہی تھی، اسی کے برابر میں بلندی پر مُوتہ شہر آباد ہے جو اچھا خاصا بڑا شہر ہے۔

غزوۂ مُوتہ کا واقعہ

غزوۂ موتہ کا واقعہ یہ ہوا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ مکہ کے درمیان صلحِ حدیبیہ ہوئی تو راستے نسبتاً مامون ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیا کی دُوسری اقوام اور ان کے بادشاہوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کا اچھا موقع مل گیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دُنیا کے مختلف بادشاہوں کی طرف صحابہ کرامؓ کے ذریعے دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے، یہ صحابہ مختلف ملکوں کو جانے والے تھے اور ہر ملک کی زبان مختلف تھی، لیکن طبقاتِ ابنِ سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ روانگی کے دن جب یہ صبح بیدار ہوئے تو سب کے سب اُس ملک کی زبان جان چکے تھے جہاں انہیں جانا تھا۔[1]

اُس وقت دُنیا میں دو سپر طاقتیں تھیں، قیصرِ روم اور کسریٰ فارس، آدھی دُنیا

---

(۱) طبقاتِ ابن سعد جزو:۳ ص:۲۵۸، ۲۶۴۔

پر جس میں پورا یورپ اور شام و مصر وغیرہ کے ممالک شامل ہیں، قیصر کی حکومت تھی، اور باقی تقریباً آدھی دُنیا پر کسریٰ حکومت کر رہا تھا۔ دوسرے بادشاہوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے نام بھی دعوتی خط بھیجے، قیصر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کے ساتھ اچھا سلوک کیا، اگرچہ اسلام قبول نہیں کیا۔

لیکن جب آپ کا نامۂ مبارک کسریٰ کے پاس پہنچا تو اس نے دعوت قبول کرنے کے بجائے تکبر میں آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک چاک کر ڈالا (الحمدللہ، یہ دونوں خط اب مل گئے ہیں اور محفوظ ہیں، یہ خط ہرن کی کھال پر لکھے گئے تھے)، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا:

هَلَکَ کِسْرٰی وَلَا کِسْرٰی بَعْدَهٗ.

''کسریٰ ہلاک ہوا، اس کے بعد کوئی ''کسریٰ'' نہیں ہوگا۔''

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرحبیل بن عمرو غسّانی کے نام بھی ایک خط روانہ فرمایا، شرحبیل قیصر رُوم کی طرف سے شام کا امیر تھا، حضرت حارث بن عُمیر رضی اللہ عنہ جب آپ کا یہ خط لے کر مقامِ مُوتہ میں پہنچے جو اُردُن میں ہے، تو شرحبیل نے ان کو قتل کروادیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ سفیر کو قتل کرنا بین الاقوامی روایات و اخلاقیات کی خلاف ورزی اور انتہائی اشتعال انگیز حرکت تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جمع فرما کر تین ہزار مجاہدین کا ایک لشکر ترتیب دیا، اپنے متبنّیٰ (منہ بولے بیٹے) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر مقرّر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہوجائیں تو جعفر ابن ابی طالب امیر ہوں گے، اور اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے، اور اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو ان کے بعد لشکر کے مجاہدین جس کو چاہیں

امیر منتخب کرلیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بعض صحابہ کرامؓ کے دِل میں یہ کھٹک پیدا ہوگئی تھی کہ یہ حضرات ضرور شہید ہونے والے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا اور لشکر کو رُخصت کرنے کے لئے بنفسِ نفیس ثنیۃ الوداع تک تشریف لے گئے۔ لشکر کی یہ روانگی ماہِ جمادی الاولی ۸ھ ہجری میں ہوئی، جبکہ خیبر پچھلے سال فتح ہوچکا تھا۔

اس لشکر کو روانگی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایات بھی دیں کہ:

۱- پہلے اُس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیر کو شہید کیا گیا ہے۔

۲- وہاں پہنچ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا، اگر وہ دعوت قبول کرلیں تو ٹھیک (ان کا جرم معاف کردیا جائے، جنگ نہ کی جائے) ورنہ اللہ ذوالجلال سے مدد کی دُعا کرکے اُن سے جہاد کیا جائے۔

۳- ہر حال میں تقویٰ اور پرہیزگاری کو ملحوظ رکھیں۔

۴- اپنے (لشکر) کے ساتھیوں کی خیرخواہی کریں۔

۵- عہد کی خلاف ورزی اور خیانت نہ کریں۔

۶- کسی بچے اور عورت اور بوڑھے کو قتل نہ کریں۔[۱]

جب یہ تین ہزار صحابہؓ اُردُن کے سرحدی علاقے ''مَعان'' میں پہنچے تو پتہ چلا کہ شرحبیل غسانی ایک لاکھ کا لشکر لے کر مقابلے کے لئے تیار ہے اور رُوم کا بادشاہ ہرقل (ہرکلیوس) ایک لاکھ کا لشکر لے کر کمک کے طور پر پیچھے آرہا ہے۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ انتہائی دُشوار سفر کرکے یہاں پہنچنے والے تین ہزار مجاہدین کا مقابلہ دو لاکھ کے تازہ دَم لشکر سے ہونے والا تھا۔

---

(۱) سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ج:۲ ص:۴۵۵، ۴۵۶۔

باہمی مشورہ

جب یہ صورتِ حال سامنے آئی تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کے مجاہدین کو مشورہ کے لئے جمع کیا، اس موقع پر بعض حضرات نے یہ رائے دی کہ ایسی صورت میں ہمیں واپس جانا چاہئے، بعض کی رائے تھی کہ یہاں ٹھہر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تازہ صورتِ حال کی اطلاع دینی چاہئے، ہوسکتا ہے کہ آپ یہ خبر سن کر مزید کمک روانہ فرمادیں یا کوئی اور حکم جاری فرمائیں، لیکن اتنے میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور یہ ولولہ انگیز خطاب کیا:-

> اے قوم! جس چیز سے تم اس وقت گھبرا رہے ہو، خدا کی قسم یہ وہی چیز ہے جس کی تلاش میں تم وطن سے نکلے ہو، اور وہ ہے شہادت! یاد رکھو کہ ہم نے جب بھی کوئی جنگ لڑی ہے تو نہ کثرتِ تعداد کی بنیاد پر لڑی ہے اور نہ ہتھیاروں اور گھوڑوں کے بھروسے پر، ہم نے جس بنیاد پر جنگ لڑی ہے وہ ہمارا دین ہے جس کا اعزاز اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے، لہٰذا میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ آگے بڑھو، دو سعادتوں میں سے ایک سعادت یقیناً تمہارا مقدّر ہے یا تو تم دُشمن پر غالب آؤگے اور اس طرح اللہ اور اس کے رسول کا وہ وعدہ پورا ہوگا جو کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا، یا پھر شہید ہوکر جنت کے باغات میں اپنے بھائیوں سے جاملوگے۔ (۱)

پھر اسی پر سب کا فیصلہ ہوا کہ فتح یا شہادت کا جذبہ لے کر جنگ کی جائے،

---

(۱) سیرتِ ابن ہشام ج:۲ ص:۲۵، عیون الأثر ص:۱۹۹، مغازی الواقدی ج:۲ ص:۷۶۰۔
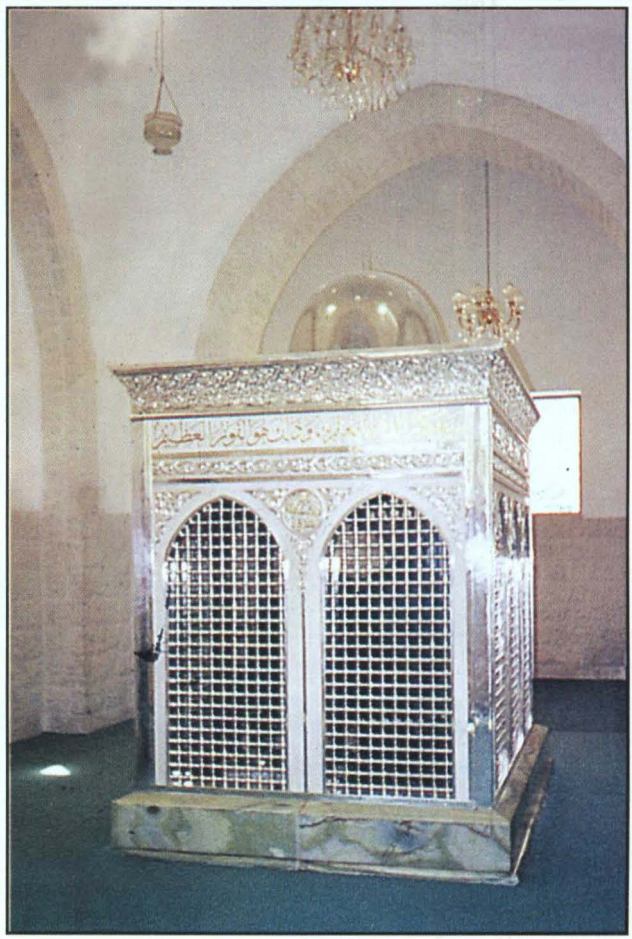
مزار حضرت زید بن حارثہؓ
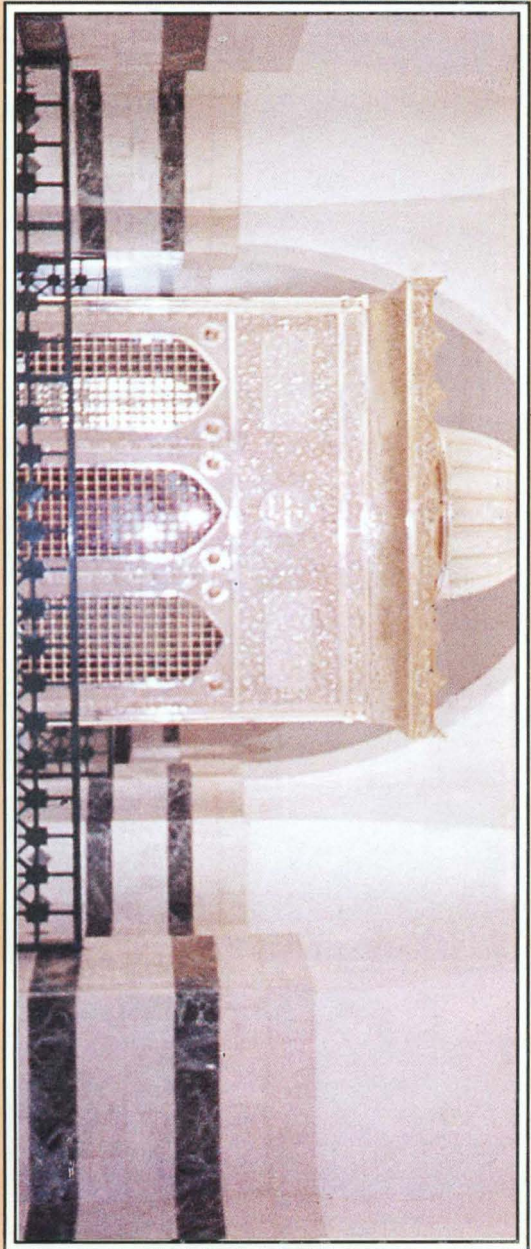
مزار حضرت جعفر طیارؓ

اور یہ لشکر آگے بڑھ کر مقامِ مُوتہ تک جا پہنچا، وہی موتہ کا مقام جہاں اس وقت ہم کھڑے ہوئے تھے۔

تین سپہ سالار

یہاں کئی روز جنگ ہوئی، صحابہ کرامؓ بڑی بے جگری سے لڑے، یہاں تک کہ دورانِ جنگ امیرِ لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جھنڈے کو سنبھال لیا، انہوں نے بھی بے جگری سے دُشمن کا مقابلہ کیا، چاروں طرف سے تیروں اور نیزوں کی بارش میں بھی پوری طرح ڈَٹ کر لڑتے رہے، زخمی ہوتے جاتے تھے اور یہ اشعار پڑھ پڑھ کر دُشمن پر حملے کرتے جاتے تھے:-

يَا حَبَّذَا الْجَنَّةُ وَاقْتِرَابُهَا طَيِّبَةٌ وَبَارِدٌ شَرَابُهَا

وَالرَّوْمُ رُومٌ قَد دَنَا عَذَابُهَا كَافِرَةٌ بَعِيدَةٌ اَنْسَابُهَا

عَلَيَّ اِذْ لَاقَيْتُهَا ضِرَابُهَا (۱)

ترجمہ:- وہ واہ جنت کیسی اچھی ہے اور اس کا قریب آجانا کتنا پُرلطف ہے! وہ پاکیزہ ہے اور اس کے مشروبات ٹھنڈے ہیں۔
ہمارا ہدف رومی ہیں اور ان کے عذاب کا وقت قریب آپہنچا ہے، یہ کافر قوم ہے ان سے ہمارا کوئی نسبی تعلق بھی نہیں، مجھ پر لازم ہے کہ جب ان سے میرا مقابلہ ہو ہی گیا ہے تو ان پر ضربِ کاری لگاؤں۔

اسی حال میں لڑتے ہوئے دُشمن پر کاری ضربیں لگاتے رہے، یہاں تک کہ

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیهقی ج:۹ ص:۱۵۴، باب الرخصة فی الرجز، حلیة الأولیاء ج:۱ ص:۱۱۸، سیر اعلام النبلاء ج:۱ ص:۲۱۰، سیرة المصطفیٰ ج:۲ ص:۵۸۔

دُشمن نے تلوار سے اُس ہاتھ پر سخت حملہ کردیا جس میں جھنڈا تھا، اور وہ ہاتھ کٹ کر گرگیا، آپ نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں سنبھال لیا یہاں تک کہ وہ ہاتھ بھی کٹ گیا تو آپ نے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں اور گود میں دبا کر جھنڈے کو سینے سے سنبھالے رکھا، لیکن دُشمن کا ایک اور وار لگا، اور شہید ہوگئے، شہادت کے بعد جب دیکھا گیا تو ان کے جسم پر نوّے سے زیادہ زخم تھے ـــــ کوئی زخم پشت پر نہیں تھا۔[1]

جب یہ بھی شہید ہوگئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا سنبھال لیا، یہ وہی عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے مشورے کے دوران لڑنے کی ترغیب دی تھی، انہوں نے بھی خوب دِل و جان سے جنگ کی، یہاں تک کہ زخمی ہوئے، اب سخت زخمی ہونے کے بعد انہیں چند لمحے کے لئے تھوڑا سا تردّد ہوا کہ آگے بڑھوں یا نہیں؟ تو فوراً انہوں نے کئی اشعار پڑھے جن میں اپنے آپ کو ملامت کی اور پھر آگے بڑھ کر لڑنے لگے، یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ اُس وقت آپ کئی دن کے فاقے سے تھے۔[2]

اِدھر یہ واقعات پیش آرہے تھے، دُوسری طرف مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان پیاروں کے حالات جاننے کے لئے فکرمند تھے، اللہ رَبّ العالمین نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس سارے میدانِ کارزار کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کردیا، آپ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور میدانِ جنگ کا حال بتلاتے ہوئے فرمایا کہ: زید بن حارثہؓ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا اور دُشمن سے خوب جنگ کی، یہاں تک کہ شہید ہوگئے اور جنت میں جا پہنچے۔

پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ: زید کے بعد جعفر نے جھنڈا سنبھال لیا، اللہ کے دُشمنوں سے خوب جنگ کی، یہاں تک کہ وہ بھی شہید

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، رقم الحدیث:۴۲۶۰۔

(۲) سیرۃ المصطفیٰ ج:۲ ص:۴۶۰۔

ہوکر جنت میں داخل ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے ان دو کٹنے والے بازوؤں کے بدلے میں انہیں دو پَر عطا کئے ہیں جن کے ذریعے وہ فرشتوں کے ساتھ جنت میں اُڑتے پھر رہے ہیں۔(۱)

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: پھر انہوں نے جھنڈا سنبھالا ــــ یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے، کچھ دیر خاموش رہے، صحابہ کرامؓ کو تشویش ہوئی کہ نہ جانے آپ ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے بھی خوب جنگ لڑی یہاں تک کہ شہید ہوکر یہ بھی جنت میں داخل ہوگئے۔ اِن تینوں کو جنت میں سنہری تخت دیا گیا ہے جس پر یہ جلوہ افروز ہیں، میں نے دیکھا کہ عبداللہ بن رواحہؓ کا تخت کچھ ڈول رہا تھا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وجہ سے خاموش ہوگئے تھے)، میں نے اس کی وجہ پوچھی تو مجھے بتایا گیا کہ میدانِ جنگ میں زخمی ہونے کے بعد انہیں کچھ دیر تردّد ہوا تھا کہ آگے بڑھیں یا نہیں؟ تو وہی کیفیت اس تخت پر دِکھائی گئی ہے ــــ آپ صلی اللہ علیہ سلم یہ فرما رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

حضرت خالد بن الولیدؓ ــــ اللہ کی تلوار

جب یہ تینوں حضرات شہید ہوگئے تو لشکرِ اسلام نے باہمی مشورے سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کرلیا، انہوں نے کمان سنبھالی اور ان کی قیادت میں مسلمان بے جگری سے لڑے، یہاں تک کہ دُشمن کے پاؤں اُکھڑ گئے ــــ دو لاکھ کا لشکر تین ہزار مجاہدین سے شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا، بعض صحابہ کی خواہش تھی کہ ان کا پیچھا کیا جائے لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے تعاقب کرنا

---

(۱) اسی وقت سے ان کا لقب ''طیار'' پڑا، ''طیار'' کے معنی ہیں اُڑنے والا، اسی وجہ سے ہوائی جہاز کو عربی میں ''طائرہ'' اور پرندے کو ''طائر'' کہتے ہیں۔

مناسب نہیں سمجھا اور لشکرِ اسلام کو بحفاظت لے کر مدینہ طیبہ پہنچے۔

جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جھنڈا سنبھالا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب جھنڈا خالدؓ نے اُٹھایا ہے، جو سَیفٌ مِنْ سُیُوفِ اللهِ ہے (یعنی اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے)، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمادی۔(۱)

اُسی وقت سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا لقب ''سیف اللہ'' (اللہ کی تلوار) مشہور ہوا۔ یہی غزوۂ موتہ ہے جس نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ''جعفرِ طیار'' اور خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو ''سیف من سیوف اللہ'' بنایا۔

حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد بھی بہت جنگیں لڑیں، کسریٰ کی طاقت کو توڑا، قیصر کی سلطنت کو پاش پاش کیا، جنگِ یرموک کی فتح حاصل کی، اور سو کے قریب جنگوں میں حصہ لیا، لیکن جب انتقال ہو رہا تھا تو گھر کے اندر بستر پر تھے، رو رو کر اس حسرت کا اظہار کر رہے تھے کہ اپنی ساری عمر شہادت کی تمنا میں اور جنگوں میں گزاری، لیکن مجھے میدانِ جنگ کی شہادت نصیب نہ ہوئی اور اب بستر پر جان دے رہا ہوں۔

دارالعلوم دیوبند کے مدرّسِ اوّل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے، فرماتے تھے کہ: حضرت خالد بن الولیدؓ کی یہ تمنا پوری نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ کسی کافر کے ہاتھوں قتل کیے جائیں، انہیں کوئی کافر قتل کر ہی نہیں سکتا تھا، کیونکہ یہ اللہ کی تلوار تھے، اور اللہ کی تلوار کو نہ کوئی توڑ سکتا ہے نہ موڑ سکتا ہے۔

---

(۱) اس پوری مرفوع حدیث کو دیکھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے: صحیح البخاری، باب مناقب خالد بن الولیدؓ، رقم الحدیث: ۳۵۴۷، باب غزوہ موتہ من ارض شام، رقم الحدیث: ۴۰۱۳، والسنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۸۲۴۸۔ نیز دیکھئے: سیرۃ المصطفیٰ ج:۲ ص:۴۶۱ تا ص:۴۶۴۔

جہاں غزوۂ مُوتہ ہوا، ہم اسی میدان میں کھڑے تھے، یہاں سے کسی قدر بلندی پر شہرِ موتہ ہے اور وہیں پر ان تینوں، حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفرِ طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کے مزارات ہیں، اِن مزارات پر اب شاندار عمارتیں بنادی گئی ہیں اور دُور دُور سے لوگ ان کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ بحمداللہ یہ سعادت ہمیں بھی نصیب ہوئی اور وہیں ایک مزار سے متصل شاندار مسجد میں ہم نے ظہر کی نماز ادا کی۔

مُوتہ اچھا خاصا بڑا شہر ہے، وہاں کے لوگوں نے بتلایا کہ جب تک یہاں پکی سڑکیں اور آبادی کی کثرت نہیں تھی اور بجلی بھی نہیں آئی تھی اُس وقت تک جب ہم جمعہ کے دن صبح کو فجر کی نماز کے لئے جاتے تھے تو یہاں تلواروں کی جھنکار اور گھوڑوں کے ٹاپوں اور ہنہنانے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں جیسے جنگ ہو رہی ہو، لیکن جب سے آبادی بڑھی اور عمارتیں پکی بن گئیں تو وہ آوازیں آنا بند ہوگئیں۔

''مَدْیَن'' میں

یہاں سے قریب ہی ''مدین'' نامی بستی ہے، یہاں مشہور ہے، اور میرا غالب گمان بھی یہی ہے، اور یہاں کے جن علمائے کرام سے میں نے پوچھا انہوں نے بھی اپنا غالب گمان یہ بتایا کہ یہی وہ بستی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ یا دس سال گزارے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں جب مصر میں غیرارادی طور پر ایک قبطی کے قتل کا واقعہ پیش آگیا تو آپ نے وہاں سے نکل کر اسی بستی میں پناہ لی تھی، آج بھی اس بستی کا نام ''مَدْیَن'' ہے اور اسی نام کی تختی بھی وہاں لگی ہوئی ہے، البتہ عوام اُسے ''مَــدِیْــن'' کہتے ہیں، حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم اسی بستی میں رہتی تھی۔

ہم عصر سے کچھ پہلے وہاں پہنچے، خوش قسمتی سے وہاں ایک رات قیام کا موقع بھی مل گیا، جس کی صورت اللہ تعالیٰ نے غیب سے یہ پیدا فرمادی کہ ہمارے

ایک میزبان جناب سمیر عبداللہ صاحب جو شہر ''اِربِد''میں رہتے ہیں ان کا اصرار تھا کہ اس بستی میں میری دو بیٹیاں رہتی ہیں، لہذا آپ ایک رات وہاں قیام کریں، ایک داماد یہاں کی مسجد میں امام و خطیب ہیں، اور دُوسرے داماد ایک سرکاری سیکنڈری اسکول (المدرسة الثانوية) میں اُستاذ ہیں، اور دونوں ماشاء اللہ تبلیغ کے کام سے وابستہ ہیں، چنانچہ ہم نے عصر، مغرب، عشاء اور اگلے روز فجر کی نماز اسی مسجد میں ادا کی۔ ایک بیٹی کے گھر میں مردوں نے اور دُوسری بیٹی کے گھر میں خواتین نے رات گزاری۔ میزبانوں کے ساتھ صبح کو ہم وہ کنواں بھی دیکھنے گئے جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام مدین کیسے پہنچے؟

موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآنِ کریم اور احادیث کی روشنی میں بالاختصار یہ ہے کہ فرعون نے یہ خواب دیکھا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو میری بادشاہت کا خاتمہ کرے گا، تو اس کے بعد اُس نے یہ حکم جاری کردیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا بھی پیدا ہو، اُسے قتل کردیا جائے، چنانچہ اس طرح ہزاروں بچے قتل ہوئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کے دِل میں یہ بات ڈالی کہ اسے صندوق میں بند کرکے دریا میں ڈال دو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، البتہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن (اپنی بیٹی) سے کہہ دیا کہ اسے دیکھتی رہو کہ یہ صندوق کہاں جاتا ہے۔

یہ صندوق دریا میں بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس سے گزرا، فرعون کے ملازمین نے اُسے پکڑ لیا، کھول کر دیکھا تو اس میں نہایت خوبصورت اور حسین بچہ لیٹا ہوا تھا، اُٹھا کر فرعون کے گھر لے گئے، فرعون کی بیوی آسیہ (جس کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے مشرف باسلام کیا اور بڑی جلیل القدر خاتون بنیں، حتیٰ کہ ان کا تذکرہ قرآن مجید

میں بھی آیا ہے، اس) نے فرعون سے کہا کہ یہ تو بہت پیارا بچہ ہے، ہم اسے پالیں گے، فرعون بھی راضی ہوگیا، چنانچہ وہ موسیٰ جس سے بچنے کے لئے ہزاروں بچے قتل کردیئے گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی پرورِش اُسی فرعون کے ہاتھوں شاہی محلات میں شہزادوں کی طرح کرائی۔

موسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں علم وحکمت عطا فرمائی، اِدھر فرعون کا یہ حال تھا کہ وہ خود قبطی قوم سے تھا اور بنی اسرائیل کے لوگوں پر ظلم ڈھاتا تھا، موسیٰ علیہ السلام اس کے طور طریقوں سے بیزار تھے، رفتہ رفتہ انہوں نے اپنی بیزاری کا اظہار بھی شروع کردیا تھا، یہ باتیں فرعون کے کانوں میں پڑنے لگیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ان سے ناراض ہوکر انہیں شہر سے نکال دیا تھا، اور آپ کسی دُوسری جگہ میں رہنے لگے تھے، البتہ کبھی کبھی اس شہر میں آجاتے تھے۔

ایک مرتبہ دوپہر کے وقت شہر میں داخل ہوئے، دیکھا کہ ایک قبطی کا جھگڑا ایک اسرائیلی سے ہورہا ہے، قبطی اسرائیلی پر ظلم کررہا تھا، اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو مدد کے لئے پکارا، آپ نے اُسے بچانے کے لئے قبطی کو ایک مکا مارا، مگر وہ مکا ایسا لگ گیا کہ اس سے قبطی کی موت واقع ہوگئی۔

موسیٰ علیہ السلام کا اِرادہ اُسے قتل کرنے کا ہرگز نہیں تھا، انہوں نے مظلوم کو ظلم سے بچانے کے لئے یہ اقدام کیا تھا لیکن قبطی مرگیا، موسیٰ علیہ السلام اس سے سخت پریشان ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے نادم ہوکر توبہ و اِستغفار کی تو اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا جس کا ذکر قرآنِ کریم میں اس طرح آیا ہے:-

قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ، اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ. قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَغَفَرَ لَهٗ.[۱]

''موسیٰ کہنے لگے یہ تو شیطانی حرکت ہوگئی، بے شک شیطان

---

(۱) سورۃ القصص آیت: ۱۵، ۱۶۔

(آدمی کا) کھلا دُشمن ہے، غلطی میں ڈال دیتا ہے۔ (اور نادم ہوکر اللہ تعالیٰ سے) عرض کیا کہ اے پروردگار! مجھ سے قصور ہوگیا ہے، آپ معاف فرمادیجئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمادیا۔"

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوا تھا وہ تو کافر تھا اور کافر بھی ایسا کہ اسرائیلی پر ظلم کر رہا تھا، اُسے قتل کرنا گناہ کیسے ہوا؟ اور اس سے مغفرت مانگنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

یہ بہت اہم بات ہے جسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ آج کل کی مسلمان اقلیتوں کا مسئلہ ہے، دُنیا کے بہت سے ممالک میں مسلمان اقلیت میں رہ رہے ہیں، بالکل وہی صورت حال ہے جیسے فرعون کے زمانے میں اسرائیلی رہتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے اس عمل سے مفسرین نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگرچہ بنی اسرائیل کا قبطیوں سے کوئی تحریری یا زبانی معاہدہ امن و امان کے ساتھ رہنے کا نہیں تھا، البتہ ایک عملی معاہدہ تھا کہ سب آپس میں پُرامن رہتے تھے اور ہر ایک دُوسرے سے یہ اُمید رکھتا تھا کہ وہ اس کی جان و مال اور آبرو پر ہاتھ نہیں ڈالے گا اور ایک دُوسرے کی آبرو پر ہاتھ ڈالنے کو بُرا سمجھا جاتا تھا۔ اور جب کسی علاقے میں مسلمان اور کافر امن و امان کے ساتھ رہ رہے ہوں اور حکومت کافروں کی ہو تو وہاں بھی یہ عملی معاہدہ پایا جاتا ہے، چنانچہ وہاں مسلمانوں کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ کسی کے مال، جان یا آبرو کو نقصان پہنچائیں، اور اگر کوئی ایسا کرے تو شریعت کی رُو سے اُسے بدعہدی یعنی عہد کی خلاف ورزی تصوّر کیا جاتا ہے، چنانچہ دُنیا کے کسی بھی غیر مسلم ملک میں جو مسلمان رہ رہے ہوں ان کے لئے شریعت کا یہی حکم ہے کہ وہ اس عملی معاہدے کی خلاف ورزی نہ کریں۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی قبطی کو قتل کرنا اگر بالقصد ہوتا تو جائز نہیں تھا، مگر واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اُسے قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ اسرائیلی شخص کو

اس کے ظلم سے بچانے کے لئے ہاتھ کی ضرب لگائی جو عادۃً سببِ قتل نہیں ہوتی، مگر قبطی اس ضرب سے مرگیا تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ اس کو ہٹانے کے لئے اس ضرب سے کم درجہ بھی کافی تھا، یہ زیادتی میرے لئے دُرست نہ تھی، اسی لئے اس کو ''شیطان کا عمل'' قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی۔[1]

فرعون کو اس قتل کے واقعے کی اطلاع ہوئی تو اس نے اجلاس طلب کیا، اس میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا فیصلہ ہوا، اس مشورے میں جو لوگ شریک تھے، ان میں سے ایک آدمی موسیٰ علیہ السلام کا خیرخواہ تھا، وہ جلدی سے ایک مختصر راستہ اختیار کرکے آپ کے پاس آیا اور واقعہ کی اطلاع دے کر آپ کو شہر چھوڑنے کا مشورہ دیا، قرآن مجید میں اس کا واقعہ اس طرح مذکور ہے:

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوْسٰى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝[2]

''اور (اس مجمع میں سے) ایک شخص شہر کے (اس) کنارے سے (جہاں یہ مشورہ ہو رہا تھا، موسیٰ علیہ السلام کے پاس نزدیک گلیوں سے) دوڑتا ہوا آیا (اور) کہنے لگا کہ اے موسیٰ! اہلِ دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں، بس آپ یہاں سے چل دیجئے، میں آپ کی خیرخواہی کر رہا ہوں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ خیرخواہانہ مشورہ سن کر مصر سے نکل کھڑے ہوئے ـــــ اُس وقت آپ کی زبانِ مبارک پر یہ کلمات جاری تھے:

عَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ.[3]

---

(۱) تفسیر معارف القرآن، سورۃ القصص، ج:۶ ص:۶۱۲۔
(۲) سورۃ القصص آیت:۲۰۔ (۳) سورۃ القصص آیت:۲۲۔

''اُمید ہے کہ میرا ربّ مجھ کو (کسی پُر امن مقام کے) سیدھے
راستے پر لے جائے گا۔''

تقدیرِ الٰہی سے آپ کے سفر کا رُخ مدین کی طرف ہوگیا، مدین مصر سے آٹھ دن کے فاصلے پر ہے، موسیٰ علیہ السلام نے یہ سارا سفر پیدل طے کیا، کھانے پینے کے لئے بھی کوئی چیز پاس نہیں تھی، جب بھوک سے بہت بے تاب ہوتے تو درختوں کے پتے کھا کر گزارا کرتے، اس طرح سفر کرتے کرتے ''مدین'' بستی میں جا پہنچے، کہا جاتا ہے کہ مدیَن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی کا نام تھا اور اس بستی کا نام بھی اُسی کے نام پر چلا آرہا تھا۔[1]

آگے اُردُن ہی کے جس ''بحرِ میّت'' کا ذکر آئے گا، اُس کے جنوبی کنارے سے خشکی کا ایک راستہ مصر کے صحرائے سینا کی طرف، فلسطین سے گزرتا ہوا جاتا ہے، ممکن ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی راستے سے مدیَن آئے ہوں، اس راستے سے بیچ میں سمندر نہیں آتا۔ فلسطین کا یہ علاقہ اب اسرائیل (یہودیوں) کے قبضے میں ہے، انا للہ۔

کنویں سے بکریوں کو پانی پلانا

یہاں آکر دیکھا کہ بستی سے باہر ایک کنواں ہے اور چرواہے اس کنویں سے پانی نکال کر ایک حوض میں بھر رہے ہیں، اور پھر اس حوض سے اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں، اور دو لڑکیاں اپنی بکریوں کو روکے ہوئے الگ کھڑی ہیں تاکہ یہ بکریاں ان کے جانوروں میں نہ مل جائیں، جب انہوں نے دیکھا کہ یہ لڑکیاں بھی پانی پلانے کے لئے اپنے جانوروں کو لائی ہیں، لیکن ایک طرف کھڑی ہیں تو ان سے اس کی وجہ دریافت کی، لڑکیوں نے جواب دیا کہ جب یہ چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر

---

(۱) تفسیر معارف القرآن ج:۶ ص:۶۱۶۔

فارغ ہوجاتے ہیں تو ہم بعد میں (حوض میں بچا ہوا) پانی اپنی بکریوں کو پلاتی ہیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوسکتا تھا کہ بکریوں کو پانی پلانے کا کام گھر کے مردوں نے کیوں نہیں کیا؟ ان لڑکیوں نے بھی اس بات کو محسوس کیا کہ اس اجنبی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوگا، چنانچہ انہوں نے اپنا عذر بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے والد بہت بوڑھے اور ضعیف ہیں، اس لئے مجبوراً ہمیں اس کام کے لئے نکلنا پڑتا ہے، قرآنِ حکیم میں اس واقعے کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۥ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۜ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ○ (۱)

"جب مدین کے پانی (یعنی کنویں) پر پہنچے تو اس پر (مختلف) آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو (اس کنویں سے کھینچ کھینچ کر اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہے تھے اور ان لوگوں سے ایک طرف (الگ) دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنی بکریاں) روکے کھڑی ہیں، موسیٰ (علیہ السلام) نے (ان سے) پوچھا: تمہارا کیا مقصد ہے؟ وہ دونوں بولیں کہ: (ہمارا معمول یہ ہے کہ) ہم اپنے جانوروں کو اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ چرواہے (اپنے جانوروں کو) پانی پلاکر ہٹا کر نہ لے جائیں اور (اس حالت میں ہم آتی بھی نہیں مگر) ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں (گھر پر کوئی اور مرد نہیں اس لئے ہمیں آنا پڑتا ہے)۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رحم آگیا، آپ نے اس کنویں کے پتھر کو اکیلے

---

(۱) سورۃ القصص آیت: ۲۳۔

اُٹھا کر کنویں کا منہ کھول دیا اور جلدی جلدی پانی کھینچ کر بکریوں کو پلوایا۔ بعض روایات میں ہے کہ چرواہوں کی عادت یہ تھی کہ اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے بعد کنویں کو ایک بھاری پتھر سے ڈھک دیتے تھے، اور یہ عورتیں اپنی بکریوں کو حوض میں سے بچا کھچا پانی پلاتی تھیں۔ یہ پتھر اتنا بھاری تھا کہ اسے دس آدمی مل کر اُٹھاتے تھے، مگر موسیٰ علیہ السلام نے اسے تنہا اُٹھا کر الگ کر دیا اور پانی نکالا۔(۱)

اس واقعے سے درج ذیل چند باتیں معلوم ہوئیں:-

۱:- اِس جیسی ضرورت کے مواقع پر اجنبی عورت سے بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت بات کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس میں فتنے کا اندیشہ نہ ہو، اور اپنی نظر کو بچایا جائے۔

۲:- یہ بھی معلوم ہوا کہ اُس زمانے میں یہ رواج تھا کہ عورتیں اس قسم کے کاموں کے لئے نہیں نکلتی تھیں، اسی لئے ان کے دِل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس اجنبی (موسیٰ علیہ السلام) کے دِل میں یہ اعتراض پیدا ہوگا کہ تم کیوں نکلی ہو؟

۳:- تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی یہ سنت ہے کہ کمزوروں اور حاجت مندوں کی اِمداد کی جائے۔

اِحسان کا بدلہ

اپنی بکریوں کو ہنکا کر یہ لڑکیاں گھر کی طرف چل دیں اور آج یہ اپنے معمول سے پہلے پہنچ گئیں، ان کے والد نے وجہ پوچھی (قرآن مجید نے یہ واضح نہیں کیا کہ ان کے والد کون تھے؟ البتہ قرائن(۲) سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام

---

(۱) تفسیر معارف القرآن ج:۶ ص:۶۱۷ بحوالہ تفسیر قرطبی۔

(۲) کیونکہ مدیَن نامی بستی میں شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا، قرآن مجید میں ہے: ''وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا'' (سورۂ ہود:۸۴) ترجمہ: ''اور مدیَن کی طرف (بھیجا) ان کے بھائی شعیب کو۔''

تھے) تو لڑکیوں نے جواب میں سارا واقعہ سنادیا۔

ادھر موسیٰ علیہ السلام کنویں سے پانی کھینچنے کے بعد ایک درخت کے سائے میں چلے گئے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا مانگی:

رَبِّ اِنِّی لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ.[1]

''اے میرے پروردگار! اس وقت جو نعمت بھی آپ میرے پاس بھیج دیں، میں اس کا حاجت مند ہوں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سات روز سے کوئی غذا نہیں چکھی تھی، اس پردیس میں آپ کھانے کے بھی محتاج تھے، ٹھکانے کے بھی، حفاظت کے بھی محتاج تھے اور دُسرایت کے بھی۔

اللہ تعالیٰ نے اس دُعا کی قبولیت کا یہ سامان کیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی ایک صاحبزادی کو بھیجا کہ وہ آپ کو بلا کر لائے، وہ شرماتی ہوئی وہاں پہنچی اور بہت حیا کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْکَ لِیَجْزِیَکَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا.[2]

''میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ کو اس کا صلہ دیں جو آپ نے ہماری خاطر (ہمارے جانوروں کو) پانی پلایا ہے۔''

بعض مفسرین کا بیان ہے کہ یہ بات کرتے ہوئے اُس نے اپنا چہرہ آستین سے چھپالیا تھا، نیز یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس لڑکی نے بُلانے کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے یوں نہیں کہا کہ آپ ہمارے گھر آئیے، بلکہ اپنے والد کی طرف سے پیغام سنایا کیونکہ اجنبی مرد کو اپنی طرف سے دعوت دینا شرم وحیا کے خلاف تھا۔[3]

ناچیز رفیع عثمانی عرض کرتا ہے کہ آج ہم اسی تاریخی کنویں کے پاس کھڑے

---

(۱) سورۃ القصص آیت:۲۴۔ (۲) سورۃ القصص آیت:۲۵۔

(۳) تفسیر معارف القرآن ج:۶ ص:۶۱۷ و ۶۱۸ (سورۃ القصص)۔

ہوئے قرآنِ کریم میں بیان کردہ اس واقعے کا تصوّر کر رہے تھے، اور اس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ کنویں سے بستی کا راستہ بلندی پر ہے، کنواں عام سطحِ زمین پر ہے جبکہ بستی خاصی بلندی پر واقع ہے۔ جب یہ لڑکی راستہ بتانے کے لئے آگے آگے چلی تو ہوا سے اُس کے کپڑے اُڑتے تھے اور وہ انہیں سمیٹتی تھی، لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے اس لڑکی سے کہا کہ تم میرے پیچھے ہو جاؤ اور پیچھے رہ کر زبان سے راستہ بتاؤ، مقصد یہ تھا کہ ان کی نظر اس لڑکی پر نہ پڑے۔

جب موسیٰ علیہ السلام شعیب علیہ السلام کے گھر پہنچے تو انہیں اپنا سارا ماجرا کہہ سنایا، ان کی داستان سن کر حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو تسلی دی کہ:

لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. [1]

"(اب) ڈرومت، تم ظالموں سے بچ آئے ہو۔"

یہ اس لئے فرمایا کہ مدین کا علاقہ فرعون کی حکومت اور اس کی عملداری سے خارج تھا، فرعون مصر میں تھا اور یہ شام (اُردُن) میں آچکے تھے۔

ملازم کے اندر کون سی صفات ہونی چاہئیں؟

حضرت شعیب علیہ السلام خود ضعیف العمر تھے، مجبوراً لڑکیاں گھریلو کام کے لئے باہر نکلتی تھیں لیکن باہر جانے سے بہت شرماتی اور کتراتی تھیں، ان کے والد کو ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو ان کاموں کو انجام دے۔ موسیٰ علیہ السلام کا ماجرا سامنے آیا تو شعیب علیہ السلام کی ایک صاحبزادی نے اپنے والد صاحب کے سامنے تجویز پیش کی جسے قرآنِ حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

قَالَتْ اِحْدٰهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ O [2]

---

(۱) سورۃ القصص آیت: ۲۵۔ (۲) سورۃ القصص آیت: ۲٦۔

"ان میں سے ایک لڑکی نے کہا: ابا جان! آپ ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ اچھا نوکر وہ ہے جو مضبوط (باصلاحیت ہو، اور) امانت دار (بھی) ہو۔"

ان صاحبزادیوں کو موسیٰ علیہ السلام کی قوت کا مشاہدہ تو کنویں سے وہ بھاری پتھر تنہا اُٹھا کر پانی نکالنے سے ہوگیا تھا، اور امانت داری کا تجربہ راستے میں لڑکی کو اپنے پیچھے کردینے سے ہو چکا تھا۔

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے اس لڑکی سے کیسی حکمت کی بات کہلوائی، واقعہ یہ ہے کہ کسی ملازم میں اس سے اچھی صفات نہیں ڈھونڈی جاسکتیں، بہتر سے بہتر صفات جو ہوسکتی ہیں وہ سب کی سب اِن دو صفتوں میں جمع ہیں۔ ملازمت خواہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کی ہو مثلاً علم وفن، ٹیکنالوجی کی، لکھنے پڑھنے کی، حساب کتاب کی، ایڈمنسٹریشن اور انتظامی اُمور کی ملازمت ہو یا عام ملازمت جیسے مزدوری اور چوکیداری وغیرہ کی، ہر قسم کی ملازمت کے لئے ان دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے، کیونکہ "قوی" کے معنی ہیں کہ جو کام اس کے سپرد ہو، وہ اس کی اچھی صلاحیت رکھتا ہو۔ اور دُوسری صفت یہ ہے کہ امانت دار ہو۔

اگر ملازم اچھی صلاحیت رکھتا ہو لیکن امانت دار نہ ہو تو اس کی ساری صلاحیت بے کار ہے، جس معاشرے میں امانت داری باقی نہ رہے وہ معاشرہ بے چینی کا شکار ہوجاتا ہے۔ یہی افسوسناک صورتِ حال آج ہمارے وطنِ عزیز کو درپیش ہے، اللہ کے فضل وکرم سے ہمارے ملک کے اندر ہر میدان میں ماہرین موجود ہیں لیکن امانت داری عنقا ہے۔ افسوس کہ آج سرکاری اور غیرسرکاری ملازمتوں میں ڈگریاں تو دیکھی جاتی ہیں لیکن امانت داری کا پہلو نہیں دیکھا جاتا، جس کا نتیجہ ہمارے ملک میں پھیلی ہوئی بے چینیاں اور بے شمار مسائل ہیں، معاشرے میں کام کرنے والوں کے اندر یہ دونوں صفات جمع ہوں تو ہمارے سارے مسائل کا حل نکل آئے۔

حضرت شعیب اور موسیٰ علیہما السلام کا معاہدہ

حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنی صاحبزادی کا مشورہ پسند آیا، پھر انہوں نے ازخود موسیٰ علیہ السلام کو پیشکش کرتے ہوئے فرمایا:-

اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَکَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِکَ.[1]

"میں چاہتا ہوں کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دُوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری ملازمت کرو، پھر اگر تم دس سال پورے کردو تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہوگا (یعنی میری طرف سے جبر نہیں)۔"

اس واقعے میں حضرت شعیب علیہ السلام نے ازخود اپنی لڑکی کا رشتہ پیش کردیا۔ ہمارے ہاں عام طور پر یہ بات معیوب سمجھی جاتی ہے کہ لڑکی والے ازخود رشتہ پیش کریں، اس واقعے سے معلوم ہوا کہ یہ کوئی عیب کی بات نہیں، اگر لڑکی کا والد یا ولی دیکھے کہ ہماری بیٹی کے لئے کوئی مناسب اور اچھی جگہ ہے تو ازخود پیشکش کردینا نہ عزت وشرافت کے منافی ہے اور نہ شریعت کے خلاف ہے، چنانچہ صحابہ کرامؓ کی سیرت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اچھا رشتہ دیکھتے تو خود پیشکش کردیتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی پیشکش کو قبول کرتے ہوئے فرمایا:

ذٰلِکَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ ۝[2]

"(ٹھیک ہے) یہ بات میرے اور آپ کے درمیان (پکی)

---

(۱) سورۃ القصص آیت:۲۷۔ (۲) سورۃ القصص آیت:۲۸۔

ہوگئی، میں ان دونوں مدتوں میں سے جس (مدّت) کو بھی پورا
کرڈوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا، اور ہم جو (معاملے کی) بات کر
رہے ہیں، اس کا گواہ اللہ ہے (اُس کو حاضر ناظر سمجھ کر عہد پورا
کرنا چاہئے)۔"

معاہدے کا حاصل یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام آٹھ یا دس سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرائیں گے اور باہر کے کام کریں گے اور ان کی ایک صاحبزادی سے شادی ہوگی۔ اس طرح موسیٰ علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک محفوظ پناہ عطا فرمادی۔

کوئی واقعہ اتفاقی نہیں ہوتا

یاد رکھئے کہ کسی کام کا اتفاقی (By Chance) ہونا ہم بندوں کے اعتبار سے ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی چیز اتفاقی نہیں ہوتی، وہاں تو سب کچھ پہلے سے لکھا ہوا اور واقعات کی کڑیاں آپس میں جڑی ہوئی ہیں، وہاں یہ نظام پہلے سے طے ہوچکا تھا کہ اپنے تخت کو بچانے کے لئے بنی اسرائیل کے ہزاروں بچوں کو قتل کرانے والے فرعون کے محلات میں موسیٰ کو پلوائیں گے اور اُسی کے ذریعے اس کی حفاظت کرائیں گے، یہاں تک کہ مدین کی بستی میں پہنچ کر بکریاں چرائیں گے۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچپن اور لڑکپن فرعون کے محلات میں ناز و نعمتوں کے اندر شہزادوں کی طرح گزرا تھا مگر اللہ تعالیٰ کو ان سے کام لینا تھا نبوّت و رسالت کا، اور یہ کام ایسا شخص نہیں کرسکتا تھا جو مجاہدے سے نہ گزرا ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ محلات میں پلنے والے اس نوجوان سے مجاہدہ کراکے اس کی تربیت کی جائے۔ کہاں شاہی ناز ونعم اور کہاں پردیس کے ٹیلوں میں بکریاں چرانا!

بکریاں چروانے کے کام میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے آدمی کے

اندر صبر و تحمل کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے، کیونکہ بکری دُوسرے جانوروں اُونٹ، گائے اور بیل کے مقابلے میں بہت کمزور جانور ہے، اس کے بار بار اِدھر اُدھر بھاگ جانے کی وجہ سے غصہ بہت آتا ہے لیکن اس کے کمزور ہونے کی وجہ سے غصہ نکالنے کے بجائے صبر کرنا پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے بکریاں چرانے کا کام لیا، سیّد الاوّلین و الآخرین ہمارے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی جوانی کے زمانے میں ایک درہم کے بدلے بکریاں چرایا کرتے تھے۔

اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رزقِ حلال کمانے کے لئے کوئی بھی پیشہ اختیار کرنا عیب نہیں، خواہ وہ مزدوری کا کام ہو یا بکریاں چَرانے کا ہو یا کسی صنعت و حرفت کا، اگر یہ کام حلال کمائی کے لئے اختیار کئے جائیں تو یہ سب کے سب محمود اور پسندیدہ ہیں، حدیث میں ہے:-

طَلَبُ كَسبِ الْحَلالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَة. (١)

”(نماز روزے وغیرہ جیسے) فرائض کی بجا آوری کے بعد حلال کمائی کے لئے کوشش کرنا بھی ایک فریضہ ہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حلال کمائی کے لئے محنت و مشقت کرنا خود ایک عبادت ہے، اور یہ عبادت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کے پہاڑوں میں ایک طویل عرصہ تک انجام دی۔

جمعہ ۲۳/ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ - ۱۱/جون ۲۰۰۴ء

جمعہ کی صبح کو نمازِ فجر کے بعد ہم وہ کنواں دیکھنے گئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس بستی میں قیام اور نکاح کا ذریعہ بنا تھا۔ مدین کی یہ بستی خاصی بلندی پر ہے، اور یہ کنواں نیچے ایک وادی میں ہے، اسی وادی کے تقریباً ہر طرف فاصلے فاصلے سے اُونچے نیچے ٹیلے ہیں، وادی میں باغات اور جنگل ہے۔

---

(١) شعب الایمان ج:٦ ص:٤٢٠ رقم الحدیث:٨٧٤١۔

جناب حسن یوسف صاحب نے بتایا کہ چند سال پہلے کی بات ہے کہ اس علاقے میں بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے پانی کی قلت ہوگئی، اور باغات کے سیرابی ایک مسئلہ بن گئی، اس کنویں کے قریب جس شخص کے باغات ہیں، اُس نے اس کنویں سے اپنے باغ کو سیراب کرنے کا انتظام کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے پانی کی برکت سے پھل بہت زیادہ اور اعلیٰ درجے کا پیدا فرمایا، حتیٰ کہ حسن یوسف صاحب کا کہنا ہے کہ ایک ایک سیب ایک کلو وزن کا پیدا ہوا۔

اس پانی کی یہ برکت مشہور ہوئی تو شاید اسی کو سن کر یا ویسے ہی اس پانی کا ٹیسٹ کرنے کے نتیجے میں ایک یورپین کمپنی نے مقامی حکومت سے معاملہ کیا اور اس کا پانی نکالنے کے لئے جدید ترین مشینیں یہاں لاکر نصب کیں، مگر اُن کا منصوبہ ناکام ہوگیا، اور وہ واپس چلے گئے۔

چنانچہ ہم اس کنویں پر پہنچے تو واقعی وہاں اُن لوگوں کا بچا کھچا سامان بکھرا پڑا تھا، کنویں کا منہ کھلا ہوا تھا، اور اُس میں پانی کے اُوپر گرد وغبار اور پتے وغیرہ اتنے پڑے ہوئے تھے کہ وہ پینے کے قابل معلوم نہ ہوتا تھا۔

مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے جناب حسن یوسف کو کہ اُنہوں نے برابر میں صرف تقریباً آٹھ دس فٹ کے فاصلے پر موجود اُونچے ٹیلے کی تہ میں ہمیں لے جاکر پانی کا ایک چشمہ دِکھایا، یہ چشمہ جاری تھا، اور اس کا پانی نہایت صاف شفاف، شیریں اور ٹھنڈا تھا، معلوم ہوا کہ اس کنویں میں پانی اسی چشمے سے جاتا ہے۔

الحمدللہ ہم سب ساتھیوں نے یہ صحت بخش بابرکت پانی خوب جی بھر کے پیا، اور ایک بڑی بوتل میں ساتھ بھی لے لیا، جو ہم کئی دن تک تبرک کے طور پر استعمال کرتے رہے۔

ہم مدین بستی سے صبح دس گیارہ بجے نکلے، جمعہ کی نماز ہمیں عمّان میں پڑھنی تھی، ہمارے میزبان جناب حسن یوسف صاحب نے بتایا کہ اب ہم عمّان جانے کے

لئے ''بحرِ میّت'' کے کنارے کنارے سفر کریں گے جہاں کبھی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم آباد تھی اور اب وہاں بحرِ میّت عذابِ الٰہی کا منظر پیش کر رہا ہے۔

بحرِ میّت

بحرِ میّت تقریباً اسّی میل لمبا اور چار پانچ میل چوڑا سمندر یا دریا ہے، کسی اور سمندر سے اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے، اسے ''بحرِ لوط'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ لوط علیہ السلام کی قوم پر خوف ناک عذاب کے نتیجے ہی میں یہ سمندر وجود میں آیا تھا۔

اس جگہ پہلے قومِ لوط آباد تھی اور یہ متعدّد بستیوں پر مشتمل تھی، جن کا صدر مقام ''سَدوم'' تھا، لیکن آج وہاں آبادی کا کوئی نام ونشان نہیں بلکہ دُنیا کا یہ سب سے زیادہ نشیبی علاقہ ہے، اور یہاں اللہ تعالیٰ کے عبرت ناک عذاب کے اثرات آج بھی آنکھوں سے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا جو ہولناک عذاب اس قوم پر آیا، اس کا ایک اثر یہ ہے کہ اس سمندر میں کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا، اسی لئے اس کو عربی میں ''البحر المیت''، فارسی میں ''بحرِ مُردار'' اور انگریزی میں "Dead Sea" کہا جاتا ہے، اور اس کا پانی سمندر سے بھی زیادہ کڑوا ہے۔

قومِ لوط

یہ بدبخت قوم اس غیر فطری عمل میں مبتلا ہوئی جو ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا، یہ لوگ مردوں سے شہوت رانی کرنے لگے تھے، لوط علیہ السلام نے انہیں اس ناپاک فعل سے باز رہنے کی بار بار نصیحت کی، قرآن مجید میں آپ کی یہ نصیحت جگہ جگہ نقل فرمائی گئی ہے، ایک جگہ ارشاد ہے:

وَلُوطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ.[1]

---

(۱) سورۃ العنکبوت آیت: ۲۸۔

''اور ہم نے رسول بنا کر بھیجا لوط (علیہ السلام) کو، جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے کسی نے دُنیا جہان میں یہ کام نہیں کیا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ O وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ O [(۱)]

''کیا سارے دُنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) کہ مَردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور تمہارے رَبّ نے جو تمہارے لئے بیویاں پیدا کی ہیں اُن کو نظر انداز کئے رکھتے ہو؟ بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) تم حدِّ (انسانیت) سے گزرے ہوئے ہو۔''

اس بُری عادت کے علاوہ اس قوم میں اور بھی کئی بڑے بڑے گناہ رائج تھے، حضرت لوط علیہ السلام نے ان پر بھی اِن کو ٹوکا اور فرمایا:

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ. [(۲)]

''کیا تم مَردوں سے بدفعلی کرتے ہو، اور ڈاکے بھی ڈالتے ہو، اور (غضب یہ ہے کہ) تم اپنی بھری مجلس میں گناہ (ایک دُوسرے کے سامنے) کرتے ہو۔

لیکن اس بدبخت قوم نے آپ کی نصیحت قبول نہ کی بلکہ ان کی سرکشی میں اور اضافہ ہوتا چلا گیا، جب لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو کہنے لگے:

---

(۱) سورۃ الشعراء آیت: ۱۶۵، ۱۶۶۔ (۲) سورۃ العنکبوت آیت: ۲۹۔

اِئْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ.[۱]

”پر اللہ کا عذاب لے آؤ، اگر تم (عذاب سے ڈرانے میں) سچے ہو۔“

اجنبی مہمان

چونکہ یہ بدمعاش لوگ خوبصورت بے ریش لڑکوں کی تاک میں رہتے تھے، اس لئے ان پر عذاب آنے کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کو بہت خوبصورت نوجوانوں کی انسانی شکل میں بھیجا، جب یہ فرشتے لوط علیہ السلام کے گھر پہنچے تو لوط علیہ السلام انہیں انسان سمجھ کر پریشان ہوگئے، کیونکہ انہیں اپنی قوم کی خباثت سے یہ خطرہ تھا کہ وہ آکر انہیں پکڑنے کی کوشش کریں گے، چنانچہ وہی خطرہ پیش آگیا جیسا کہ قرآنِ حکیم نے بتایا کہ:

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ[۲]

”اور اُن کے پاس اُن کی قوم دوڑتی ہوئی آپہنچی (کہ ان نوجوانوں کو ہمارے حوالے کرو)۔“

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو لاکھ سمجھایا، خوفِ خدا یاد دِلایا اور اُن کی خوشامد بھی کی کہ مجھے میرے مہمانوں میں رُسوا نہ کرو، مگر وہ ظالم بے حیا اپنے مطالبے سے باز نہ آئے، اس موقع پر حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیا تھا، اور یہ گفتگو ان شریر لوگوں سے بند دروازے کے پیچھے سے ہو رہی تھی، فرشتے بھی مکان کے اندر تھے، ان لوگوں نے دیوار پھاند کر اندر گھسنے کا، اور دروازہ توڑنے کا ارادہ کیا،[۱] بالآخر لوط علیہ السلام انتہائی بے بسی کے عالم میں زِچ ہوکر فرمانے لگے:

---

(۱) سورۃ العنکبوت آیت: ۲۹۔ (۲) سورۂ ہود آیت: ۷۸

لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍO[۱]

''کاش! مجھ میں اتنی قوت ہوتی کہ میں تمہارا خود مقابلہ کرسکتا، یا پھر کوئی مضبوط پایہ (میرا کنبہ، قبیلہ یہاں) ہوتا میں اُس کی پناہ پکڑ لیتا۔''

یہ اس لئے فرمایا کہ لوط علیہ السلام اصل میں عراق کے باشندے تھے، یہاں ہجرت کر کے اس قوم کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے، یہاں ان کا کنبہ یا قبیلہ نہیں تھا جو ان کی اس بے بسی میں مدد کرسکتا۔[۲]

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کا یہ سخت اِضطراب دیکھ کر اُن کے سامنے اصل حقیقت کھول دی اور کہا کہ گھبرایئے نہیں، آپ کی جماعت بڑی طاقتور اور مضبوط ہے، ہم اللہ کے فرشتے ہیں، ہم پر تو یہ کیا قابو کرتے یہ تو آپ تک بھی ہرگز نہیں پہنچ سکتے، ہم ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے آئے ہیں، لہٰذا آپ راتوں رات اپنے گھر والوں کو لے کر اس علاقے سے نکل جایئے، صبح کو اِن پر عذاب نازل ہوگا۔

عبرتناک عذاب

اگلی صبح اُس قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اس طرح آیا کہ یہ چار بڑے بڑے شہر تھے جن میں یہ لوگ بستے تھے، انہیں بستیوں کو قرآنِ کریم میں دوسری جگہ ''مُؤتَفِکَات'' کہا گیا ہے، جبریلِ امین علیہ السلام نے اپنا بازو ان سب شہروں کی زمین کے نیچے پہنچا کر سب کو اس طرح اُوپر اُٹھالیا کہ ہر چیز اپنی جگہ پر رہی، پانی کے برتن سے پانی بھی نہیں گرا، آسمان کی طرف سے کتوں، جانوروں اور انسانوں کی آوازیں اور چیخ و پکار آتی رہی، پھر اِن سب بستیوں کو آسمان کی طرف سیدھا اُٹھانے

---

(۱) سورۂ ہود آیت:۸۰۔

(۲) تفسیر معارف القرآن ج:۴ ص:۶۵۳ تا ۶۵۵۔

کے بعد اوندھا کر کے پلٹ دیا، جو ان کے عملِ خبیث کے مناسب حال تھا، اور ان کے اُوپر ایسے پتھر برسائے جن پر ہر ایک کے نام کی علامت لگی ہوئی تھی۔[1] قرآنِ حکیم نے اس عذاب کو اس طرح بیان کیا ہے:

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۵ۙ مَّنْضُوْدٍ ۵ۙ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ[2]

''جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) آپہنچا تو ہم نے اس زمین (کو اُلٹ کر اس) کا اُوپر کا تختہ نیچے کر دیا (اور نیچے کا تختہ اُوپر کر دیا) اور اس سرزمین پر کنگھر کے پتھر (یعنی جھانوہ جو پک کر مثل پتھر کے ہوجاتا ہے) برسانا شروع کئے جو لگاتار گر رہے تھے، جن پر آپ کے ربّ کے پاس (یعنی عالمِ غیب میں) خاص نشان بھی تھا (جس سے اور پتھروں سے یہ پتھر ممتاز تھے)۔''

جہاں یہ بستیاں اُلٹی گئیں، آج وہاں بستیوں کے بجائے ''بحرِ میّت'' کا قبضہ ہے۔

ہم مدین سے روانہ ہوکر کچھ دیر بعد بحرِ میّت کے کنارے کنارے جانے والی سڑک پر پہنچ گئے، یہ سارا پہاڑی علاقہ ہے، بحرِ میّت کی لمبائی شمالاً جنوباً تقریباً اَسّی (۸۰) کلومیٹر ہے، اور چوڑائی دیکھنے میں تقریباً چار پانچ کلومیٹر نظر آتی ہے، ہم نے اس کے کنارے کنارے تقریباً ستّر کلومیٹر سفر کیا، ہم جنوب سے شمال کو (عمّان کی طرف) جانے والی پختہ سڑک پر تقریباً ساٹھ کلومیٹر کی رفتار سے چلے جارہے تھے۔ ہمارے بائیں ہاتھ پر سڑک کے ساتھ ساتھ بحرِ میّت تھا، اور اُس کے پار بائیں طرف ہی فلسطین کی پہاڑیوں کا سلسلہ ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ ہمارے دائیں طرف اُونچے نیچے

---

(۱) تفسیر معارف القرآن ج:۴ ص:۶۵۵۔

(۲) سورۂ ہود آیت:۸۲، ۸۳۔

ویران پہاڑوں کا سلسلہ تھا، یہ سارے پہاڑ بحرِ میّت کی طرف جُھکے ہوئے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب یہاں اللہ کا عذاب آیا اور قومِ لوط کی بستیاں انتہائی گہرائی میں پٹخ دی گئیں تو آس پاس کے یہ سارے پہاڑ اسی گہرائی کی طرف ڈھلک گئے، بالکل اسی طرح جیسے گندھے ہوئے آٹے کے درمیان سے آٹا بالکل ہٹادیا جائے تو اس سے جو گہرائی بیچ میں پیدا ہوتی ہے دائیں بائیں کا سارا آٹا بھی اُسی کی طرف جھک جاتا اور ڈھلک جاتا ہے۔ اِن پہاڑوں کی حالت بھی ایسی ہی ہے، شاید ان پہاڑوں کا کافی اگلا حصہ بھی اس گہرائی میں جاگرا ہو جس پر اب بحرِ میّت کا قبضہ ہے۔

افسوس!

یہ بڑی عبرت کی جگہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے باز آنے کا سبق دے رہی ہے، لیکن جب ہم اس سمندر کے آخری کنارے پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ بحرِ میّت تو اب تفریح گاہ کے طور پر استعمال ہونے لگا ہے، وہاں بہت سے ریسٹورنٹ اور تفریحی سامان نظر آئے۔ کسی نے بتایا کہ اس جگہ سیاح اس لئے بھی شوق سے آتے ہیں کہ اس دریا کا پانی سمندری پانی کے مقابلے میں بہت بھاری ہے، جس کی وجہ سے اس کے اندر نہانے والا انسان عام طور پر ڈوبتا نہیں، کچھ لوگ اس میں سوئمنگ کرتے ہوئے بھی نظر آئے، بہت دِل دکھا۔ اللہ تعالیٰ ایسی ڈھٹائی سے پناہ عطا فرمائے۔

یہ جمعہ کا دن تھا، ہمیں عمان واپس پہنچنے کی جلدی تھی، لیکن عمّان شہر کے مضافاتی محلوں میں پہنچ کر نماز ہمیں راستے ہی کی ایک مسجد میں پڑھنی پڑی۔

اہلِ علم وفکر کے ساتھ ایک ضیافت

نماز کے بعد اُردُن کے ایک ممتاز نوجوان عالمِ دین ایاد الغوج نے ناچیز کی خاطر دوپہر کے کھانے پر عمان کے ممتاز اہلِ علم وفکر کو مدعو کیا ہوا تھا، وہاں پہنچے تو

سب کو منتظر پایا، اُردُن اور شام کے کھانے تو لذیذ ہوتے ہی ہیں محفلیں بھی بڑی پُرلطف ہوتی ہیں، علمی تبصرے اور علمی لطائف ان کی جان ہوتے ہیں، یہ محفل کھانے کے بعد بھی عصر تک جاری رہی اور اختتام ایک ایمان افروز عربی نعت پر ہوا، جسے ترنم سے پڑھنے والوں میں بعض نوجوان علماء بھی شریک تھے، اور ''دُف'' اُس کی تأثیر کو دوبالا کر رہی تھی۔

اُردُن اور شام ہمارا جانا اس طرح ہوا تھا کہ گزشتہ بقرعید کے موقع پر وہاں کے دو انجینئر جناب حسن یوسف اور جناب سمیر عبداللہ، دارالعلوم کراچی میں ناچیز سے ملنے کے لئے تشریف لائے، ان دونوں کا تعلق اُردُن سے ہے، لیکن انہوں نے انجینئرنگ کی ڈگری یہیں پاکستان کی یونیورسٹیوں سے حاصل کی تھی، اور یہاں تعلیم کے دوران اللہ تعالیٰ نے ان کو تبلیغ کے کام سے وابستہ کردیا، اب اسی سلسلے میں وہ پاکستان آئے ہوئے تھے، اسی ملاقات میں اُن کی پُرخلوص دعوت پر یہ طے ہوگیا تھا کہ ہم عنقریب عمرے کو جاتے ہوئے چند روز اُردُن اور شام میں بھی قیام کریں گے اور ان کے مہمان ہوں گے۔

جناب حسن یوسف کی رہائش عمّان میں ہے، اور سمیر عبداللہ صاحب اُردُن کے ایک اور خوبصورت شہر ''اِربِد'' میں رہتے ہیں۔

انہوں نے آپس میں یہ تقسیم کرلی تھی کہ اُردُن کے جنوبی علاقے کے مقامات حسن یوسف صاحب دکھائیں گے اور شمالی علاقہ جو شام کی سرحد سے ملتا ہے، اُس حصے کی سیاحت سمیر عبداللہ صاحب کرائیں گے۔ چنانچہ جنوبی علاقے کی ۴ روزہ سیاحت سے فارغ ہوکر جیسے ہی ہم عمان کی مذکورہ بالا ضیافت میں پہنچے، سمیر عبداللہ صاحب اپنے شہر ''اِربد'' سے وہاں پہنچ چکے تھے، عصر کے بعد مغرب تک شیخ ضیاء کے مکان پر آرام کیا، اور بعد مغرب ''اِربد'' کے لئے بذریعہ کار روانہ ہوگئے، یہ شہر عمان سے ۲ گھنٹہ کی مسافت پر ہے، جدید طرز کا خوبصورت شہر ہے۔

ہفتہ ۲۴؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ - ۱۲؍جون ۲۰۰۴ء

شمالی اُردُن میں

یہاں چار دن اس طرح گزرے کہ میزبان صبح کو ہمیں لے کر جاتے اور گھما پھرا کر رات کو واپس لے آتے، ان کا خوبصورت بنگلہ اِربد شہر کے مضافاتی پُرسکون اور سرسبز و شاداب علاقے میں ہے، چونکہ میری اہلیہ بھی ساتھ تھیں اس لئے انہوں نے مکان کا اُوپر کا پورا حصہ ہمارے لئے پہلے سے مخصوص کیا ہوا تھا، عربوں کی روایتی مہذب اور شائستہ مہمان نوازی کی جو ٹھنڈک عمان اور مدین میں ملی تھی اُس کی یہاں بھی کمی نہ تھی، بلکہ اس مکان میں قیام چونکہ مسلسل چار روز رہا، تو خواتین آپس میں زبان کے اختلاف کے باوجود خوب گھل مل گئیں، اور بچے تو ہم دونوں سے ایسے مانوس ہوئے کہ یوں لگا جیسے ہم برسوں سے ساتھ رہتے ہیں۔

سمیر عبداللہ ہمیں پہلے دن ''اِربد'' سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت پر شمال میں ایک ایسی بلند پہاڑی پر لے گئے جہاں بیک وقت کئی چیزیں ہمارے سامنے تھیں، سامنے شمال میں جولان کی وہ مشہور پہاڑیاں تھیں جو درحقیقت شام کا حصہ ہیں، مگر ۱۹۷۳ء کی جنگ میں ان پر اسرائیل کا قبضہ ہوگیا تھا اور آج تک وہی ان پر مسلط ہے، ان پہاڑیوں پر باغات اور کھیتوں میں کام کرتے ہوئے یہودی اور ان کی گاڑیاں نظر آئیں، اس افسوسناک منظر کو دیکھ کر یوں لگا جیسے یہ گاڑیاں ہمارے سینوں پر چل رہی ہوں، ان پہاڑیوں سے بائیں طرف ہٹ کر انہی کے دامن میں دریا ''بُحَیرة طبريّة'' ہے وہ بھی ہمارے سامنے تھا۔

بحیرۂ طبریہ

''بحیرۂ طبریہ'' وہ دریا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی ہے کہ قربِ قیامت میں جب یأجوج مأجوج نکلیں گے اور بحیرۂ

طبریہ پر پہنچیں گے تو اس لشکر کا اگلا حصہ اس کا سارا پانی پی جائے گا، جب آخری حصہ وہاں پہنچے گا تو انہیں وہاں پانی نہیں ملے گا۔[۱]

بحیرۂ طبریہ سے مزید بائیں طرف ہٹ کر فلسطین کی پہاڑیاں ہیں، ان پر بھی ہماری شامتِ اعمال سے اسرائیل کا قبضہ ہے۔

جنگِ یرموک کا میدان

پہاڑی سلسلے کے جس ہموار کشادہ بلند مقام پر ہم کھڑے تھے، اس کے اور سامنے کی جولان کی پہاڑیوں کے درمیان ایک سرسبز و شاداب بہت طویل وادی ہے، جو جولان کی پہاڑیوں کے دامن میں شام (دمشق کی طرف سے) شروع ہوکر بحیرۂ طَبَریہ پر ختم ہوتی ہے، یہ وادی بھی نیچے ہمارے سامنے تھی، اسی وادی میں دریائے اُرْدُن شام کی طرف سے آکر بحیرۂ طبریہ میں گرتا ہے، اسی دریائے اُرْدُن کے کنارے میدانِ یرموک تھا، یہ وہ میدان ہے جہاں جنگِ یرموک کا عظیم الشان معرکہ ہوا ہے۔ جہاں سے کھڑے ہوکر ہم یہ مناظر دیکھ رہے تھے، وہاں پتھر کے کئی کتبے نصب تھے اُن پر اس جنگ سے متعلق خاص خاص باتیں لکھی ہوئی ہیں۔

جنگِ یرموک کا واقعہ خلافتِ راشدہ کا سب سے بڑا واقعہ ہے، جس نے اُس وقت کی دُنیا کی دو سپر طاقتوں میں سے ایک ''سلطنتِ روما'' کی کمر ہمیشہ کے لئے توڑ ڈالی۔ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ غزوۂ موتہ میں جب رومیوں کو شرمناک زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے اس کے جواب میں مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لئے تیاریاں شروع کیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اس وقت تک ہونے والے تمام غزوات و سرایا سے بڑھ کر سب سے بڑا لشکر تیار کیا جو تقریباً تیس ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا، یہ لشکر انتہائی خوفناک صحرا اور دُشوار گزار راستہ

---

(۱) کتاب الفتن لنعیم بن حماد ج:۲ ص:۵۸۹، مکتبہ التوحید، القاہرہ۔

گرمی کے سخت موسم میں طے کر کے تبوک کے مقام پر پہنچا، وہاں جانے کا مقصد یہ تھا کہ رُومیوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم غافل نہیں ہیں، اگر تم حملہ کرنے کا ارادہ کرو گے تو ہم وہیں آ کر تمہاری خبر لے سکتے ہیں۔

جب رُومیوں کو پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر لے کر خود تبوک کے مقام پر آپہنچے ہیں تو انہیں سامنے آنے کی ہمت نہیں ہوئی اور پیچھے ہٹ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز وہاں قیام فرمایا، پھر مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ اطلاع ملی کہ رُومی جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں، اس مرتبہ آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت أسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں لشکر ترتیب دیا، حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت سترہ سال تھی، آپ کے والد زید بن حارثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اور والدہ اُمِّ عطیہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آزاد کردہ باندی تھیں، نسبی اعتبار سے تو یہ کیفیت تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایسے لشکر کا امیر بنایا جس میں صدیقِ اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی ان کے ماتحت تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کرتے وقت ان سے فرمایا کہ: دیکھو! میں تمہیں ایسی قوم کی طرف بھیج رہا ہوں جنہوں نے تمہارے والد کو شہید کیا تھا، اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں جہاد کرو، اور کافروں سے جنگ کرو۔

لیکن اسی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، صدیقِ اکبرؓ خلیفہ ہوئے، انہوں نے اَمیرِ لشکر حضرت اُسامہؓ کی اجازت سے فاروقِ اعظمؓ کو اپنے پاس روک کر جیشِ اُسامہ کو روانہ کیا[(۱)] اور اُسامہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ جلدی

---

(۱) تاریخ اسلام از اکبر خان نجیب آبادی ج:۱ ص:۱۹۷ و ۱۹۸۔ و ص:۲۲۷ تا ۲۲۹۔ و سیرۃ المصطفیٰ ج:۳ ص:۱۵۴ و ۱۵۵۔

واپس آجانا۔ چنانچہ یہ لشکر اپنا مقصد حاصل کر کے جلد واپس آ گیا۔ اس طرح جنگِ یرموک سے پہلے رُومیوں سے تین جنگیں ہوچکی تھیں، ۱-غزوۂ موتہ، ۲-غزوۂ تبوک اور ۳-جیشِ اُسامہ کا واقعہ۔

جنگِ یرموک

اِدھر رُومی اپنی مسلسل شکستوں کی وجہ سے بے چین تھے، ان کی کوشش تھی کہ کسی طرح مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کا خاتمہ کیا جائے، ہرقل قیصرِ رُوم استنبول سے شام آیا اور جنگ کے لئے زبردست تیاریاں شروع کر دیں۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو آپ نے رُومیوں کے مقابلے میں چار لشکر تیار کر کے روانہ کئے، یہ چاروں لشکر ابتداءً مختلف سمتوں سے گئے تھے پھر آگے جا کر میدانِ یرموک میں جمع ہوگئے، مسلمانوں کے چاروں لشکروں کا مجموعہ تیس ہزار مجاہدین تھے، ہرقل نے بھی مقابلے میں چار لشکر تیار کئے تھے جس میں سے ایک لشکر کے اندر نوّے ہزار، دُوسرے میں ساٹھ ہزار، تیسرے میں پچاس ہزار اور چوتھے میں چالیس ہزار فوجی تھے، گویا تیس ہزار مجاہدین کے مقابلے میں دو لاکھ چالیس ہزار کا لشکر مقابلے پر آ گیا تھا۔

اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عراق کے معرکے میں مصروف تھے، اور دُنیا کی اُس وقت کی دوسری سپر طاقت ''فارسِ کسریٰ'' پر ضربوں پر ضربیں لگا رہے تھے، جب حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو رُومی فوج کی یہ نئی صورتِ حال معلوم ہوئی تو آپ نے خالد بن ولیدؓ کی طرف پیغام بھیجا کہ عراق میں بقدرِ ضرورت مجاہدین چھوڑ کر فوراً شام پہنچو۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس بیس ہزار فوج تھی جو کسریٰ پر موت کی دستک دے رہی تھی، آپ نے وہاں حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرّر کر کے دس ہزار مجاہدین ان کے پاس چھوڑے اور دس ہزار مجاہدین لے

کر ماہِ ربیع الاوّل ۱۳ھ میں میدانِ یرموک پہنچ گئے، اس طرح اب مسلمانوں کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار ہوگئی۔

اس میدان میں کفار کی پوزیشن اس اعتبار سے بہتر تھی کہ ان کی پشت پر جولان کی پہاڑیاں تھیں (جو اس وقت ہمارے سامنے تھیں) اور ایک طرف دریائے اُردُن تھا، یہاں دونوں لشکر تقریباً ڈیڑھ دو ماہ تک ایک دوسرے کے سامنے اس طرح پڑے رہے کہ کوئی بڑی جنگ نہیں ہوئی، چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہیں۔[1]

فیصلہ کن معرکہ

ایک رات حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ کل صبح دُشمن کی طرف سے بڑا حملہ ہونے والا ہے تو انہوں نے راتوں رات ہی لشکر کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کیا اور ہر دستے پر ایک تجربہ کار بہادر مجاہد کو افسر مقرر کردیا، اور چیدہ چیدہ بہادر مجاہدین کا ایک دستہ اپنی رفاقت کے لئے مخصوص کر کے نہایت عمدگی کے ساتھ ہر افسر کو اس کے فرائض اور مناسب ہدایات دے دیں۔

صبح کو رُومی لشکر کی جانب سے اوّلاً چالیس ہزار سواروں کے لشکر نے حملہ کیا، حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنے مٹھی بھر رفقاء کے ساتھ مل کر اس لشکر کو بھگا دیا، اس کے بعد دُوسرا رُومی لشکر سامنے آیا، اس کے سردار کا نام جرجہ بن زید تھا، جب وہ سامنے آیا تو اس نے اعلان کیا کہ اپنے امیر کو آگے بھیجو، حضرت خالد بن ولیدؓ اس کے پاس پہنچے، اس نے کہا: مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں، چنانچہ دونوں طرف لشکر ایک دُوسرے کے مدمقابل تھے اور دونوں کے امیر ایک دُوسرے سے باتیں کر رہے تھے، جرجہ نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے اسلام کے متعلق کچھ باتیں معلوم کیں، انہوں نے بڑی خوبی کے ساتھ اسلام کا تعارف کروایا، اللہ تعالیٰ نے اُس کو ہدایت عطا فرمائی اور وہ مشرف

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخِ اسلام (از اکبر خان نجیب آبادی) ج:۱ ص:۲۶۰ و ۲۶۱۔

باسلام ہوگیا، اور اسی وقت اسلامی لشکر میں شامل ہوکر رُومیوں کے خلاف زبردست جنگ کی یہاں تک کہ اسی لڑائی میں مسلمانوں کی طرف سے لڑتا لڑتا شہید ہوا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

اگلے روز سخت حملہ شروع ہوا، مسلمانوں کے لشکر میں خوب جوش وخروش تھا، ابوسفیان رجز (جنگی اشعار) پڑھ پڑھ کر دِلوں کو گرما رہے تھے، حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل نے بلند آواز سے کہا: کون ہے جو میرے ہاتھ پر موت کے لئے بیعت کرے؟ اسی وقت چار سو مجاہدین نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ہم یا تو فتح مند ہوکر میدان سے واپس آئیں گے یا شہید ہوجائیں گے۔

اس کے بعد یہ جماعت رُومی لشکر میں بھوکے شیروں کی طرح گھس گئی، دوسرے مجاہدین نے بھی ہر طرف سے زوردار حملہ کیا، شام کے قریب رُومی فوجوں کے پاؤں اُکھڑ گئے، انہوں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا لیکن پیچھے پہاڑ تھے، مسلمانوں نے اور دھکیلا تو ان کے لئے جگہ تنگ ہوگئی وہ خشکی کے راستے سے نکلنا چاہتے تھے لیکن وہاں خشکی کا راستہ تنگ تھا، لاکھوں کے اس بھگوڑے لشکر کے لئے کافی نہ تھا، برابر میں دریائے اُردُن بہہ رہا تھا، چنانچہ مسلمانوں نے ان کا زبردست قتلِ عام کیا، دُشمن کے ایک لاکھ چالیس ہزار فوجی مارے گئے جن میں بہت سے فوجی دریائے اُردُن پار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ڈوب کر یا خندقوں میں گرگر کر ہلاک ہوئے، صبح تک میدان صاف ہوچکا تھا، چالیس ہزار اہلِ ایمان نے دو لاکھ چالیس ہزار فوجیوں کو شکست فاش دی۔ (۱)

بے مثال ایثار

اس جنگ میں مسلمان مجاہدین کے باہمی ایثار کا یہ سبق آموز واقعہ بھی پیش

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: تاریخ اسلام از اکبر خان نجیب آبادی وفتوح الشام۔

آیا کہ تین صحابی حضرت حارث بن ہشام، عکرمہ بن ابی جہل اور عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہم سخت زخمی ہوگئے، زخمی حالت میں حضرت حارثؓ نے پانی مانگا، جب پانی والا ان کے قریب پہنچا تو قریب پڑے ہوئے حضرت عکرمہؓ کی زبان سے نکلا ''پانی''، حضرت حارثؓ نے فرمایا کہ پانی ان کی طرف لے جاؤ، جب پانی والا ان کے قریب پہنچا تو حضرت عیاشؓ نے پیاس کی شدت کی وجہ سے پانی مانگا، حضرت عکرمہؓ نے ان کو پانی پلانے کا اشارہ کیا، لیکن جب پانی پلانے والے مجاہد ان کے پاس پہنچے تو وہ شہید ہوچکے تھے، جب واپس عکرمہؓ کے پاس آئے تو وہ بھی جان دے چکے تھے، پھر جلدی سے پہلے صحابی کی طرف دوڑے تو وہ بھی جان کی بازی جیت چکے تھے۔(۱)

جب ہم اس پہاڑی پر کھڑے میدانِ یرموک اور دریائے اُردن کا مشاہدہ کررہے تھے تو ذہن اس جنگ کے مختلف نقشے بنا رہا تھا، اور اسلامی بھائی چارے اور ایثار کا یہ واقعہ خاص طور سے یاد آ کر اس ملّی رُوح کی نشاندہی کر رہا تھا جس نے ہمارے اسلاف کو، دیکھتے ہی دیکھتے، آدھی سے زیادہ دُنیا کا نہ صرف حکمران بلکہ انتہائی مشفق و مہربان معلّم بھی بنادیا تھا، اور اب اس واقعے کی یاد حسرت بن کر مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی کا راز فاش کر رہی تھی۔

نخلِ بیسان

یہاں سے واپسی اغوار کے علاقے سے ہوئی، جنوب کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ہمارے دائیں طرف اسرائیل کا مقبوضہ علاقہ تھا، وہاں کے باغات اور کھیتوں میں یہودی کام کرتے نظر آرہے تھے، وہیں ایک نخلستان (کھجوروں کے باغ) سے گزر ہوا جس کا نام ''بیسان'' ہے، یہ بھی اسرائیل کے قبضے میں ہے، اس باغ کے بارے میں مشہور صحابی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث سے اور

---

(۱) مستدرک علی الصحیحین ج:۳ ص:۳۷۰ رقم الحدیث:۵۰۵۸۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اُس کی فی الجملہ توثیق سے معلوم ہوتا ہے کہ قربِ قیامت میں اس کا پھل آنا بند ہوجائے گا۔[1] ہمارے میزبان جناب سمیر عبداللہ نے بتلایا کہ یہ باغ تقریباً ختم ہوچکا تھا، یہودیوں نے اسے دوبارہ تیار کیا ہے، لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس میں پھل آرہا ہے یا نہیں؟

عینِ زُغر

اسی کے قریب ذرا آگے ''زُغر'' نامی چھوٹے سے قصبے میں ایک چشمہ ہے، جو ''عَینُ زُغَر'' کے نام سے مشہور ہے، اس کے بارے میں بھی حدیث میں یہ پیش گوئی آئی ہے کہ قربِ قیامت میں اس کا پانی خشک ہوجائے گا اور وہاں کے لوگ اس کے پانی سے اپنے کھیتوں کو سیراب نہیں کرسکیں گے۔[2]

اتوار ۲۵/ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ - ۱۳/جون ۲۰۰۴ء

''اِربِدْ'' شہر

اُردُن میں بھی ہفتہ وار تعطیل دو روز ہوتی ہے، ایک جمعہ کو، اور دوسری ''اسرائیل کی رعایت سے'' ہفتے کے روز، چنانچہ آج اِربد میں بھی سارے بازار اور دفاتر کھلے ہوئے تھے، میں نے اُردُن پہنچتے ہی عمان میں اپنے موبائل کے لئے وہیں کی ''سِم'' (Sim) خرید لی تھی جو بہت سستی یعنی ۱۵ دینار (اُردُنی) میں مل گئی، یعنی تقریباً بیس امریکی ڈالر میں، جی ہاں! اُردُن کا دینار امریکی ڈالر سے مہنگا ہے۔ اور سِم کے ساتھ جو ''کالنگ کارڈ'' کسی مزید معاوضے کے بغیر ملا تھا وہ آج صبح ہی ختم ہوا تھا، اس لئے ہمیں سیاحت کے لئے آگے جانے سے پہلے نئے کارڈ کی خریداری کے لئے بازار جانا پڑا۔

---

(۱) صحیح مسلم باب قصة الجساسة، رقم الحدیث: ۷۳۴۴۔

(۲) المعجم الاوسط ج:۵ ص:۱۲۵، رقم الحدیث: ۴۸۵۹۔

عمارتیں اور سڑکیں

اِربدؔ جدید طرز کا صاف ستھرا خوبصورت شہر ہے، بازار بارونق ہیں، یوں تو عمّان میں بھی عمارتیں زیادہ اُونچی نہیں، لیکن اِربدؔ کی عمارتیں اور بھی کم بلند ہیں، چنانچہ عمّان شہر میں جو کشادگی نظروں کو بھاتی ہے وہ یہاں اور بھی زیادہ بھلی لگی، اُردُن کے جن جن شہروں اور بستیوں میں جانا ہوا ان سب کی عمارتوں میں ایک مشترک حسن یہ نظر آیا کہ یہ تقریباً سب کی سب سفید پتھروں سے بنائی گئی ہیں، جن میں پیلا پن اتنا ہلکا ہے کہ ان کو سفید کے بجائے ''آف وائٹ'' بھی مشکل ہی سے کہا جاسکتا ہے، یہ پتھر یہاں کے پہاڑوں میں فراوانی سے دستیاب ہیں، اس یک رنگی کے حسن کو نظروں کی اُکتاہٹ سے بچانے کے لئے مختلف قسم کی چھوٹی بڑی اور اُونچی نیچی عمارتوں میں معماروں نے ان پتھروں کی چنائی اور جڑائی میں جو طرح طرح کی دستکاریاں اور جدّت طرازیاں کی ہیں، انہوں نے پورے ملک کی عمارتوں کو ''کم خرچ بالانشین'' کا حسین نمونہ تو بنایا ہی ہے، ''سادگی و پُرکاری'' کی بھی دِل فریبی عطا کردی ہے۔

سڑکوں کا معیار مجموعی طور پر تقریباً پاکستان جیسا ہی ہے، لیکن وہ گندگی، افراتفری اور بدنظمی بحمداللہ یہاں نظر نہیں آتی جو ہماری شامتِ اعمال سے پاکستان کے غریب محلّوں، چھوٹے شہروں اور دیہات کا مقدر بن کر رہ گئی ہے، اُردُن کے لوگوں میں تہذیب و شائستگی اور خوش اخلاقی نمایاں ہے۔

نظامِ تعلیم

تعلیم پر یہاں بہت زور ہے، اس چھوٹے سے ملک میں ۲۲ یونیورسٹیاں ہیں جن میں سرکاری یونیورسٹیاں صرف سات، باقی سب پرائیویٹ ہیں۔ دوسرے ممالک کے طلبہ بھی خاصی تعداد میں زیرِ تعلیم ہیں۔ یہاں شرحِ خواندگی کے مصدقہ اعداد و شمار تو دریافت نہیں ہوسکے، لیکن نظر بھی آیا اور جس سے بھی پوچھا ہر ایک نے یہی بتایا کہ

یہاں کی بھاری اکثریت تعلیم یافتہ ہے، مجھے بھی یہاں کے نو روزہ قیام اور شب و روز کی سیاحت میں کسی ناخواندہ شخص سے واسطہ پیش نہیں آیا۔

سرسری معلومات کے نتیجے میں یہاں کے نظامِ تعلیم میں دو خوبیاں اور ایک خامی نظر آئی، پہلی خوبی یہ کہ پورے ملک کے سرکاری نصاب میں دینی تعلیم کو خاص اہمیت حاصل ہے، پرائمری تعلیم سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک، قرآنِ کریم، حدیث وتفسیر اور اسلامی شریعت نصاب کا لازمی حصہ ہیں، کوئی ڈاکٹر ہو یا انجینئر، ماہرِ قانون ہو یا ماہرِ معاشیات، لوہار ہو یا کارپینٹر، دُکاندار ہو یا صنعتکار، ٹیکسی ڈرائیور ہو یا مزدور، دینی تعلیم کی بنیادی باتوں سے ضروری حد تک بہرہ ور ہے۔

قومی و سرکاری زبان

دوسری خوبی یہ ہے کہ یہاں کی حکومت اور عوام نے اپنی قومی زبان عربی کو وہی مقام دیا ہوا ہے جو ہر آزاد و خودمختار قوم کا شعار ہوتا ہے، انگریزی اور دوسری غیرملکی زبانیں بھی پڑھائی جاتی ہیں، لیکن عربی زبان اُسی اعلیٰ معیار پر تعلیم کا لازمی حصہ بلکہ بنیاد ہے جو کسی قومی زبان کا ہونا چاہئے، یہاں کی سرکاری اور دفتری زبان بھی عربی ہے، بازاروں، سڑکوں، دفاتر، تفریح گاہوں، تعلیم گاہوں میں سارے بورڈ عربی زبان میں نظر آتے ہیں، البتہ ایئرپورٹ پر عربی زبان کے نیچے انگریزی بھی لکھی نظر آئی۔ یونیورسٹی کی سطح تک کے تعلیم یافتہ مرد اور خواتین انگریزی زبان پڑھنے اور بولنے پر قدرت ضرور رکھتے ہیں، مگر غیرضروری طور پر کوئی بھی انگریزی بولتا نظر نہیں آیا۔

یہاں بازاروں اور گھروں میں جو عربی زبان بولی جاتی ہے وہ اُس طرح کی "لغة عامِّية" نہیں جیسی سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور بحرین اور کویت وغیرہ میں بولی جاتی ہے کہ اُس کا اصل عربی زبان سے رشتہ محض واجبی سا رہ گیا ہے، اسی وجہ سے

اُس زبان کو "لغة عربية" (عربی زبان) کے بجائے "لغة عاميّة" کہا جاتا ہے، اس کے برخلاف اُردُن کے بازاروں اور گھروں میں بھی بحمداللہ اصل عربی زبان ہی رائج ہے۔

تعلیمی نظام کی ایک خامی

یہاں کے تعلیمی نظام میں ایک خامی یہ نظر آئی کہ یہاں قدیم طرز کے دینی تعلیمی ادارے اب ناپید ہیں، یہاں دینی تعلیم کی سطح اب صرف اُتنی ہی رہ گئی ہے جتنی سرکاری تعلیمی اداروں میں ہے، چنانچہ یہاں کے تعلیم یافتہ حضرات بڑی شدّت سے محسوس کر رہے ہیں کہ اب یہاں سے ایسے ماہر علمائے دین پیدا ہونے بند ہوگئے ہیں جن کے علم پر اور جن کی دینی پختگی پر اعتماد کیا جاسکے۔ چنانچہ عمّان، مدین اور اِربد وغیرہ کی مجالس جو ناچیز ہی کی پذیرائی اور عزت افزائی کے لئے منعقد کی جاتی رہیں، اُن میں تقریباً ہر شعبۂ تعلیم کے اسکالرز ہوتے تھے، اسلامی علوم کے خاص خاص موضوعات پر ڈاکٹریٹ کے ڈگری یافتہ حضرات بھی ہوتے تھے، خاص خاص موضوعات پر تصنیفی خدمات انجام دینے والی شخصیات بھی، ان سب مجالس میں یہ بات متفقہ طور پر کہی جاتی تھی کہ ہماری یونیورسٹیوں سے اسلامی شریعت کے ڈگری یافتگان تو ضرور پیدا ہو رہے ہیں، مگر پاکستان و ہند کے برعکس یہاں ایسی علمی گہرائی اور دینی پختگی رکھنے والے علمائے دین ناپید ہو رہے ہیں، جن کے علم و دیانت پر اعتماد کیا جاسکے، اور جن سے لوگ حلال وحرام کے مسائل پوچھ کر اطمینان کرسکیں۔

ان مجالس میں مجھ سے بار بار پاکستان اور ہندوستان کے دینی مدارس کے نصاب و نظام کی تفصیلات پوچھی جاتیں، اور سن کر نہایت ہی رشک بھرے انداز میں دُوسروں کو بتائی جاتیں، خاص طور سے جب ان کو یہ بتایا جاتا کہ ہمارے دِینی مدارس میں درسِ نظامی کے آخری سال "دورۂ حدیث" میں "الصحاح الستة" سمیت دس کتابیں "روايةً ودرايةً" اور "سندًا ومَتْنًا" پڑھائی جاتی ہیں اور ان میں سے چار اہم

ترین کتابیں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داوٗد اور جامع ترمذی اوّل تا آخر مکمل پڑھائی جاتی ہیں تو ان کی رشک بھری حیرت کی انتہاء نہیں رہتی تھی۔

یہی اسباب تھے جن کی وجہ سے مجھ جیسے طفلِ مکتب کی اُردُن میں آمد کو یہاں کے دینی اور علمی حلقے غیر معمولی اہمیت دے رہے تھے، اور علمی مجلسیں خاص اسی مقصد کے لئے منعقد کی جارہی تھیں کہ اُن میں شرعی مسائل پر تبادلۂ خیال ہو یا مجھ ناچیز سے وہ مسائل پوچھے جائیں۔

یہ جملۂ معترضہ طویل ہوتے ہوتے کہاں سے کہاں پہنچ گیا، میں آپ کو اتوار کے دن کی روداد سنانے لگا تھا، اور اِربد کے بازار تک پہنچا تھا۔

یہاں بازار میں کچھ عورتیں اور بچے بھیک مانگتے نظر آئے جو خود کو عراقی ظاہر کر رہے تھے، اور یہ تأثر دیتے تھے کہ وہ عراق پر حالیہ امریکی حملے کے نتیجے میں یہاں آکر پناہ گزین ہوئے ہیں، مگر سمیر عبداللہ صاحب نے بتایا کہ یہ پیشہ ور بھکاری ہیں کہیں اور سے آئے ہیں، عربوں کی نسل سے نہیں ہیں۔

لطیفہ

شہر کے مضافات میں پہنچ کر سمیر عبداللہ صاحب نے اپنی گاڑی ایک ورکشاپ کے سامنے روکی، یہاں گاڑی میں کچھ کام کرانا تھا، اور پھل بھی خریدنے تھے، سامنے ایک بڑی دیوار پر جلی حرفوں سے ایک دِلچسپ حکیمانہ عبارت بہت اہتمام سے لکھی ہوئی نظر آئی، قارئین کی دِلچسپی کے لئے اُس کا ابتدائی حصہ یہاں نقل کرتا ہوں، ترجمے سے لطف جاتا رہے گا، اس لئے عربی ہی میں نقل کر رہا ہوں:

من وصایا الیقظان

لا تشتغل بالشوک: الشین شراکة، والواو وکالة والکاف کفالة.........

آگے "الکفالة" پر تبصرہ ملاحظہ ہو:

الكفالة: أوّلها شهامة، ثانيها ندامة، ثالثها غرامة.

"الکفالة" سے پہلے "شراکة" اور "وکالة" کے بارے میں بھی اسی طرح کے دلچسپ بلیغ جملے لکھے تھے، مگر گاڑی روانہ ہوگئی، یہ بھی جو کچھ نقل کیا ہے حافظے ہی سے نقل کیا ہے۔

اَغوار میں

شہر سے نکلتے نکلتے دوپہر کے بارہ بج چکے تھے، اب ہم "اغوار" کی طرف جارہے تھے، یہ اُردن کا نشیبی علاقہ ہے اور دریائے اُردن کے کنارے کنارے شمالاً جنوباً دُور تک چلا گیا ہے، اس کے دونوں طرف یعنی مشرق و مغرب میں پہاڑی سلسلے ہیں، مغرب کے پہاڑی سلسلے میں فلسطین اور بیت المقدس واقع ہیں جو ہماری شامتِ اعمال سے اب یہودیوں کے قبضے میں ہیں، یہ بہت سرسبز علاقہ ہے، انگور، زیتون اور انجیر کے باغات سے اور لہلہاتی کھیتیوں سے بھرا ہوا ہے، اُردن کے پھل بڑے لذیذ ہوتے ہیں، ان دنوں نہایت شاداب اور لذیذ تربوز فراوانی سے آرہے تھے، اور ہر ضیافت کی زینت تھے۔

یہ جون کا مہینہ تھا، پاکستان میں تو گرمی عروج پر تھی مگر اُردن میں ہلکی گرمی ملی، بتایا گیا کہ یہاں زیادہ سے زیادہ بس اتنی ہی گرمی ہوتی ہے، مگر اغوآر میں نسبتاً زیادہ گرمی ملی، سمیر عبداللہ صاحب اور ان کا ۱۳ سالہ بیٹا اَنس اس گرمی سے پریشان دکھائی دیتے تھے، مگر ہمارے لئے یہ شدید گرمی نہیں تھی۔

اغوآر کے علاقے میں کئی جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے مزارات ہیں، جو "طاعونِ عمواس" میں شہید ہوئے ہیں، عموآس یہاں کی ایک بستی کا نام ہے جو بیت المقدس کے قریب ہے، حضرت فاروقِ اعظمؓ کے دورِ خلافت میں یہ مشہور طاعون اسی بستی سے شروع ہوا تھا، اور صحابہؓ و تابعینؒ کی بہت بڑی تعداد اس میں شہید ہوگئی تھی،

اُس زمانے میں اُردُن، سیریہ، فلسطین اور لبنان کے مجموعے کو ''شام'' کہا جاتا تھا، اب وہی متحدہ شام ان چھوٹے چھوٹے ملکوں اور ریاستوں میں تقسیم ہوگیا ہے، اور اب ان میں سے صرف ''سیریہ'' (سوریہ) کو ''شام'' کہا جاتا ہے۔

ا۔ متحدہ شام (جو چار ملکوں کا مجموعہ تھا) اس کے فاتح حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی طاعونِ عمواس میں شہید ہوئے ہیں۔ آج ہم نے سب سے پہلے ان ہی کے مزارِ مبارک پر حاضر ہونے کی سعادت حاصل کی۔ مزار کے ساتھ اب ایک عالی شان مسجد موجود ہے، اور جس بستی میں یہ مزارِ مبارک ہے اس کا نام ''قریۃ ابوعبیدۃ'' ہے، یہاں سے عمواس نامی بستی کا فاصلہ ۲۵ کلومیٹر سے بھی کم ہے، ظہر کی نماز ہم نے اسی مسجد میں ادا کی۔

حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ اُن عظیم ترین صحابہ کرامؓ میں سرِفہرست ہیں جو ''سابقینِ اوّلین'' میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کو دو ہجرتوں کا اِعزاز بھی ملا ہے، پہلے ہجرتِ حبشہ کا، پھر ہجرتِ مدینہ منوّرہ کا، یہ اُن خوش نصیب دس صحابہ کرامؓ میں بھی ممتاز مقام رکھتے ہیں جو ''عشرۂ مبشرہ'' کہلاتے ہیں، یعنی جن کا نام لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔

ان کا ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ''أَمِینُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ'' کا خطاب عطا فرمایا ہے۔ صحیح بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

لکل أمّة أمین، وأمین هذه الأمّة ابوعبیدة بن الجراح.

ترجمہ:۔ ہر اُمت کا ایک امین ہوتا ہے، اور اس اُمت کے امین ابوعبیدۃ بن الجراح ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پورے ملکِ شام (اُردُن، فلسطین، لبنان اور سوریہ) کو رُومیوں کے جور وستم سے آزاد کرانے اور دینِ حق کے نور سے منوّر
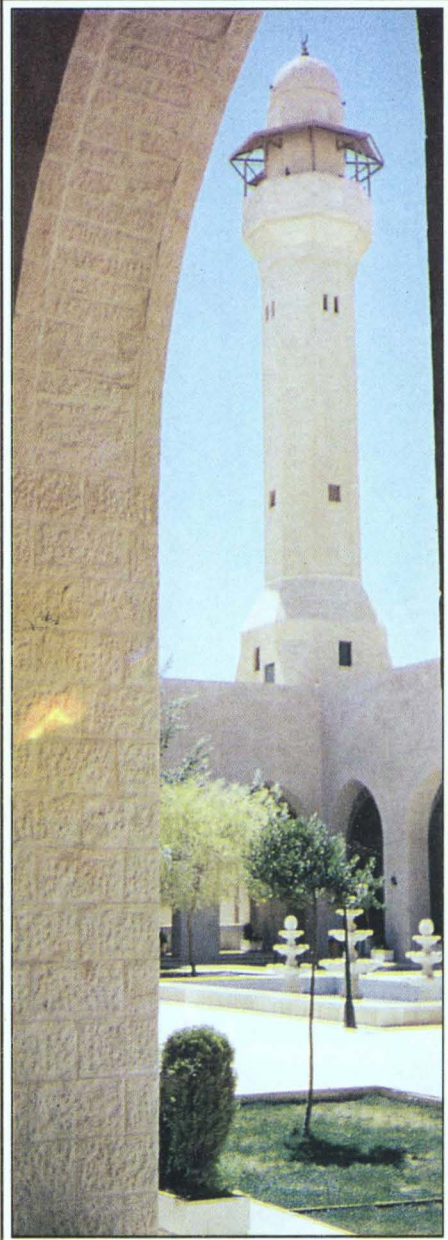
مزار حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ
کی مسجد کا بیرونی منظر

مزار حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رض

مزار حضرت شرحبیل بن حسنہؓ

مزار حضرت عامر بن ابی وقاصؓ
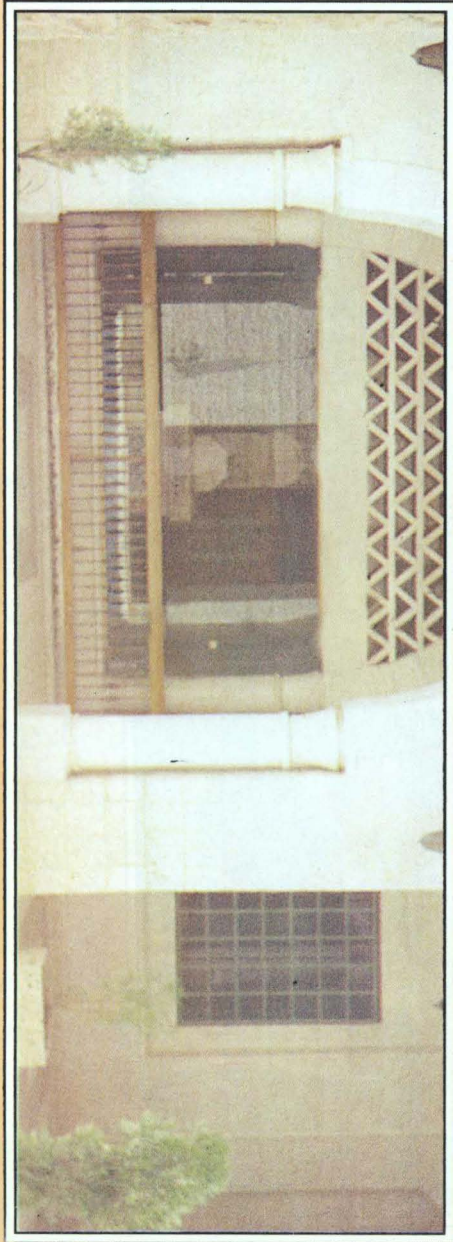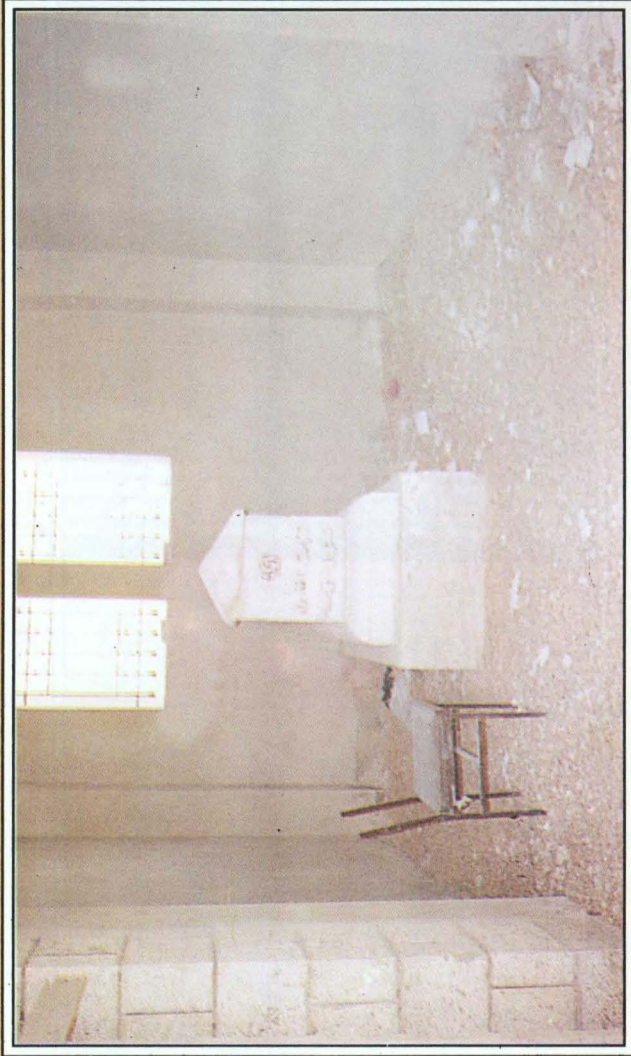
کرنے کے لئے جو جہادی مہم شروع کی تھی اس کا سپہ سالا حضرت ابوعبیدہؓ کومقرر فرمایا تھا، یہ سارے علاقے ان ہی کی سرکردگی میں فتح ہوئے، صرف جنگِ یرموک کے موقع پر سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا، جب فتحِ یرموک کی خبر ماہِ جمادی الثانیہ ۱۳ھ میں مدینہ منوّرہ پہنچی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوچکی تھی، امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظمؓ نے فتحِ یرموک کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو حسبِ سابق سپہ سالار مقرر کردیا، چنانچہ پورے علاقۂ شام کی فتح مکمل ہونے تک وہی سپہ سالار رہے اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے ان کی ماتحتی میں کام کیا۔ شام کی فتوحات مکمل ہوجانے کے بعد بھی وہی فاروقِ اعظمؓ کی طرف سے تاحیات یہاں کے عامل (گورنر) رہے۔

ان کی امانت و دیانت، شجاعت و بسالت، زُہد و تقویٰ اور قناعت و استقامت اورفہم و فراست کے حالات اتنے ایمان افروز اور دِل گداز ہیں کہ دِل چاہتا ہے کہ صفحے کے صفحے لکھتا چلا جاؤں، مگر یہ کام برادرِ عزیز شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اپنے مشہور سفرنامے ''جہانِ دِیدہ'' میں بڑی خوبی کے ساتھ کرچکے ہیں، قارئین کو میرا مشورہ ہے کہ اُس کا مطالعہ فرمائیں۔

۲- ''قریۃ ابوعبیدۃ'' سے کچھ فاصلے پر ایک بستی ''قَـرْیَۃُ ضـرّار'' آتی ہے، یہاں حضرت ضرار بن الاَزْوَر کا مزار ہے، ان کے مجاہدانہ کارناموں سے شامی فتوحات کی تاریخ لبریز ہے، یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے رفیقِ خاص رہے ہیں، ان کی وفات بھی طاعونِ عمواس میں ہوئی۔

۳- واپسی میں ایک بستی ''وادی الریان'' آئی، یہاں حضرت شرحبیل بن حسنۃ رضی اللہ عنہ کی قبرِ مبارک ہے، اُردُن کا بڑا علاقہ ان ہی کے ہاتھوں فتح ہوا ہے، یہ ایک زمانے میں فلسطین کے عامل (گورنر) بھی رہے ہیں، جس روز حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح کی وفات ہوئی اُسی روز یہ بھی طاعونِ عمواس میں شہید ہوئے، رضی اللہ

عنہما۔ ان دونوں مزارات پر ہم حاضر نہ ہوسکے، دُور سے اِیصالِ ثواب کی سعادت حاصل ہوئی۔

۴- واپسی میں ایک اور بستی 'قریۃ وقاص'' میں حضرت عامر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، یہ سابقینِ اَوّلین میں سے ہیں، اور فاتحِ کسریٰ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔

۵- آخر میں حضرت معاذ بن جبل اور ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما کے مزار پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، یہ مزار بھی ایک خوبصورت مسجد کے ساتھ ہے، ان کی شہادت بھی طاعونِ عمواس میں ہوئی ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی جلالتِ شان، علمی عظمتوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلقِ خاص، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر خاص خاص شفقتوں کے واقعات بھی اتنے دِلچسپ اور اثرانگیز ہیں کہ ان کے مختصر بیان کے لئے بھی کئی صفحے درکار ہوں گے، اس کے لئے قارئین کو یہاں بھی یہی مشورہ دوں گا کہ وہ ''جہانِ دِیدہ'' کا مطالعہ فرمائیں۔

اس ساری سرزمین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انفاسِ قدسیہ کی مہک، اور اُن کی برکتیں آج بھی محسوس ہوتی ہیں، بیت المقدس یہاں سے تقریباً ایک گھنٹہ کی زمینی مسافت پر یہودیوں کے قبضے میں ہے!— یہاں قدم قدم پر ایک آواز دِل میں گھستی ہوئی محسوس ہوتی ہے جو بیت المقدس سے مسلسل آرہی ہے، سَر میں لگے کان بند کئے جاسکتے ہیں مگر دِل کے کان کیسے بند کروں؟ اُس کے اس سوال کا جواب کیسے دوں کہ:

تمہیں اپنی بزدلی اور بے غیرتی پر اپنے اِن عظیم اسلاف سے بھی
شرم نہیں آتی...؟

یہاں کی بعض علاماتِ قیامت

اُردُن میں جن جن تاریخی مقامات پر جانا ہوا اکثر جگہ اسرائیل کے مقبوضات بھی ساتھ ہی نظر آئے جو انہوں نے مسلمانوں سے چھینے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ہماری شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے، دِل جو شامتِ اعمال سے پہلے ہی زخمی ہے، ان مناظر کو بچشم خود دیکھ کر اور بھی چوٹ پر چوٹ کھاتا رہا۔

لیکن پوری دُنیا جس تیزی سے بدل رہی ہے، اور جس طرح بدل رہی ہے، خصوصاً شرقِ اَوسط میں تقریباً ساٹھ سال سے انقلابات رونما ہو رہے ہیں، انہیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ علامات کی روشنی میں دیکھا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ دُنیا اب بہت تیزی سے قیامت کی طرف رواں دواں ہے۔ اُردُن اور شام کے اس سفر میں قدم قدم پر نظر آتا رہا کہ یہ امام مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور اور دجال سے ان کی ہونے والی جنگ کا میدان تیار ہو رہا ہے، اور اسی جنگ کے دوران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے فوراً بعد ان کے ہاتھوں دجال کے قتل اور ساتھ ہی یہودیوں کے قتلِ عام کا جو واقعہ ہونے والا ہے، اس کی تیاری میں خود یہودی - نادانستہ ہی سہی - پیش پیش ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کافی پہلے ''بختِ نصر'' بادشاہ نے جب یہودیوں پر ضربِ کاری لگائی تو یہ تتر بتر ہوکر پوری دُنیا میں ذلت کے ساتھ بکھر گئے تھے، اب سے تقریباً ساٹھ سال پہلے تک ان کا یہی حال تھا، اب ہزاروں سال بعد ان کا پوری دُنیا سے کھنچ کھنچ کر فلسطین میں آکر - دُوسرے لفظوں میں اپنے مَقتل میں آکر - جمع ہوجانا یہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے لشکر کا کام آسان کرنے میں لگے ہوئے ہیں، ورنہ بقول حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو پوری دُنیا میں کہاں کہاں تلاش کرتے پھرتے''۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہودی دجّال کو اپنا پیشوا مانتے ہیں، اور عجیب بات یہ ہے کہ اُس کی آمد کے اُسی مقام پر منتظر ہیں جہاں پہنچ کر اُس کا قتل ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگی خبر کے مطابق مقدّر ہو چکا ہے۔

ہمارے ایک میزبان جناب حسن یوسف جن کا ذکر پہلے بھی کئی بار آچکا ہے، یہ اصل باشندے فلسطین کے ہیں، وہاں سے ہجرت کر کے تقریبا ۲۵-۳۰ سال سے عَمّان ہی میں مقیم ہیں، اُنہوں نے بتایا کہ اب سے کئی برس پہلے وہ تبلیغ کے سلسلے میں فلسطین گئے تو وہاں کے ایک شہر "لُـدّ" بھی جانا ہوا، جو بیت المقدس کے قریب ہے، وہاں ایک بڑا گیٹ دیکھا جو "بـابُ لُدّ" (لُدّ کا دروازہ) کہلاتا ہے، اُس پر اسرائیلی انتظامیہ نے لکھا ہوا ہے کہ:

"هُنَا يخرُجُ مَلِكُ السَّلام"

(سلامتی کا بادشاہ (دجال) یہاں ظاہر ہوگا)

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث دیکھئے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی تفصیلات ارشاد فرمائی ہیں، یہ حدیث اعلیٰ درجے کی صحیح سندوں کے ساتھ آئی ہے، اور اسے تین صحابہ کرام[۱] اور ایک اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا وعنہم) نے روایت کیا ہے، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:-

فَيَطْلُبُهُ حتّى يُدرِكَهُ بِبابِ لُدٍّ فَيَقْتُلُهُ.[۲]

ترجمہ:- پس عیسیٰ (علیہ السلام) دجال کو تلاش کریں گے یہاں

---

(۱) یعنی حضرت نواس بن سمعان، حضرت مجمع بن جاریۃ الانصاری اور حضرت ابوامامۃ الباہلی رضی اللہ عنہم۔ (التصریح بما تواتر فی نزول المسیح حدیث نمبر: ۵، ۱۱، ۱۳، ۳۳)۔

(۲) صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجۃ ومسند احمد۔

تک کہ اُسے ''بابِ لُدّ'' (لُدّ کے دروازے) پر جالیں گے اور قتل کردیں گے۔

ہمارے ایک اور میزبان جناب علی حسن احمد البیاری جو اِربدؔ کے معروف تاجر ہیں اور تبلیغی کام سے بھی وابستہ ہیں، ہمارا عمان سے اِربدؔ کا سفر ان ہی کی گاڑی میں، ان ہی کی قیادت میں ہوا تھا، ان کے والد بھی اصل باشندے فلسطین کے تھے، بلکہ خاص شہر ''لُـدّ'' ہی کے رہنے والے تھے، ۱۹۴۸ء میں ہجرت کر کے یہاں آگئے تھے، یہیں ۱۹۵۱ء میں علی حسن احمد البیاری صاحب پیدا ہوئے۔

انہوں نے آج ہماری سیاحت سے واپسی پر اپنی عالی شان کوٹھی میں ضیافت کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ اس پُرلطف مجلس میں انہوں نے اپنا یہ واقعہ بھی سنایا کہ ۱۹۸۰ء میں یہ دس روز اپنے آبائی وطن ''لُدّ'' میں جا کر رہے، انہوں نے بتایا کہ وہاں ''بابُ لُـدّ'' ہی کے مقام پر ایک کنواں ہے، یہودی شہری انتظامیہ نے وہاں سے ایک سڑک گزارنے کے لئے اس کنویں کو ختم کرنا چاہا، مگر بلڈوزروں اور طرح طرح کی مشینوں سے بھی اُس کنویں کو ختم نہ کیا جاسکا، مجبوراً سڑک وہاں سے ہٹ کر گزارنی پڑی، وہاں اب یہ لکھا ہوا تھا کہ: ''**هذا مكان تاريخي**'' (یعنی یہ ایک تاریخی مقام ہے)۔

انہی علی حسن بیاری صاحب نے بتایا کہ ان کے ایک ماموں زاد بھائی بھی جو ''علاماتِ قیامت'' کی تحقیق وجستجو میں خاص دِلچسپی رکھتے ہیں، ''لُـــدّ'' گئے تھے، وہاں انہوں نے ایک محل دیکھا جو اسرائیلی انتظامیہ نے اپنے ''ملک السلام'' (دجال) کے لئے بنایا ہے۔

پیر ۲۶؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ - ۱۴؍جون ۲۰۰۴ء

یہاں کے تبلیغی مرکز میں

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اُردُن میں تبلیغی کام بھی بڑے پیمانے پر جاری

ہے، یہاں جس جس شہر بلکہ جس جس گاؤں اور قصبے میں جانا ہوا وہاں اس کے اثرات نمایاں نظر آئے، بوڑھے، جوان، مرد اور عورتیں اس مبارک کام سے وابستہ ہیں۔

آج ہمیں عمان واپس جانا تھا، دوپہر تقریباً ۱۲ بجے جناب سمیر عبداللہ کے دو صاحبزادوں عبداللہ اور معاذ نے بھیگی پلکوں کے ساتھ ہمیں رُخصت کیا، گاڑی سمیر عبداللہ خود چلا رہے تھے، میں ان کے برابر کی سیٹ پر تھا، پیچھے ان کا چھوٹا بیٹا انس اور ان کی اہلیہ اور میری اہلیہ ساتھ بیٹھی تھیں۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہم ایک چھوٹے سے شہر میں داخل ہوئے، اس جگہ کا نام ''مُخَیَّمُ حَطِّین'' ہے، یہاں سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمانے میں ایک مشہور معرکہ ہوا ہے۔ اس کے مضافاتی علاقے میں ''مدینۃ الحجاج'' کے مقام پر اُردُن کا تبلیغی مرکز ہے۔ پروگرام کے مطابق ہمیں یہاں عصر تک ٹھہرنا تھا اور مغرب کی نماز عمان پہنچ کر پڑھنی تھی۔

تبلیغی مرکز میں لوگ ہمارے منتظر تھے، یہ ایک بڑی دومنزلہ مسجد میں واقع ہے، خواتین برابر کی عمارت میں چلی گئیں جہاں خواتین ان کی منتظر تھیں۔

یہاں معمول کے مطابق تبلیغی قافلوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی جاری تھا، اور جو لوگ یہاں ٹھہرے ہوئے تھے اُن کے لئے بیانات کا بھی۔ ایک تبلیغی قافلہ پاکستان (پشاور) سے آیا ہوا تھا جو چار مردوں اور ان کی بیگمات پر مشتمل تھا، مگر ان میں سے ایک صاحب کچھ عرصہ پہلے بیمار ہوگئے تو ان کو اپنی اہلیہ کے ساتھ پشاور واپس جانا پڑا، باقی تینوں حضرات کے اس تبلیغی سفر کے آج چار ماہ پورے ہو رہے تھے اس لئے یہ حضرات دو روز بعد پاکستان واپس جانے والے تھے، ہماری یہاں آمد کا ایک مقصد ان بھائیوں سے ملاقات کرنا بھی تھا۔

ان حضرات نے ہمیں اور خواتین نے خواتین کو اپنے چار ماہ کے اس سفر کی جو روئیداد سنائی اُس سے بہت مسرت ہوئی، یہ سخت سردی کے موسم میں یہاں آئے

تھے اور اب جون کا مہینہ چل رہا تھا، ان چار ماہ میں یہ پورے ملکِ اُردُن کا بہت تفصیلی دورہ کر چکے تھے، یہاں کے لوگوں کے حسنِ اخلاق کا خاص طور سے ذکر کرتے تھے، ان خواتین اور مردوں نے اس عرصے میں عربی زبان بھی اتنی سیکھ لی تھی کہ آسانی سے بات چیت کرتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ ہم نے اس سفر میں اتنا سیکھا ہے کہ عمر بھر میں نہیں سیکھا تھا، اور ہم کو دینی فائدہ بہت ہوا ہے، اور ان کا فائدہ اُردُن کے بھائیوں کو یہ ہوا کہ یہ جہاں بھی گئے ان کو دیکھ کر وہاں کے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد تبلیغ کے اس مقدس کام میں نکل کھڑی ہوئی۔

تبلیغی جماعت کے بانی ــــ مولانا محمد الیاس صاحبؒ

میں سوچ رہا تھا - اور دُنیا کے جس ملک میں بھی جاتا ہوں وہاں تبلیغی کام کی وسعت دیکھ کر اور وہاں کے بھائیوں میں اس کام کی لگن اور افادیت کو دیکھ کر ہمیشہ سوچا کرتا ہوں کہ تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے کیسا اخلاص عطا فرمایا تھا کہ جو کام انہوں نے تنِ تنہا شروع کیا تھا آج وہ پورے عالم میں اس طرح پھیلا ہوا ہے کہ شاید ۲۴ گھنٹوں میں کوئی لمحہ کسی دن ایسا نہیں گزرتا جب پیدل اور سوار تبلیغی قافلے شہروں اور دیہاتوں میں، ریگستانوں، برفستانوں اور کفرستانوں میں اللہ کا پیغام نہ پہنچا رہے ہوں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت میں نے بچپن میں اپنے والدِ ماجد مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی معیت میں نظام الدین دہلی میں اُس وقت کی تھی جب وہ مرضِ وفات میں تھے ــــ انہوں نے جو سفر تنہا شروع کیا تھا آج کتنے ہی قافلے اُسی سفر میں رواں دواں ہیں، وللہ الحمد، دیکھا جائے تو ان پر یہ شعر پوری طرح صادق آتا ہے کہ:

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ کچھ ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

اُردُن کی مسجدیں اللہ کے فضل سے آباد ہیں، نمازیوں کی تعداد ہر نماز میں اچھی خاصی ہوتی ہے، پردے دار خواتین ہر شہر اور ہر بستی میں کثرت سے نظر آتی ہیں، مردوں کے چہروں پر داڑھی بھی بکثرت نظر آتی ہے، چوری ڈکیتی کی وارداتیں بہت کم ہیں، پورے ملک میں امن و امان ہے۔ جناب حسن یوسف نے بتایا کہ چند سال پہلے جب یہاں تبلیغ کا کام قابلِ ذکر انداز میں نہیں تھا اُس وقت یہاں دینی حالت ایسی نہیں تھی، نہ مسجد میں نمازی اتنے ہوتے تھے، نہ خواتین میں پردہ ہوتا تھا، عمان شہر یورپ کا کوئی شہر دکھائی دیتا تھا، جب سے تبلیغی کام آگے بڑھا اُس وقت سے یہ خوشگوار تبدیلی بحمداللہ روز افزوں ہے۔

عصر کی نماز کے بعد یہاں سے عمان روانگی ہوئی، جناب سمیر عبداللہ اور ان کی اہلیہ کو یہیں تبلیغی مرکز میں پاکستانی تبلیغی قافلے کے انتظامات کے سلسلے میں رُکنا تھا، اب ان کی جگہ جناب حسن یوسف اور ان کی اہلیہ نے لے لی تھی، تقریباً نصف گھنٹے کا یہ سفر انہی کی گاڑی میں ہوا۔

دُشمنِ رسول ؐ کا عبرتناک انجام

اس سرسبز و شاداب راستے میں چھوٹی بڑی، اُونچی نیچی پہاڑیاں، ٹیلے، نہریں اور پہاڑی نالے جگہ جگہ آتے ہیں، جناب حسن یوسف نے ہمیں اسی راستے میں وہ جگہ دکھائی جہاں ابولہب کے بدنصیب بیٹے عُتبہ کا عبرتناک انجام ہوا ہے۔

اس بدبخت کا واقعہ یہ ہوا کہ یہ تاجدارِ دو عالم سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کرتا اور گالیاں دیتا تھا، آپ کو طرح طرح سے ستاتا تھا اور دینِ اسلام کا بدترین دُشمن تھا، یہ ایک قافلے میں شام کے سفر پر جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں یہ بددُعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ.

''اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط کر دیجئے۔''

جب یہ اُردُن میں ''حَوران'' کے اُس مقام پر پہنچا جس کی نشاندہی اب حسن یوسف صاحب کر رہے تھے، اور رات گزارنے کے لئے ان کا قافلہ یہاں رُکا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ: ''مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددُعا سے ڈر لگ رہا ہے!'' ساتھیوں نے اس کو تسلی دی، اور قافلے کا سارا سامان اُس کے اِردگرد جمع کر کے باڑھ سی بنادی اور خود اُس کے آس پاس بیٹھ کر پہرے داری کرنے لگے، لیکن ایک شیر کو اللہ تعالیٰ اُس پر مسلط فرما چکے تھے، وہ شیر اسی رات پورے قافلے اور ان کے سامان کو پھلانگ کر خاص اسی بدبخت پر حملہ آور ہوا، اور کھینچ کر اسے پھاڑ ڈالا۔[1]

نوجوان علماء کی ایک مجلس

عَمّان میں نوجوان علماء کی ایک قابلِ ذکر تعداد یہاں کے معروف صاحبِ طریقت بزرگ اور مشہور عالمِ دین شیخ نوح کی سرپرستی میں فقہی مسائل کی تحقیق میں بڑے ذوق وشوق کے ساتھ منہمک ہے، میں نے ''منہمک'' کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ یہ نوجوان اس کام میں صرف ''مشغول'' نہیں بلکہ واقعی منہمک ہیں، اِن کے ساتھ جو لمحات بھی گزرے وہ سب فقہِ اسلامی کے نازک اور دقیق مسائل کے سوالات وجوابات ہی میں صرف ہوئے، میں یہاں سیاحت کی غرض سے آیا تھا اس لئے ان کی پوری کوشش اور خواہش کے باوجود اس مقدس کام میں ان کے ساتھ ''منہمک'' تو نہیں ہو سکا، لیکن ان کے ذوق وشوق اور ''انہماک'' سے لطف اندوز ضرور

---

(۱) اس واقعہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے: مستدرک حاکم ج:۲ ص:۵۸۸ وسنن البیہقی الکبریٰ ج:۵ ص:۲۱۱ وفتح الباری ج:۴ ص:۳۹، فتح الباری میں اس روایت کو ''حدیث حسن'' قرار دیا گیا ہے۔ نیز دیکھئے: دلائل النبوۃ ج:۱ ص:۷۰۔

ہوتا رہا اور دِل سے ان کے لئے دُعائیں نکلتی رہیں۔

ان علماء میں ایک باصلاحیت نوجوان ''صلاح محمد سالم ابوالحاج'' ہیں، انہوں نے بغداد کی یونیورسٹی سے اپنے جس تحقیقی مقالے پر ایم اے (ماجستیر) کیا ہے وہ متحدہ ہندوستان کے مشہور فقیہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی اسلوب کے موضوع پر ہے اور چھپ چکا ہے، انہوں نے اپنا یہ قیمتی مقالہ مجھے بھی عنایت فرمایا، اس کا نام ہے ''المنهج الفقهيُّ للامام اللكنويّ''۔ انہوں نے حضرت مولانا لکھنویؒ کی دیگر کتابوں پر بھی تحقیقی کام کیا ہے، مولانا لکھنویؒ سے ان کو عقیدت عشق کے درجے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔

اِن ہونہار علماء میں شیخ فراز فرید ربانی خاص طور سے پیش پیش ہیں، انہوں نے شیخ نوح کی معیت اور سرپرستی میں یہ مفید سلسلہ جاری کیا ہے کہ دُنیا بھر کے لوگ انٹرنیٹ پر ان سے شرعی مسائل دریافت کرتے ہیں اور یہ حضرات ہفتہ کے مقرّرہ ایام اور اوقات میں انٹرنیٹ ہی پر ان کے جوابات دیتے ہیں۔

آج انہوں نے بعد مغرب اپنے محلے کی مسجد میں فقہی مسائل کی ایک مجلس کا اہتمام کیا ہوا تھا، جس میں اہلِ علم مردوں کو اور ملحقہ عمارت میں اہلِ علم خواتین کو جمع کیا گیا تھا، کئی روز پہلے مجھ سے اس علمی مجلس کی اجازت طلب کی گئی تو میں نے یہ سمجھ کر اجازت دے دی تھی کہ علمائے کرام کے ساتھ فقہی مسائل پر باہمی تبادلۂ خیال ہوگا نہ کہ سوال و جواب، لیکن یہاں مجھے مسند پر بٹھا کر اعلان کردیا گیا کہ جس کو جو کچھ پوچھنا ہو ان سے پوچھ لیا جائے، میں حیران تھا کہ ان حضرات کو میرے بارے میں یہ خوش فہمی کیوں ہوگئی ہے کہ میں اِن علمائے کرام کے ہر سوال کا جواب دے سکتا ہوں! ایسے مواقع پر میں حکیم الاُمت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ سنا دیا کرتا ہوں۔

حکیم الاُمتؒ کا ایک قیمتی اِرشاد

ایک مجلس میں فرمایا کہ: الحمدللہ میرے پاس ایک گُر ایسا ہے کہ میں ہر مشکل سے مشکل سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔ اہلِ مجلس جن میں علمائے کرام بھی تھے، حیران ہوئے کہ ایسا دعویٰ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہیں کیا! مگر حضرت حکیم الاُمتؒ نے پھر وہی ارشاد فرمایا، اور کہا: وہ گُر یہ ہے کہ جس سوال کا جواب معلوم ہوگا، بتادوں گا، اور جس کا جواب معلوم نہ ہوگا، کہہ دوں گا "مجھے نہیں معلوم!" —— یہ بھی تو جواب ہی ہے۔

حاضرین مجھ سے حکیم الاُمتؒ کا یہ ارشاد سن کر لطف اندوز تو ہوئے اور میرا ذہنی بوجھ بھی ہلکا ہوگیا، چنانچہ کئی سوالات میں، میں نے اس "گُر" سے کام بھی لیا، مگر یہ مجلس دیر تک نہ چل سکی، کیونکہ اوّل تو اس کے شروع ہونے ہی میں بعض وجوہ سے کافی دیر ہوگئی تھی، پھر چند سوالات و جوابات ہی ہوئے تھے کہ بجلی چلی گئی (کبھی کبھی بجلی وہاں بھی چلی جاتی ہے، مگر بہت کم)، اور جب بجلی آئی تو عشاء کی اذان ہوچکی تھی، میں نے بھی اسے غنیمت سمجھا، کیونکہ آج سفر اور دِن بھر کی مصروفیت سے تھک چکا تھا، رات کا کھانا ربانی صاحب کے مکان پر تھا، اس میں بھی علمائے کرام کے ساتھ خاصی طویل مجلس رہی۔

دمشق سے اچانک ایک ٹیلیفون کال

شام دیکھنے کا بچپن سے شوق تھا، انبیائے کرام علیہم السلام کے جو واقعات بچپن سے سنے اور اب تک پڑھے پڑھائے تھے ان میں سے اکثر کا تعلق اسی مبارک سرزمین سے ہے، پھر یہ علاقہ صحابہ کرامؓ کے زمانے سے لے کر صدیوں تک مسلمانوں کے عظیم کارناموں کا مرکز رہا ہے۔ جب ہم دارالعلوم کراچی (نانک واڑہ) میں درسِ نظامی کے ابتدائی درجات میں زیرِ تعلیم تھے تو ہمارے شامی اساتذہ، الاستاذ امین المصری

اور الاستاذ احمد الاحمد ہم پر خصوصی شفقت اور توجہ فرماتے تھے، اور ان سے شام کے تازہ ترین حالات معلوم ہوتے رہتے تھے، غرض انبیائے کرام علیہم السلام کی اس سرزمین سے ایک قلبی وابستگی ہمیشہ رہی ہے۔ دُنیا میں بہت پھرا ہوں، ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ کے دُور دراز ملکوں میں بار بار جاتا رہا ہوں، مگر اس مبارک سرزمین کی زیارت اب تک ایک حسرت ہی بنی رہی۔

اب عمر میں پہلی بار اُردُن کا یہ سفر ہوا تو اس پروگرام میں شام کا سفر بھی شامل تھا، پاکستان میں ہم نے وہاں کا ویزا بھی لے لیا تھا، لیکن پاکستان سے روانگی میں دارالعلوم کے نہایت اہم اور فوری مشاغل کے باعث تأخیر ہوئی، اور شامی ویزے کی مدّت ختم ہوگئی، اُردُن پہنچ کر اگلے ہی دو دنوں میں روزانہ شامی سفارت خانے جاکر ویزا لینے کی کوشش کی، مگر انہوں نے انتہائی رُوکھے پن سے ایسا صاف انکار کیا کہ مزید کسی کوشش کی ہمت رہی نہ گنجائش۔

دِل دُکھا، اور بہت دُکھا، لیکن کچھ عرصے سے پاکستانی پاسپورٹ کی جو دُرگت باہر کے ملکوں میں بنتی ہے، اُس کے پیشِ نظر ایک پاکستانی صبر کے سوا کرے بھی کیا؟ مجبوراً یہ طے کرلیا تھا کہ ہم نے جو دن شام کے لئے رکھے تھے وہ بھی اُردُن ہی میں گزار لئے جائیں، آج تک اسی کے مطابق عمل ہورہا ہے، اور اب ہماری جدہ روانگی میں صرف ایک دن منگل کا باقی بچا تھا، بدھ کو جدہ کے لئے سیٹیں پہلے سے بُک تھیں۔

مفتیٔ اعظم شام کی طرف سے دعوت

لیکن دیکھئے اللہ ربّ العالمین کی شانِ کریمی کہ آج دوپہر جب ہم اِربد سے عمان روانگی کو تیار تھے تو اچانک میرے موبائل پر دمشق سے کال آئی، ایک نوجوان آواز فصیح و بلیغ عربی میں کہہ رہی تھی: ''میں آپ کا شاگرد محمد وائل الحنبلی بول رہا

ہوں، میں نے فلاں سَن میں آپ سے روایتِ حدیث کی اجازت حاصل کی ہے، اُمید ہے مجھے آپ پہچان گئے ہوں گے؟"

میں نے اقرار کیا، تو انہوں نے کہا: "جب سے یہ معلوم ہوا کہ آپ اُردُن آئے ہوئے ہیں، میں اور یہاں کے بہت سے علماء آپ کی دمشق تشریف آوری کے شدّت سے آرزومند ہیں، میں جمہوریہ سوریہ (شام) کے مفتیٔ اعظم شیخ احمد کفتارو کی ہدایت پر ان ہی کی طرف سے یہ فون کر رہا ہوں، وہ آپ کو شام آنے کی دعوت دیتے ہیں، وہ خود تو صاحبِ فراش ہیں، مگر ان کی طرف سے اُن کے صاحبزادے ڈاکٹر صلاح اور علمائے کرام کی ایک جماعت شام کی سرحد پر آپ کے استقبال کے لئے موجود ہوگی۔"

میں نے پوچھا: ویزا؟ جواب ملا کہ: "مفتیٔ اعظم کا حکم نامہ سرحد پر پہنچ چکا ہوگا، سرحد کے حکام وی آئی پی لاؤنج میں آپ کا استقبال کریں گے۔"

میں نے کہا: میں سوچ کر جواب دوں گا۔

مفتیٔ اعظم شام شیخ احمد کفتارو جن کی عمر اب ماشاء اللہ تقریباً سو سال تھی، ایک مرتبہ کراچی تشریف لائے تھے، جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں علامہ سیّد محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو مدعو کیا، میں بھی اس تقریب میں حاضر تھا، بلکہ ایسا یاد پڑتا ہے کہ اُس وقت ہمارے والدِ ماجد مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے اور میں ان ہی کے ساتھ وہاں حاضر ہوا تھا۔ اس واقعے کو غالباً تیس۳۰ سال سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے، اس لئے تعجب ہوا کہ ناچیز ان کو اب تک کیسے یاد رہا؟ بہرحال ان کی یادفرمائی میرے لئے نیک فال تھی، اِعزاز بھی، اور شام کو دیکھنے کی دیرینہ تمنا پوری ہونے کا ایک آسان ذریعہ بھی۔

اب تھوڑا سا تردُّد صرف اس وجہ سے تھا کہ شام کے سابق صدر حافظ الاسد

کی حکومت برسوں وہاں کے علمائے حق پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتی رہی ہے، ہمارے اُستاذ شیخ عبدالفتاح ابوغدّہ کو بھی جیل کی صعوبتیں اُٹھانا پڑیں اور بالآخر جلاوطنی میں سعودی عرب میں انتقال ہوا، اب حافظ الاسد کا بیٹا صدرِ مملکت ہے، سنا ہے اس کے زمانے میں اتنی سختی تو نہیں رہی مگر دینی شخصیات اور اداروں کو پوری آزادی بھی نہیں، اِن حالات میں مجھے تردُّد اس لئے ہو رہا تھا کہ یہ سفر اگرچہ ایک عظیم دینی شخصیت کی نجی دعوت پر ہوگا، مگر شاید اس میں کچھ سرکاری شمولیت بھی ہو جائے، کیونکہ وہاں مفتیٔ اعظم کا عہدہ سرکاری ہوتا ہے اور گورنر سے بھی اُونچا ہوتا ہے۔

ادھر دمشق سے بار بار فون آرہا تھا، اور اب وہاں کے دُوسرے علمائے کرام کے بھی تقاضے کے فون آرہے تھے، بالآخر اِربد اور عمان کے میزبانوں کا مشورہ یہی ہوا کہ ضرور جانا چاہئے۔

عمّان کی مسجد ''الفیحاء''

عمان میں ہمارا قیام یہاں کی مرکزی جامع مسجد ''مسجد الفیحاء'' کے احاطے میں، اس مسجد کے نوجوان امام وخطیب شیخ ضیاء کے مکان پر تھا، آج تین دن تین رات کے بعد یہاں تقریباً ۱۲ بجے رات کو واپسی ہوئی تو یوں لگا جیسے اپنے گھر میں آئے ہیں، اِن کی ایک دو ماہ بعد شادی ہونے والی ہے، یہ شام کے خوب رُو، ذہین، علمی ذوق رکھنے والے نفیس نوجوان ہیں، اِن کی باتوں میں بھی نفاست اور دینی شائستگی ہے اور رہن سہن کے طور طریقوں میں بھی۔ انہوں نے بڑی محبت اور عقیدت سے یہ اہتمام کیا تھا کہ ان کو گھر میں جو جو کام اپنی شادی پر ایسے کرنے تھے جن سے گھر کی راحت میں اضافہ ہو، پردے، قالین، فرنیچر، فِرج، مائیکروویو وغیرہ سب ہماری آمد پر جلدی جلدی کر کے خرید لائے تھے، رنگ و روغن پہلے ہی کرا چکے تھے، اب اِربد سے واپسی پر دیکھا تو یہ سارا سامان خوب قرینے سے آراستہ ہو چکا تھا، یہ عمان کی بڑی

شاندار مسجد ہے، اور شیخ ضیاء کی نماز، تلاوت اور خطبہ اس مسجد کے شایانِ شان ہوتا ہے۔

یہاں کا ایک بہت مفید معمول

شیخ ضیاء کا یہ معمول مجھے بہت پسند آیا کہ یہ ہر نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث اعلیٰ درجے کے فصیح لہجے میں سناتے ہیں، سامعین چونکہ سب تعلیم یافتہ اور عرب ہیں اس لئے ترجمے کی ضرورت نہیں ہوتی، حدیث ایسی منتخب کرتے ہیں جو عام فہم بھی ہوتی ہے، اور ایک مسلمان کی روزمرہ کی ضرورت کے مطابق بھی۔ اس کام میں تین چار منٹ سے زیادہ نہیں لگتے، اس لئے سارے ہی نمازی اس کو بہت توجہ سے سنتے ہیں، اور محسوس ہوتا ہے کہ ہر نمازی اسے ایک دولت سمجھ کر اپنے ساتھ لے جارہا ہے۔ کاش! ہماری مساجد میں بھی یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہوجائے۔

منگل ۲۷/ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ - ۱۵/جون ۲۰۰۴ء

آج ناشتہ پر نوجوان علماء جناب فراز فرید ربانی، صلاح محمد سالم، شیخ ضیاء اور ان کے رفقاء جمع تھے، یہاں کا ناشتہ بھی بہت نفیس اور لذیذ ہوتا ہے، مگر علم کے اِن متوالوں کو اس کی طرف دھیان کہاں، وہ تو اس لذیذ ناشتے کے دوران بھی حسبِ سابق اس دُھن میں تھے کہ کوئی لمحہ سوال و جواب سے خالی نہ رہے، اور شیخ محمد سالم تو اپنی ایک نئی ضخیم تحقیقی تصنیف کا پورا مسوّدہ ساتھ لے کر آئے تھے، تاکہ آج سفرِ شام شروع ہونے تک جتنا وقت نکالا جاسکے وہ اس تصنیف کو دے دیا جائے۔ مجھے ندامت ہے کہ میں سفرِ شام کی تیاری اور فوری ضرورتوں کے باعث ان کی یہ قابلِ قدر خواہش ابتدائی حصے کی ورق گردانی کے سوا پوری نہ کرسکا۔ اس کے برعکس ان ہی کو یہ خدمت انجام دینا پڑی کہ ایئرلائن کے دفتر جاکر ہماری جدہ کی سیٹیں آئندہ کل (بدھ) کے بجائے آنے والے اتوار کے لئے بُک کرالائے۔

شام کو روانگی

جناب سمیر عبداللہ اور حسن یوسف صاحب نے طے کیا تھا کہ شام کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر جناب حسن یوسف بھی احتیاطاً ہمارے ساتھ جائیں گے اور گاڑی بھی اپنی ہی ساتھ جائے گی، چنانچہ ان کے ایک دوست عمان کے تاجر جناب عصام اپنی مرسڈیز وین لے کر گیارہ بجے پہنچ گئے، ہم عمان سے باہر نکلے تو دوپہر کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔

درمیانی درجے کے اس ہائی وے پر سفر بڑا پُرکیف تھا، شام دیکھنے کا شوق، موسم خوشگوار، گاڑی آرام دہ اور رفقائے سفر خوش ذوق واہلِ محبت۔ جناب حسن یوسف اگرچہ سوِل انجینئر ہیں، لیکن شعر وادب کا بھی اچھا ذوق رکھتے ہیں، میں نے اپنے ایک شامی اُستاذ جناب الہاشمی سے زمانۂ طالب علمی میں یہ دِلچسپ شعر سنا تھا: ؎

یـا راکبًا فِی کَکَکِکُ، وَصائِدًا فِیْ شَرَکِکُ

کَکَکُکَ کَکَکَکِیْ، وَکَکِکِیْ کَکَکَکِکُ

اس میں کسی شاعر نے الفاظ سے دِل لگی کر کے نُدرت تو پیدا کی ہے، مگر جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اس نُدرت نے اسے ایک پہیلی بنا دیا ہے، ''شَـرَک'' تو عربی زبان میں شکاری کے جال کو کہتے ہیں، اور ''کَـکَـکُ'' کا ترجمہ اُستاذ نے ''چھوٹی سی کشتی'' کیا تھا، مگر مجھے عربی لغت میں یہ لفظ کہیں نہیں ملا، ممکن ہے ''ضرورتِ شعری'' نے اسے کسی اور زبان سے درآمد کرلیا ہو۔ بہرحال شعر لفظوں کے اعتبار سے دِلچسپ تھا، وقت گزاری کے لئے جب یہ شعر میں نے جناب حسن یوسف کو سنایا تو جواب آں غزل کے طور پر انہوں نے بھی دو دِلچسپ شعر سنائے، ان میں بھی شاعر ملتے جلتے لفظوں سے کھیلا ہے، اور لطیف لفظی رعایت نے انہیں بھی پہیلی بنا دیا ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیے، ترجمہ اس لئے نہیں کر رہا کہ ترجمے سے وہ لفظی رعایتیں سامنے نہیں

آسکتیں جو اِن اشعار کی جان ہیں: ؎

دَقَقْتُ البَابَ حتّٰی کَلَّ مَتْنِیْ
فَلَمَّا کَلَّ مَتْنِیْ کَلَّمَتْنِیْ
فَقَالَتْ اَبَا اِسْمَاعِیْلَ صَبْرًا
فَقُلْتُ یَا اَسْمیٰ عِیْلَ صَبْرِیْ

شامی حدود میں

شام کی سرحد تک یہ ایک گھنٹے کا پُرلطف سفر یوں لگا جیسے پلک جھپکتے گزر گیا ہے، تقریباً ڈیڑھ بجے ہم شام کی سرحدی چوکی ''دَرْعا'' پہنچ چکے تھے، دَرْعا شام کی ایک سرحدی بستی کا نام ہے، اُردُنی باشندوں پر شام جانے کے لئے ویزے کی پابندی نہیں، لہٰذا ہمارے رفقائے سفر جناب حسن یوسف اور جناب عصام کو تو ویزے کی ضرورت ہی نہیں تھی، اور ہمارے لئے سرحدی حکام کے پاس مفتیٔ اعظم شام کا گرامی نامہ آچکا تھا۔

شامی حکام نے پُرتپاک استقبال کیا، اور جب ہم ''صالۃ الاستقبال'' (وی آئی پی لاؤنج) میں چائے سے فارغ ہو رہے تھے تو ہمارے پاسپورٹ بھی ضابطے کی کاروائی کے بعد واپس آگئے۔ عین اُسی وقت مفتیٔ اعظم شام کے باوقار منکسر المزاج صاحبزادے ڈاکٹر صلاح الدین احمد کفتارو جن کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ ہوگی، تشریف لے آئے، اُن کے ساتھ ان کے تقریباً ہم عمر ڈاکٹر توفیق البوطی تھے جو شام کے مشہور عالمِ دین فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی کے صاحبزادے ہیں۔ ان کے والد اُن دنوں ملک سے باہر تھے۔ ان میزبانوں کی پُرمحبت خواہش پر ہم انہی کی کار میں بیٹھ گئے جسے ڈاکٹر صلاح الدین چلا رہے تھے اور ہمارے دونوں رفقاء اپنی گاڑی میں ہمارے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔

چوکی کے علاقے سے باہر نکلتے ہی شام کے علمائے کرام اور ان کے رفقاء کی ایک جماعت نے ایسی والہانہ محبت، اپنائیت، انکساری، غیر معمولی مسرت اور پُرلطف جملوں سے استقبال کیا کہ اُن سے معانقوں کا سلسلہ ختم ہونے سے پہلے ہی یوں لگا جیسے ہم سب ایک دُوسرے کے برسوں سے بے تکلف دوست چلے آرہے ہیں۔

یہ اہلِ شام کے حسنِ ذوق کا پہلا نقش تھا، جو دِل پر قائم ہوا، اور بعد میں تو یہ نقش دِل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا گیا۔ ان حضرات میں نوجوان عالمِ دین الشیخ محمد وائل الحنبلی اور ان کے والد صاحب کے علاوہ الشیخ غسان نصوح عزقولی پیش پیش تھے۔

دمشق یہاں سے صرف ایک گھنٹے کی مسافت پر ہے، راستے میں ڈاکٹر توفیق نے مفتیٔ اعظم شام کے اُس خط کی مہر لگی کاپی مجھے دی جو انہوں نے ''دَرعا'' کے سرحدی حکام کے نام بھیجا تھا، اور بتایا کہ اگرچہ یہ خط آپ کا استقبال کرنے کے بارے میں ہے، مگر درحقیقت یہ آپ کے ویزے کے بھی قائم مقام ہے، اس کی بنیاد پر آپ جب تک چاہیں شام میں قیام فرماسکتے ہیں، اور ملک میں جہاں چاہیں جاسکتے ہیں۔

خط کا ترجمہ ملاحظہ ہو:-

الجمهورية العربية السُّورية

ادارة الافتاء العام والتدريس الدينی

بنام شامی سرحدی مرکز ''دَرعا''

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پاکستان کے کرم فرما عالمِ دین مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی اور اُن کی بیگم اُردُنی سرحد کے راستے سے منگل ۱۵رجون ۲۰۰۴ء کو بعد ظہر ہمارے مہمان کے طور پر دمشق تشریف لارہے ہیں۔ اُمید ہے کہ اُن کے استقبال

کے لئے وی آئی پی لاؤنج کھولا جائے گا۔

آپ کے حسنِ تعاون کا شکریہ

الشیخ احمد کفتارو

المفتی العام للجمهورية ورئیس مجلس الافتاء الاعلیٰ

دمشق ۲۷/۴/۱۴۲۵ھ مطابق ۱۵/۶/۲۰۰۴م

یہاں کے ہائی وے کا معیار تقریباً وہی ہے جو اُردُن میں تھا، دائیں بائیں تقریباً میدانی علاقہ ہے، کہیں کہیں کبھی پاس سے اور کبھی دُور سے کچھ کھیت، باغات اور چھوٹے بڑے ٹیلے بھی نظر آتے رہے، چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی دُور سے نظر آئیں، مگر شام کی سرسبزی و شادابی کا جو نقش تاریخِ اسلام کے مطالعے نے بچپن سے قلب و دماغ میں قائم کیا ہوا تھا، نظروں کو اُس کی تلاش ہی رہی۔

دِمشق میں

جب ڈاکٹر صلاح نے ایک موڑ پر گاڑی گھما کر بتایا کہ ''وہ سامنے دِمشق ہے'' تو اس پر یقین کرنے کو دِل نہ چاہا۔ ہمارے سامنے کئی میل کے فاصلے پر دائیں سے بائیں میلوں میں پھیلا ہوا ایک پہاڑ تھا جس کے دامن میں ایک طویل وعریض آبادی سہ پہر کی دُھوپ میں صاف نظر آرہی تھی، کچھ اسی طرح جیسے مارگلہ پہاڑ کے دامن میں ہمارا اسلام آباد، لیکن میں تو یہ جانتا تھا کہ دِمشق کا حسین شہر ''جبلِ قاسیون'' کے دامن میں ہے، جبکہ ''جبلِ قاسیون'' کے حسن و جمال اور سرسبزی و شادابی کے جو خاکے ذہن نے بنا رکھے تھے سامنے کے پہاڑ کو اُن سے کوئی نسبت دکھائی نہ دی، یہ تو دُور سے ہمارے مارگلہ پہاڑ کی برابر بھی سرسبز اور خوبصورت نظر نہیں آرہا تھا۔ گاڑی شہر میں داخل ہوئی تو عمارتیں زیادہ تر پرانی اور سیاہی مائل نظر آئیں، ایک نان بائی کی دُکان کے سامنے گاڑی رُکی تو گرد و پیش کا منظر کراچی کی لی مارکیٹ کا سا تھا، اور جب اُس محلے میں داخل ہوئی جس میں شیخ غسان کے مکان میں ہمیں اُترنا تھا تو یوں لگا

جیسے ہم کراچی کے کھارادر میں آ گئے ہیں۔

تاہم یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ ہمارے اس سفرِ شام میں سرکاری شمولیت صرف اسی قدر تھی کہ مفتیٔ اعظم شام کے اثر و رُسوخ کی بدولت ہمارا ملک میں داخلہ کسی پیشگی ویزے کے بغیر ہو گیا تھا۔ اب آگے کے سارے پروگرام اور قیام و طعام کی ترتیب یہاں کے مہمان نواز علمائے کرام نے اپنے طور پر قائم کی ہوئی تھی جس کے رُوحِ رواں شیخ غسان تھے، یہ ایک معروف سیّد گھرانے کے چشم و چراغ ہیں اور اِن کا شمار یہاں کے ہر دِل عزیز علماء میں ہوتا ہے، ان کے والد شام کے مشہور قاریوں میں سے تھے۔ ایک تین منزلہ مکان کی زمینی منزل میں داخل ہوئے تو وہ استقبال کرنے والے میزبانوں سے بھری ہوئی تھی، یہ شیخ غسان کے ادارے "دارُ المنهاج" کا دفتر ہے، اُوپر کی دونوں منزلوں میں اِن کی رہائش ہے، خواتین اُوپر چلی گئیں اور یہاں ایک دِلچسپ علمی و ادبی محفل سی جم گئی۔ ان سب حضرات سے یہ پہلی ملاقات تھی، لیکن اِن کے حسنِ اخلاق، ملنساری اور بے تکلف تواضع و انکساری سے یوں لگا جیسے ہم برسوں سے ساتھ رہتے ہیں۔

"دارُ المنهاج" ایک بڑا اشاعتی ادارہ ہے، اس ادارے نے کئی عظیم کتابیں نہایت آب و تاب سے شائع کی ہیں، مثلاً فقہ شافعی کی علامہ نوویؒ کی مشہور کتاب "المنهاج" کی شرح "النجم الوهّاج" جو دس جلدوں میں ہے، اور علامہ محمد الدمیری الشافعی (متوفی ۸۰۸ھ) کی تصنیف ہے، اور صحیح البخاری کا ایک قدیم تاریخی نسخہ جو کبھی خلافتِ عثمانیہ کے آخری خلیفہ سلطان عبدالحمید مرحوم نے نہایت اہتمام سے نقل کروایا تھا، اب اُسے شیخ غسان نے چار جلدوں میں بڑی تحقیق اور مختلف رنگوں کی مفید علامتوں کے ساتھ شائع کیا ہے۔ دُوسری کئی کتابوں کے ساتھ یہ دونوں عظیم کتابیں بھی انہوں نے مجھے تحفے میں عنایت فرمائیں۔

تھوڑی ہی دیر میں لاؤنج کے اندر شام کے نفیس و لذیذ کھانوں کا دسترخوان

لگا تو اکثر کھانے میرے لئے نئے تھے، مگر اتنے لذیذ کہ بیان سے باہر۔ اس ضیافت کا اہتمام نوجوان ابوالخیر عمر مُـــوَفَّـــق نے کیا تھا، جو دمشق کے مشہور دینی تعلیمی ادارے "معهدُ الفتح الاسلامی" کے ہونہار طالب علم ہیں، اور مجھ سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے روایتِ حدیث کی اجازت خط کے ذریعہ حاصل کی تھی۔ اہلِ شام کے حسنِ ذوق، فصاحت و بلاغت اور شائستہ ظرافت کا جو تجربہ مجھے پاکستان ہی میں بار بار ہو چکا تھا، اب اُسی کا اعادہ ہر قدم پر کسی قدر اضافے کے ساتھ ہو رہا تھا۔

کھانے کے بعد شیخ غسان مجھے آرام کے لئے سب سے اُوپر کی منزل میں لے گئے، وہ اپنی اہلیہ اور دو بچوں کے ساتھ اسی منزل میں رہتے ہیں، یہیں ایک کمرہ انہوں نے ہمارے لئے مخصوص کیا ہوا تھا، مکان کی صفائی ستھرائی اور ترتیب و سادگی ان کے نفیس ذوق اور سلیقۂ مہمان نوازی کی آئینہ دار تھی، مگر لفٹ نہ ہونے کی وجہ سے اب مسئلہ یہ تھا کہ کمر کی پرانی تکلیف کے باعث یہاں سے بار بار اُترنا چڑھنا ممکن نہ تھا، اور مسجد دُور تھی، اس لئے عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں یہیں ادا کرنی پڑیں، اور رات کو بحمداللہ جلدی ہی نیند آ گئی۔ ہمارے رفقائے سفر جناب حسن یوسف اور عصام صاحب نے رات دمشق کے خوبصورت مضافاتی علاقے "اِشـــرافِیَّةُ الـوادی" میں ابومجد خالد صاحب کے گھر میں گزاری۔

بدھ ۲۸/ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ - ۱۶/جون ۲۰۰۴ء

مفتیٔ اعظم شام کے یہاں

آج ناشتے کے بعد مفتیٔ اعظم شام شیخ احمد کفتارو کی عظیم الشان اکیڈمی "مُـجَمَّعُ الشیخ احمد کفتارو" کو دیکھنے کا پروگرام تھا، مفتیٔ اعظم خود تو بہت ضعیف اور صاحبِ فراش تھے، مگر ان کے لائق صاحبزادے ڈاکٹر صلاح الدین کفتارو اور

اکیڈمی کے دیگر ذمہ داران نے پُرتپاک خیر مقدم کیا، اکیڈمی کے مختلف شعبے کچھ اندر لے جا کر دکھائے گئے اور کچھ شعبے سلائیڈ پر پیش کئے گئے، اُس وقت وہاں امتحانات ہو رہے تھے، امتحانات کے کئی ہال تھے، ان میں الگ الگ شعبوں کے طلبہ پرچے حل کرنے میں مشغول تھے، طلبہ کی تعداد کم تھی مگر مختلف ملکوں کے طلبہ تھے، بعض سے مختصر ملاقات بھی امتحان کے دوران ہی کرائی گئی۔

مفتیٔ اعظم کی رہائش گاہ یہاں سے کافی فاصلے پر ہے، اُن سے ملاقات کے لئے روانہ ہوئے تو اَب ہمارے قافلے کے ساتھ ڈاکٹر صلاح اور اکیڈمی کے دُوسرے عہدے دار علمائے کرام کا قافلہ بھی کئی گاڑیوں میں تھا۔ مفتیٔ اعظم سے یہ یادگار ملاقات تھی، اسی ملاقات میں ناچیز کی درخواست پر انہوں نے اپنی سند سے روایتِ حدیث کی اجازت بھی (اپنی تمام مقروءات ومسموعات اور مجازات) کی زبانی مرحمت فرمائی۔ تحفے میں قرآنِ کریم کا ایک نسخہ ہاتھی دانت کے ڈبے میں عنایت فرمایا، اور ایک شامی جبہ اور سفید شامی عمامہ میرے ناپ کا تیار کرانے کا حکم دیا، یہ دونوں چیزیں چند روز بعد مجھے مدینہ منورہ پہنچ کر ملیں۔ عمر سو سال سے کچھ اُوپر ہی تھی دِل کہہ رہا تھا کہ یہ ان سے آخری ملاقات ہے، چنانچہ اب جبکہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں وہ یکم ستمبر ۲۰۰۴ء کو اس دارِ فانی سے رحلت فرما چکے ہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ.

اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے، اور ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل اور فلاحِ دارین عطا فرمائے، اور ہمیں ان کی برکات سے محروم نہ فرمائے۔

ظہر کی نماز ان ہی کے وسیع وعریض دولت خانے میں جماعت سے ادا کرکے ہم "مَطۡعَمُ الۡقَرۡیَة" کی طرف روانہ ہوئے جہاں آج ناچیز کے اکرام میں دوپہر کے کھانے کی ضیافت کا اہتمام کیا گیا تھا۔

اگلی جنگِ عظیم کی چھاؤنی "غُوطَة" میں

راستے میں نہایت ہی حسین وجمیل، سرسبز وشاداب علاقے سے گزر ہوا، یہ دمشق کا انتہائی دِلکش مضافاتی حصہ ہے، جو یہاں کے مشہور پہاڑ "جبل قاسیون" کے دامن میں سے ہوتا ہوا پہاڑ کی اندرونی بلندیوں میں دُور تک پھیلا ہوا ہے۔ ہوائی اڈے کو جانے والی خوبصورت کشادہ سڑک یہیں سے گزرتی ہے، بتایا گیا کہ یہ "غُوطَة" ہے، اسی "غُوطَة" کے بیچوں بیچ سے یہاں کا وہ مشہور حسین وجمیل دریا "بَرَدی" گنگناتا ہوا گزر رہا ہے جسے علامہ یاقوت حمویؒ نے دمشق کا "عظیم ترین" اور دُنیا کا حسین ترین دریا قرار دیا ہے،[۱] اور اسی "غُوطَة" کے بارے میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

اَنَّ فُسْطَاطَ الْمُسْلِمِينَ يومَ الْمَلْحَمَةِ بِالْغُوطَة، اِلٰى جَانِبِ مَدِيْنَةٍ يُقَالُ لَهَا "دِمَشْق" مِنْ خَيْرِ مَدائن الشَّام.[۲]

"جنگِ عظیم کے دنوں میں مسلمانوں کی چھاؤنی "غُوطہ" کے مقام پر ہوگی، جو ایک شہر کے برابر میں ہے جسے "دمشق" کہا جاتا ہے، وہ شام کے بہترین شہروں میں سے ہے۔"

اس "جنگِ عظیم" کی تفصیلات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی حدیثوں میں ارشاد فرمائی ہیں، کہیں اسے "اَلْمَلْحَمَةُ" (خاص جنگ) فرمایا گیا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا روایت میں ہے، اور کسی حدیث میں "اَلْمَلْحَمَةُ الْعُظْمٰی" (جنگِ عظیم) اور کسی حدیث میں "اَلْمَلْحَمَةُ الْكُبْرٰی" (بڑی جنگ) فرمایا گیا ہے، ان احادیث

---

(۱) دیکھئے معجم البلدان ج:۱ ص:۳۷۸۔

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب فی المعقل من الملاحم، حدیث نمبر:۴۱۳۰۔ و باب فی الخلفاء۔

کے مجموعے[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگِ عظیم بعض مغربی ممالک کے عیسائیوں سے ہوگی، اور دجال کے خروج سے کچھ پہلے (غالبًا) امامِ مہدی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوگی، ''جنگِ عظیم'' میں دونوں طرف کے لوگ اتنی بڑی تعداد میں قتل اور شہید ہوں گے کہ ان کی لاشیں اتنی دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہوں گی کہ پرندے ان کی لاشوں پر سے اُڑ کر پار ہونا چاہیں گے تو پار نہیں ہوسکیں گے بلکہ (طویل فاصلے یا لاشوں کی بدبو کی وجہ سے) راستے ہی میں مر کر گر پڑیں گے، بالآخر فتح مسلمانوں کو ہوگی جو ہمیشہ کے لئے ہر فتنے سے محفوظ کردیئے جائیں گے، مگر اس فتح اور حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کی کوئی خوشی نہیں ہوگی، کیونکہ مسلمان بھی اتنی تعداد میں شہید ہوچکے ہوں گے کہ سو افراد کی برادری میں سے کوئی ایک ہی فرد زندہ بچا ہوگا۔

سفید مینارہ جس کے پاس عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے؟

اسی راستے میں جاتے ہوئے ایک بلند سفید مینارہ ملا، سفید پتھروں سے بنے ہوئے اس مینار کا رنگ صدیوں کے تغیرات سے اب زردی مائل سا ہوگیا ہے، یہ اُس قدیم فصیل پر ہے جو کسی زمانے میں دمشق شہر کی حفاظت کے لئے بنائی گئی تھی، اب یہ دمشق کی نواحی آبادی میں ہے، بتایا گیا کہ کبھی اس کے ساتھ مسجد بھی تھی، مگر اب صرف مینار ہی باقی ہے، اور پُرانے شہر دمشق کے عین مشرق میں واقع ہے۔ مقامی ساتھیوں نے بتایا کہ یہی وہ مینار ہے جس کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کے پاس نازل ہوں گے۔

---

(۱) اِن احادیث کے لئے ملاحظہ ہو: صحیح مسلم مع شرح نووی، حدیث نمبر: ۲۸۹۷، کتاب الفتن واشراط الساعة باب فی فتح قسطنطنیة، وخروج الدّجّال ونزول عیسی ابن مریم، وسنن ابی داوٗد کتاب الملاحم، باب فی امارات الملاحم، وبابٌ فی تواتر الملاحم، ومشکوۃ المصابیح کتاب الفتن باب الملاحم.

مجھے یہ مینارہ دیکھنے کی پہلے سے تمنا تھی، کیونکہ قرآنِ کریم نے خبر دی ہے[۱] اور پوری اُمتِ مسلمہ کا عقیدہ ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ظلم و تشدّد کیا اور قتل کا منصوبہ بنایا تو اللہ ربّ العالمین نے اُن کو اپنے پاس زندہ اُٹھالیا تھا، اور قیامت سے پہلے ان کو دوبارہ دُنیا میں بھیجا جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے ان کے دُنیا میں نازل ہونے کی تفصیلات اور کیفیات بہت سی احادیث میں ارشاد فرمائی ہیں، جن کی تعداد ایک سو کے قریب ہے،[۲] ان میں سے تین حدیثوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتلا دیا ہے کہ جب دجال کا فتنہ پھیلا ہوا ہوگا تو:-

بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ، فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ.

"اللہ تعالیٰ مسیح ابنِ مریم کو بھیج دے گا، پس وہ دمشق کے مشرق میں سفید مینار کے پاس نازل ہوں گے"۔[۳]

ساتویں صدی کے مشہور محدث و فقیہ اور صحیح مسلم کے عظیم شارح علامہ نوویؒ (ولادت محرم ۶۳۱ھ - وفات رجب ۶۷۶ھ) جو شام ہی کے باشندے ہیں اور دمشق

---

(۱) سورۂ نساء آیت نمبر: ۱۵۷ تا ۱۵۹۔

(۲) ان احادیث کو ہمارے والدِ ماجد مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی عربی تصنیف "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" میں جمع فرمادیا ہے، بندے نے اس کا ترجمہ اُردو میں کیا ہے جس کے اب تک کئی ایڈیشن "علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیح" کے نام سے "مکتبہ دارالعلوم کراچی" سے شائع ہوئے ہیں۔

(۳) یہ بات کہ "عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے مشرق میں سفید مینارے کے پاس نازل ہوں گے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تین حدیثوں میں آئی ہے، ایک یہی حدیث جو حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے اور صحیح مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال جلد:۶ جز(۱۸) صفحہ:۶۷ میں آئی ہے (حدیث نمبر:۲۹۳۷) یہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں "صحیح" ہے۔

دُوسری حدیث اوس بن اوس الثقفی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے، جو کتاب "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" (ص:۱۹۲) ....(باقی اگلے صفحے پر)

میں برسوں رہے ہیں، وہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

یہ مینارہ آج بھی دمشق کے مشرق میں موجود ہے۔[۱]

آٹھویں صدی کے مشہور مفسر و محدث اور فقیہ اور مؤرّخ حافظ ابنِ کثیرؒ۔ جو خاص دمشق ہی کے رہنے والے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ: عیسیٰ علیہ السلام کے مقامِ نزول کے بارے میں زیادہ مشہور یہی حدیث ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: یہ مینارہ ۷۴۱ھ میں ہمارے زمانے میں ازسرِنو سفید پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے، کیونکہ عیسائیوں نے اسے جلادیا تھا، اب انہی کے مصارف پر اسے تعمیر کیا گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: شاید یہ حدیث بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کے کھلے دلائل میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے مال سے اس سفید مینارے کی تعمیر مقدر فرمادی تاکہ عیسیٰ علیہ السلام یہاں نازل ہوں۔[۲]

اس وقت یہ سفید مینارہ ہمارے سامنے تھا، اور یہ دمشق کے ٹھیک مشرق میں اُس کے نواحی علاقے "غُوطَة" کے پاس یا "غُوطَة" کے اندر ہی ہے، موجودہ لوگوں کا بھی غالب گمان یہ ہے کہ یہی وہ مینارہ ہے جس کی خبر مذکورہ بالا حدیثوں میں دی گئی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)......... میں ۳۰ نمبر پر بحوالہ "الطبرانی والدر المنثور وکنز العمال وتاریخ دمشق لابن عساکر والمختارة لضیاء الدین المقدسی" لائی گئی ہے۔ وہاں حاشیہ میں شیخ عبدالفتاح ابوغدّہ فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کو "الربعی" نے بھی "فضائل الشام ودمشق" میں "سندِ صحیح" کے ساتھ روایت کیا ہے (حوالوں کی مزید تفصیل ان کے کلام میں ملاحظہ ہو)۔

تیسری حدیث حضرت کیسان بن عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے جو "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" (ص:۲۱۸) میں ۴۵ نمبر پر بحوالہ "تاریخ البخاری وتاریخ ابن عساکر وکنز العمال والطبرانی" درج ہے، اس کے حاشیہ میں شیخ عبدالفتاح فرماتے ہیں کہ: اِن تینوں حدیثوں کو "ابوالحسن الربعی" نے "صحیح سندوں" کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(۱) شرح النووی لصحیح مسلم ج:۶ ص:۶۷ جز(۱۸)

(۲) البدایة والنهایة ج:۱۰ ص:۳۱۸ صفة المسیح ابن مریم.

اس واقعہ کی مزید تفصیل

البتہ کئی دُوسری روایات میں[۱] ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں نازل ہوں گے، جن میں سے بعض میں یہ تفصیل بھی ہے کہ وہ بیت المقدس کے پاس ایک[۲] پہاڑی پر فجر کی نماز کے وقت نازل ہوں گے، جہاں مسلمانوں کا لشکر اپنے امیر (امام مہدی) سمیت محاصرے کی حالت میں ہوگا، اُس پہاڑ کا محاصرہ دجال اور اس کے لشکر نے کیا ہوا ہوگا۔

ان دو قسم کی روایتوں میں بظاہر اختلاف ہے، پچھلی ۳ روایتوں سے واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دمشق کے مشرق میں سفید مینارے کے پاس ہوگا، اور ان دُوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا نزول بیت المقدس کے قریب ایک پہاڑ پر ہوگا۔ جبکہ محدّثین نے ان دونوں قسم کی روایتوں کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

چنانچہ محدّثین نے اس ظاہری اختلاف کو دُور کرنے کے لئے جو تشریحات کی ہیں، اُن میں سے ایک[۳] یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوّلاً دمشق کے مشرق میں

---

(۱) ان روایات کی تفصیل اور ان کے مفصّل حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو کتاب ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' کی احادیث نمبر ۱۳، ۱۶، ۱۷، ۲۰، ۳۱ اور ۶۸، اور اسی کتاب کے عنوان ''تتمہ واستدراک'' کے تحت حدیث نمبر ۵۔ ان احادیث کا ترجمہ احقر کی کتاب ''علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیح'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔ (رفیع)

(۲) ان میں سے بعض روایتوں میں بیت المقدس کے بجائے اُردُن کے ایک پہاڑ ''اَفِیق'' کا ذکر ہے مگر چونکہ اُردُن کا یہ پہاڑ بھی بیت المقدس کے پاس ہی ہے، اس لئے یہ تو صرف لفظی اختلاف ہے، حقیقی اختلاف نہیں۔

(۳) ملاحظہ ہو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر درسِ مسلم ''الحل المفهم'' کا حاشیہ (ج:۱ ص:۳۹ تا ۴۰)۔

سفید مینارے کے پاس ہی نازل ہوں گے، پھر وہاں سے راتوں رات آپ کو بیت المقدس کے پاس اُس پہاڑ پر پہنچادیا جائے گا جہاں اِمام مہدی اپنے لشکر کے ساتھ محاصرے کی حالت میں ہوں گے، اور یہیں وہ اِمام مہدی کی اِمامت میں نمازِ فجر ادا کریں گے، آگے سب روایتیں اس پر متفق ہیں کہ اس کے بعد مسلمانوں کی قیادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کریں گے، اور دجال کے لشکر پر حملہ کرکے بالآخر دجال کو قتل کر ڈالیں گے اور مسلمانوں کو فتحِ مبین حاصل ہوگی۔

دیہاتی ریسٹورنٹ

غرض ان دِلکش تاریخی مقامات سے گزرتے ہوئے جب ہم "مَطْعَمُ الْقَرْیَة" پہنچے تو میزبان جناب "قاسم الحریری ابو المنتصر" اپنے رفقاء کے ساتھ ہمارے منتظر تھے، یہ جدید طرز کا شاندار، وسیع و عریض ریسٹورنٹ سرسبز و شاداب لانوں، پارکوں، مصنوعی نہر، آبشاروں اور فواروں کا حسین مجموعہ ہے، اور "جبلِ قاسیون" کے تقریباً دامن ہی میں واقع ہے، تھوڑے تھوڑے فاصلوں سے مہمانوں کے بیٹھنے اور کھانے کے لئے خوبصورت سائبان کچھ نباتاتی اشیاء سے چھپر کے انداز میں بنائے گئے ہیں، تاکہ یہ مصنوعی مناظر جو دیکھنے میں قدرتی سے لگتے ہیں، مہمانوں کے سامنے رہیں، فضاء ایک خوبصورت پہاڑی گاؤں کا لطف دیتی رہے، اور اسے "دیہاتی ریسٹورنٹ" کہنے کا جواز بھی نکل آئے۔

آج اب تک کے پروگرام میں خواتین ساتھ نہیں تھیں، مگر اس ضیافت میں میزبان اور مہمان خواتین کو بھی ایک ایسے سائبان میں بٹھایا گیا تھا جس پر کوئی پردہ ڈالے بغیر بھی وہ پردے میں تھا۔

یہاں شامی کھانوں ں کی مزید اقسام سے لذیذ تعارف ہوا، اور رفقائے محل کی دِلکش صحبت نے ان کے لطف کو چار چاند لگادیئے۔

یہاں کی ایک شادی میں

سہ پہر کو شیخ غسّان کے مکان پر ایک گھنٹہ آرام کے بعد دمشق کے ایک مقتدر عالمِ دِین شیخ عجال الخطیب کی صاحبزادی کی تقریبِ نکاح میں میری شرکت کا وعدہ ہمارے میزبان نے پہلے سے کر رکھا تھا، میں نے بھی اس لئے حامی بھرلی تھی کہ یہاں کی تقریبِ شادی کا انداز بھی دیکھنے کا موقع مل جائے گا۔

کراچی کے شاندار شادی ہالوں کی طرح یہ ہال بھی نہایت آراستہ اور پُرتکلّف تھا، مگر کشادہ اتنا کہ کراچی میں کوئی شادی ہال میں نے اتنا بڑا نہیں دیکھا، دمشق کی ایک سرکاری اور دِینی شخصیات اسٹیج کے بالکل سامنے کی گول میزوں کے گرد بیٹھی تھی، مجھے بھی وہیں بٹھادیا گیا، جب ہم پہنچے تو ایک بزرگ کا وعظ ہو رہا تھا، ایجاب وقبول ہوچکا تھا اور اِسٹیج پر دُولہا کے دائیں طرف تقریباً سات نوجوان ہاتھوں میں ''دُف'' لئے اپنی باری کے منتظر تھے، جیسے ہی وعظ ختم ہوا اُن نوجوانوں نے ''دُف'' پر نغمہ سرائی شروع کردی، اَشعار کے الفاظ تو دُف اور ترنم کے بوجھ میں دَب کر بمشکل ہی کچھ کچھ سمجھ میں آرہے تھے، لیکن جتنے سنائی دیئے اُن سے اندازہ ہوا کہ اَشعار حمد و نعت اور دُعاؤں پر مشتمل ہیں۔ ساتھ ہی کچھ مٹھائی گتے کے چھوٹے چھوٹے خوبصورت نفیس پیکٹوں میں ہر مہمان کے سامنے رکھ دی گئی، خواتین کے لئے الگ انتظام اسی ہال کے کسی اور حصے میں تھا۔

معلوم ہوا کہ اصحابِ تقریب چونکہ شافعی ہیں، وہ عصر کی نماز مثلِ اوّل پر پڑھ چکے ہیں، دمشق میں بھی حنفی، شافعی اور حنبلی حضرات خاصی بڑی تعداد میں ملے، یہاں بھی کوئی کسی پر طنز وتعریض تو کیا کرتا بلکہ ایسا کرنے کو شائستگی اور دِین داری کے سخت خلاف سمجھا جاتا ہے، سب آپس میں گھلے ملے رہتے ہیں، اور ایک دُوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔

قدیم ترین تاریخی دار الحدیث میں

اب ہمارا ارادہ تھا کہ عصر کی نماز جا کر ''اَلْجَامِعِ الْاُمَوِیّ'' میں ادا کریں، لیکن اُس کے قریب پہنچتے پہنچتے جب ہم ایک ایسے بارونق بازار سے گزر رہے تھے جو لاہور کی ''نئی انارکلی'' سے ملتا جلتا تھا تو عصر کا وقت تنگ ہونے لگا، لہٰذا گاڑی چھوڑ کر ہم کسی قریبی مسجد کی تلاش میں نکلے مگر ہمارے رفقاء شیخ محمد وائل حنبلی اور دیگر ساتھی نماز کے لئے ہمیں دائیں ہاتھ پر ایک قدیم عمارت کے اندر لے گئے اور بتایا کہ یہ مشہور قدیم تاریخی دار الحدیث ہے۔

عصر کی نماز ہم نے یہیں جماعت سے ادا کی، اب پتہ چلا کہ یہی وہ قدیم ترین تاریخی دار الحدیث ہے جو چھٹی صدی ہجری میں شام کے مثالی حکمران سلطان نورالدین زنگی[۱] رحمۃ اللہ علیہ نے دمشق کے مشہور محدث ''حافظ[۲] ابنِ عساکرؒ'' کے لئے تعمیر کرایا تھا، اسے مؤرخین نے ''درسِ حدیث کا سب سے پہلا مدرسہ'' قرار دیا ہے جو خاص اسی مقصد کے لئے بنایا گیا تھا، عرصہ دراز تک اس میں حافظ ابنِ عساکرؒ کا درس جاری رہا، جس میں سلطان نورالدین زنگیؒ بھی شریک ہوتے تھے، اور سلطان کے بعد اُن کے لائق جانشین فاتحِ بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی حاضر ہوتے رہے۔ علامہ حافظ ابنِ عساکرؒ کے بعد اُن کے صاحبزادے نے مسندِ درس سنبھالی اور ان کے بعد یہاں ان کی اولاد نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ کتابوں میں اس کا پورا نام ''دار الحدیث النوریۃ'' بتایا گیا ہے۔[۳] ذی الحجہ ۷۳۹ھ سے شام کے

---

(۱) ولادت ۵۱۱ھ، وفات شوال ۵۶۹ھ۔ حالاتِ زندگی کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ مدینۃ دمشق ج:۵۷ ص:۱۱۸ تا ۱۲۴ و النجوم الزاھرۃ ج:۶ ص:۷۲۔

(۲) ولادت ۴۹۹ھ، وفات رجب ۵۷۱ھ۔ حالاتِ زندگی کے لئے ملاحظہ ہو: تذکرۃ الحفاظ للذھبیؒ ج:۴ ص:۱۳۳۲ و مقدمۃ تاریخ مدینۃ دمشق ج:۱ ص:۶ و مختصر تاریخِ دمشق ج:۱ ص:۱۰۔

(۳) حوالۂ بالا و مقدمہ تہذیب الکمال ج:۱ ص:۱۳ تا ۶۳۔

مشہور عالمِ دِین علامہ مزّیؒ اس دار الحدیث کے تاحیات متولّی رہے۔ یہ ''سوق حمیدیہ'' (بازارِ حمیدیہ) اور ''جامع اُموی'' کے پاس اب ایک نئے بازار کے اندر ہے۔ یہیں اس دار الحدیث کے موجودہ نوجوان منتظم جناب ''محمد مجیمر الخطیب'' سے ملاقات ہوئی، ان کے آباء و اجداد صدیوں سے اس دار الحدیث کے منتظم چلے آرہے ہیں اور اب بھی انہوں نے یہاں ایک حلقۂ درس قائم کیا ہوا ہے۔ وہ مجھ سے آج ہماری قیام گاہ پر بھی مل چکے تھے اور بہت محبت و اصرار سے یہاں آنے کی دعوت دی تھی، میں نے وعدہ اس لئے نہیں کیا تھا کہ شاید اس کو پورا نہ کرسکوں، اب ناچیز کو غیر متوقع طور پر یہاں حاضری کی سعادت سے جو خوشی نصیب ہوئی ناقابلِ بیان ہے، میزبان محمد مجیمر بھی خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔

اس دار الحدیث کے حلقۂ درس کی جو تفصیلات کتابوں میں ملتی ہیں اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دراصل کافی بڑی عمارت تھی، مگر اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا خاصا بڑا حصہ برابر کی عمارت میں شامل ہوچکا ہے، صحن کے بیچوں بیچ ایک گہرا مگر چھوٹا سا حوض ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم دار الحدیث کی برکتوں سے ہمیں مالا مال فرمائے۔ آمین

ہمیں نمازِ مغرب کے لئے ''جامع اُموی'' پہنچنے کی جلدی تھی اس لئے میزبان کی طرف سے چائے وغیرہ کے اصرار پر معذرت ہی کرنی پڑی۔

''جامع اُموی'' میں

یہ جامع مسجد تاریخِ اسلام کی قدیم ترین اور عظیم ترین مساجد میں سے ہے، اب یہ پُرانے شہر دمشق کے درمیان میں انتہائی گنجان علاقے میں ہے، اسے بنو اُمیہ کے مشہور خلیفہ ولید بن عبدالملک نے تعمیر کرایا تھا، فنِ تعمیر کے لحاظ سے یہ اُس دور کی سب سے زیادہ شاندار، خوبصورت مسجد تھی، اِمام شافعیؒ نے اسے دُنیا کے پانچ عجائب

میں شمار کیا ہے،[1] یہ دمشق کے علماء وطلبہ کے لئے ایک عظیم الشان یونیورسٹی بھی تھی، جس میں تمام اسلامی علوم وفنون کی تعلیم ہوتی تھی، عوام اور خواص کے لئے الگ الگ درس کے حلقے تھے، صحابہؓ وتابعینؒ کے زمانے سے ماضیٔ قریب تک اسلامی دُنیا کے طلبہ، علمِ دِین حاصل کرنے کے لئے دُور دُور سے سفر کر کے یہاں پہنچتے تھے۔ یہیں حضرت خطیب بغدادیؒ، اِمامِ غزالیؒ، حافظ ابنِ عساکرؒ اور حافظ ابنِ کثیرؒ جیسے نابغۂ روزگار علماء و اولیاء کرام کے حلقہ ہائے درس جاری رہے ہیں۔ اسی کے بعض حصوں میں عدالتیں قائم تھیں، اس مسجد نے اہلِ اسلام کا وہ جاہ و جلال دیکھا ہے کہ اس کے منبر سے امیرالمؤمنین کے دیئے ہوئے خطبے کا ایک ایک جملہ پورے عالم کے لئے حکم اور فرمان کی حیثیت رکھتا تھا، اور یہیں سے دُنیا کے مشرق ومغرب اور جنوب وشمال میں عدل و انصاف قائم کرنے والے اسلامی لشکروں کی قیادت ہو رہی تھی۔[2]

جب سے یہ عظیم الشان مسجد تعمیر ہوئی اُس وقت سے لے کر آج تک اس کے بارے میں تحقیقی مقالے لکھے جاتے رہے ہیں، جن میں یہاں کے درسی حلقوں کی تفصیلات، یہاں تحقیقی اور علمی کارنامے انجام دینے والے علمائے کرام کے مشاغل، اور اس مسجد میں تصنیف ہونے والی شہرۂ آفاق کتابوں کے تذکرے ہیں، ان ہی کتابوں میں سے ایک مشہور کتاب جو اسی مسجد میں لکھی گئی ہے، علامہ حافظ ابنِ عساکرؒ کی تصنیف ''تاریخ مدینۃ دمشق'' ہے، یہ اَسّی جلدوں میں ہے اور چھپ چکی ہے، اور ایک شہرہ آفاق کتاب اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ''احیاء العلوم'' ہے، جو پورے عالمِ اسلام کے تعلیمی وتبلیغی اداروں کی زینت اور تمام دِینی شخصیات کے لئے مشعلِ راہ ہے، اور عالمِ اسلام کی ساری خانقاہوں کی جان سمجھی جاتی ہے۔ فنِ تعمیر کے لحاظ سے اس مسجد میں جو محیّر العقول عجائب رکھے گئے تھے اُن کی تفصیلات بھی دِلچسپ ہیں۔

---

(۱) الجامع الاموی ص:۶۳، بقلم ابنِ جبیر، بحوالہ تاریخ ابن عساکرؒ ج:۲ ص:۱۶۔

(۲) تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو کتاب ''الجامع الاموی'' مطبوعہ دار ابن کثیر، دمشق و بیروت۔

جامع اُموی کا مغربی مینار
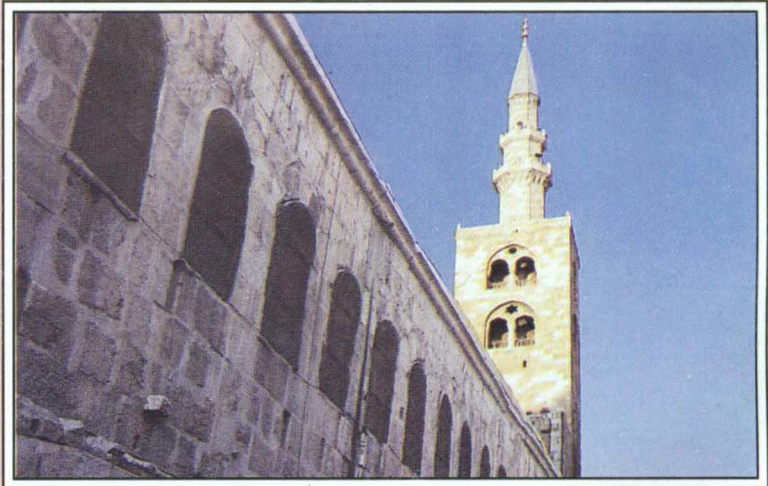
جامع اُموی کا مشرقی مینار۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہی وہ مینار ہے جس کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ مگر روایات سے اس مینار کے متعلق اس بات کی تائید نہیں مل سکی۔

جامع اُموی کا منبر و محراب
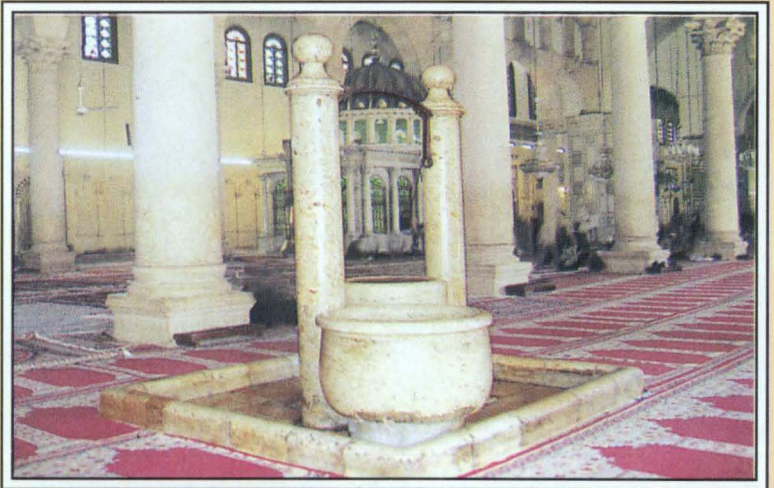
جامع اُموی کے اندر ایک کنواں جس کا صرف منہ ایک پتھر کے بڑے برتن کی شکل میں نظر آرہا ہے۔ اس کے چاروں طرف حوض ہے۔

جامع اُموی کے مرکزی ھال میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے سر مبارک کا مزار
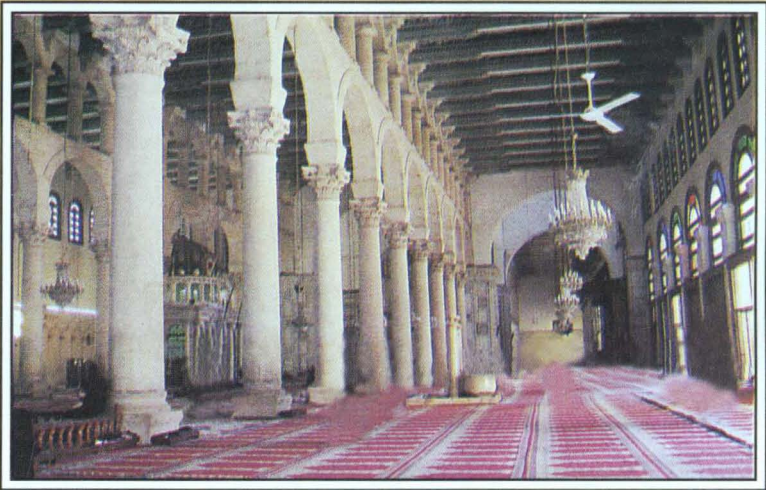
جامع اُموی کے مرکزی ھال کا ایک حصّہ

جامع اُموی کے صحن سے مرکزی ھال میں جانے کے لئے عظیم الشان برآمدے کی عمارت کا مرکزی دروازہ۔
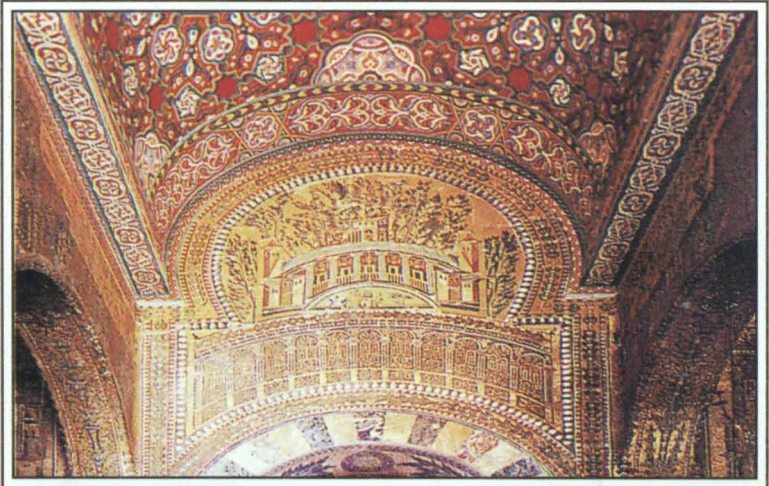
جامع اُموی کے مغربی دروازے ''باب البرید'' کی اندرونی چھت میں نہایت حسین وجمیل نقش ونگار اور پچی کاری۔

جامع اُموی کے شمال میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے مزار کا بیرونی منظر۔ اسے سلطان کے بیٹے ''العزیز'' نے تعمیر کرایا تھا۔

قلعۂ دمشق کا مشرقی رُخ۔ یہ قلعہ دمشق کی شمال مغربی فصیل کے ساتھ سلطان ایوبی کے دور میں تعمیر ہوا تھا۔

قدیم شہر دمشق کا ایک بالائی منظر

جامع اُموی کے صحن سے اُس کی عمارات کا بیرونی منظر۔ مغربی سمت کے مینار کا بالائی حصہ بھی نظر آرہا ہے۔ وہاں سے قبلہ جنوب کی طرف ہے۔ اسی لئے عمارت کا مرکزی رُخ بھی جنوب کی طرف ہے۔

مکتب عنبر کا ایک اور نظارہ

مکتب عنبر۔ خلافتِ عثمانی (ترکی) کے دور کا ایک مدرسہ جو دمشق کی حسین ترین عمارتوں میں شمار ہوتا ہے۔
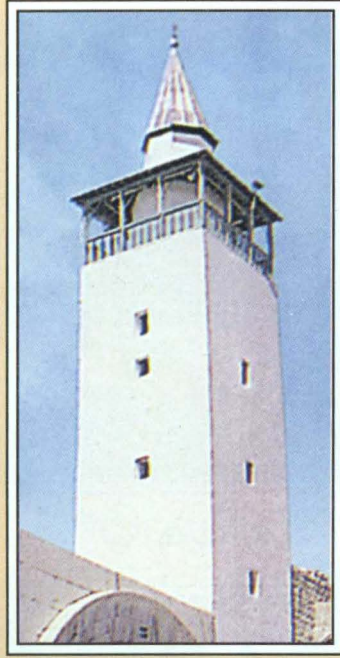
دمشق شہر کا مشرقی دروازہ جو سن ۲ عیسوی میں تعمیر ہوا تھا۔ دمشق کی فتح کے لئے مسلم مجاہدین اس دروازے سے داخل ہوئے تھے، اور سفید مینارہ جو نظر آرہا ہے یہ سلطان نور الدین زنگی رحمتہ اللہ علیہ کا بنایا ہوا ہے۔ لوگوں کا غالب گمان یہ ہے کہ صحیح احادیث میں دمشق کے مشرق میں جس سفید مینارے کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی پیش گوئی کی گئی ہے، وہ یہی مینارہ ہے۔ واللہ اعلم

اس مسجد کے بعض عجائب

مثلاً مسجد کی چھت میں مختلف قسم کی کچھ ایسی عجیب و غریب چیزیں لٹکائی گئی تھیں جن کے ذریعہ مختلف قسم کے حشرات الارض اور جانوروں کے مسجد میں داخل ہونے کا امکان ختم کردیا گیا تھا، ان چیزوں کو ''طِلِسمَات'' کہا جاتا تھا، ایک ''طِلِسم'' کا اثر یہ تھا کہ مسجد میں ''سُنونو'' نامی پرندہ اپنا گھونسلہ نہیں بنا سکتا تھا، اور کوئی کوّا داخل نہیں ہوسکتا تھا، ایک ''طِلِسم'' چوہوں کو داخل ہونے سے روکتا تھا، ایک ''طلسم'' سانپ اور بچھو کو، ایک طلسم مکڑیوں کے لئے تھا، اور ایک کبوتروں کے لئے، چنانچہ ان میں سے کوئی بھی جانور مسجد میں داخل[۱] نہیں ہوسکتا تھا، اس مسجد کا ایک اعجوبہ یہاں کی محیّر العقول گھڑی تھی جو تقریباً دو کمروں کے برابر تھی، اس میں دن کا وقت بتانے کے لئے الگ نظام تھا، اور رات کا وقت بتانے کے لئے دُوسرا نظام تھا۔[۲] یہ عجیب و غریب گھڑی چھٹی صدی ہجری کے مشہور انجینئر (مہندس) محمد بن عبدالکریم نے ایجاد کی تھی جو دمشق ہی کے باشندے تھے، ۵۹۹ھ میں ان کی وفات ہوئی۔[۳]

شام کے نابغۂ روزگار حافظِ حدیث ''علامہ ابنِ عساکرؒ'' نے دمشق کی تاریخ پر اَسّی جلدوں میں جو تالیف کی ہے وہ بھی اسی مسجد میں انجام پانے والا کارنامہ ہے، اس میں علامہ ابنِ عساکرؒ نے اس مسجد کی بہت تفصیلات تحریر فرمائی ہیں اور بعد میں اندلس کا ایک سیاح ''ابنِ جبیر'' جب یہاں آیا اور اُس نے جو رُوئیداد لکھی ہے اُسے پڑھ کر تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس مسجد کو دیکھ کر مبہوت ہوکر رہ گیا ہے، ایک کتاب اب

---

(۱) ملاحظہ ہو: کتاب ''الجامع الاموی'' ص:۱۷ وص:۱۴۵۔

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ''الجامع الاموی'' ص:۷۰، ۷۱، بحوالہ تاریخ ابنِ عساکرؒ۔ و ص:۲۴ بحوالہ کتاب ''علم الساعات'' لمحمد احمد دھمان، وبحوالہ تاریخ ابنِ عساکرؒ وبحوالہ ''الوافی بالوفیات''۔

(۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: کتاب ''الجامع الاموی'' ص:۱۱۵۔

سے کچھ برس پہلے بیروت اور دمشق سے ۱۴۰۵ھ (۱۹۸۵ء) میں ''الجامع الاموی'' کے نام سے شائع ہوئی ہے، اُس میں ''ابنِ جبیر'' کی وہ پوری رُوئیداد چھپی ہے اور اُس کے ساتھ اس میں دُوسرے مصنّفین ''العمری'' اور ''النعیمی'' کے بھی تحقیقی مضامین خاص اسی مسجد سے متعلق ہیں، یہ پوری کتاب قابلِ مطالعہ ہے۔

لیکن اب اس مسجد میں کوئی ایسی غیر معمولی چیز باقی نہیں رہی جسے عجائب میں شمار کیا جائے، اور عمارت کی وہ ظاہری شان و شوکت بھی اب دِکھائی نہیں دیتی جس کی عجیب و غریب تفصیلات کتابوں میں ملتی ہیں۔

اسی مسجد کے ایک حصے میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے سر مبارک کا مزار ہے، وہاں بھی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، اسی مسجد کے شمال مغربی حصے میں اُس کمرے کی بھی زیارت ہوئی جس میں حضرت اِمام غزالی[1] رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عظیم و مشہور کتاب ''احیاء العلوم'' کو مکمل کیا ہے، انہوں[2] نے یہ تصنیف بیت المقدس میں شروع کی تھی اور مکمل یہاں آکر کیا تھا، یہ کمرہ اب بھی محفوظ ہے۔

اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ایران کے شہر طوس میں ہوئی، وہاں اُن کی قبر مبارک کا کچھ نشان ایک چبوترے کی سی شکل میں باقی ہے، ناچیز نے اُس کی حال ہی میں زیارت کی ہے۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ شام و اُردُن وسعودی عرب کے اس سفر کے بعد ایران میں اہلِ سنت والجماعت کی عظیم ترین مشہور دِینی درسگاہ ''دارالعلوم زاہدان'' کی دعوت پر ناچیز کو زندگی میں پہلی بار (رجب ۱۴۲۵ھ کے اَواخر

---

(۱) ولادت ۴۵۰ھ، وفات ۵۰۵ھ۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء ج:۱۹ ص:۳۳۴، اور وفیات الاعیان ج:۴ ص:۲۱۷، اور ''احیاء العلوم'' کا مقدمہ اتحاف السادۃ المتقین ج:۱ ص:۱۰۔

(۲) النجوم الزاهرة ج:۵ ص:۲۰۳۔

میں) ایران جانے کی نوبت آئی، اس دارالعلوم کے تمام ذمہ دار علمائے کرام پاکستان ہی کے دِینی مدارس کے فاضلین ہیں، جامعہ دارالعلوم کراچی کے فاضلین کی بھی خاصی بڑی تعداد اس کے اہم علمی، تحقیقی اور انتظامی اُمور کو سنبھالے ہوئے ہے۔

اس دارالعلوم کا سالانہ جلسہ ۲۷؍رجب ۱۴۲۵ھ کو زاہدان شہر میں ہوا، مگر اس سے پہلے مذکورہ بالا میزبانوں کے ساتھ ایران کے دُوسرے شہروں تہران، قُم، مشہد، چابہار وغیرہ بھی دیکھنے کا موقع ملا، ایران کے صوبے ''خراسان'' کے مرکزی شہر ''مشہد'' سے تقریباً ایک گھنٹے کی ڈرائیو پر قدیم شہر ''طوس'' کے آثار ہیں، وہیں اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ آخری آرام گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی برکات سے ہم سب کو بہرہ یاب فرمائے۔ آمین

ایران کا ذکر یہاں ضمناً آ گیا ہے، اب میں پھر دمشق کی طرف لوٹتا ہوں۔

اس مسجد کا مشرقی مینار

''جامع اُموی'' (دمشق) کے مغربی مینار میں تو اِمام[1] غزالیؒ نے اِعتکاف کیا تھا، حافظِ حدیث علامہ ابنِ عساکرؒ کا عام دنوں میں تلاوتِ قرآن کا معمول ہر ہفتے میں ایک ختم کرنے کا تھا، مگر رمضان میں ہر روز ایک ختم فرماتے تھے، اور اِعتکاف اسی مسجد کے مشرقی مینار میں کیا کرتے تھے، یہ سلسلہ چالیس سال تک مسلسل جاری رہا ہے۔[2]

ہمارے ایک میزبان نوجوان عالمِ دِین محمد وائل الحنبلی نے بتایا کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سفید منارے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی پیش گوئی فرمائی ہے، وہ یہی جامع اُموی کا مشرقی منارہ ہے، لیکن اب تک جو اَحادیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں

---

(۱) النجوم الزاهرة ج:۵ ص:۲۰۳۔

(۲) تذکرة الحفاظ للذهبیؒ ج:۴ ص:۱۳۳۲ ومختصر تاریخ دمشق ج:۱ ص:۱۰۔

تحقیق[۱] کرکے جمع کی گئی ہیں ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ جس مینارے کے پاس عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، وہ جامع اُموی کا، یا کسی بھی مسجد کا مینار ہوگا، مسجد کا ذکر ان احادیث میں ہے ہی نہیں، لہٰذا یہ بات کہ وہ مینارہ جامع اُموی کا مشرقی مینارہ ہے، کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتی۔[۲]

جس سفید مینارے کے پاس عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہونے والا ہے، اُس کے بارے میں احادیث سے صرف اتنی بات ثابت ہے کہ وہ مینار دمشق کے مشرق

---

(۱) اور تحقیق کرنے والے بزرگ حضرت علامہ سیّد انور شاہ کشمیریؒ، ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور شیخ عبدالفتاح ابوغدۃؒ جیسے عالمِ اسلام کے مایۂ ناز عظیم محققین ہیں، اوّل الذکر دونوں بزرگوں کی مشترک تصنیف "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" ہے، جو نزولِ مسیح علیہ السلام کی علامات کے بارے میں احادیث کے "انسائیکلوپیڈیا" کی حیثیت رکھتی ہے، شیخ عبدالفتاح ابوغدۃؒ نے اس کتاب کی تحقیقی خدمت کرکے اس کی افادیت کو چار چاند لگادیئے ہیں۔

(۲) البتہ حافظ ابنِ کثیرؒ نے "البدایة والنهایة" (ج:۱۰ ص:۱۳۸) میں لکھا ہے: "وقد رأیت فی بعض الکتب انّهٗ ینزل علی المنارة البیضاء شرقیّ جامع دمشق" یعنی "میں نے "کسی کتاب" میں دیکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اُس سفید مینار پر نازل ہوں گے جو جامع دمشق (جامع اُموی) کے مشرق میں ہے" لیکن حافظ ابنِ کثیرؒ نے نہ اُس کتاب کا نام ذکر کیا، نہ کسی حدیث کا حوالہ دیا ہے، ممکن ہے انہوں نے یہ بات حضرت شیخ محی الدین محمد بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الفتوحات المکیة" میں دیکھی ہو، کیونکہ "الفتوحات المکیة" کے باب ٦٦ میں یہ عبارت ملتی ہے کہ: "ینزل عیسٰی فی زمانه (أی زمان المهدیؑ) بالمنارة البیضاء شَرقیّ مسجد دمشق والناس فی صلاة العصر" (ملاحظہ ہو علامہ برزنجیؒ کی مشہور کتاب الاشاعة لأشراط الساعة ص:۱۱۱) یعنی "عیسیٰ علیہ السلام اِمام مہدیؑ کے زمانے میں اُس سفید مینار پر نازل ہوں گے جو دمشق (جامع اُموی) کے مشرق میں ہے، اُس وقت لوگ عصر کی نماز میں ہوں گے" مگر اس میں بھی نہ کسی کتاب کا حوالہ ہے، نہ کسی حدیث کا، پھر اس عبارت میں یہ بات بھی تمام متعلقہ احادیث سے مختلف ہے کہ "اُس وقت لوگ عصر کی نماز میں ہوں گے" حالانکہ جن احادیث میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا وقت بتایا گیا ہے اُن سب میں عصر کی بجائے "صبح" کا وقت بیان ہوا ہے۔ واللہ اعلم

میں ہوگا، جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ کسی مسجد کا مینار بھی ہوسکتا ہے، اور بغیر مسجد کے بھی ہوسکتا ہے، اگر جامع اُموی دمشق کے مشرق میں ہے تو اِمکان یہ بھی ہے کہ نزول اسی مینار کے پاس ہو، لیکن اندلس سے آنے والے سیاح ''ابنِ جبیر'' جس کا ذکر ناچیز نے پہلے بھی کیا ہے، اُس نے جامع اُموی کا محلِ وقوع یہ لکھا ہے کہ:[1]

مائلٌ اِلَی الجهة الشمالية مِنَ البلد.

یعنی جامع اُموی شہر (دمشق) سے شمال کی طرف مائل ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سلطان نورالدین زنگیؒ کے مزار پر

جامع اُموی کے برابر میں چھٹی صدی ہجری کے بطلِ جلیل سلطان محمود نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بھی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، یہ وہ یگانۂ روزگار مسلم حکمران ہے جس نے بادشاہی میں فقیری کی، اور عدل و انصاف، شجاعت و سخاوت، احیاءِ سنت، امن و امان اور حسنِ انتظام کی وہ مثالیں قائم کیں جنھوں نے خلافتِ راشدہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ خلافت کی یادیں تازہ کردیں۔ یورپ کی طاقتیں جو بیت المقدس کو مسلمانوں سے پہلے ہی چھین چکی تھیں اور اب اسلام کو مٹانے کے لئے متحد ہورہی تھیں اُن کا ڈٹ کا مردانہ وار مقابلہ کیا، اور ان کی ہر مہم کو ناکام بنا کر چھوڑا۔ سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کا اور ان کی حکومت کا پس منظر جاننے کے لئے یہاں سلجوقیوں کی حکومت کا مختصر تعارف ضروری معلوم ہوتا ہے۔

خلافتِ عباسیہ کے تحت مراکش سے لے کر چین تک تمام اسلامی ممالک جو خلافتِ عباسیہ کے صوبوں کی حیثیت رکھتے تھے، تقریباً اُن تمام ممالک پر سلجوقیوں نے ۴۳۰ھ سے[2] تقریباً ڈھائی سو برس بڑی کامیاب حکومت کی ہے، اور خلافتِ عباسیہ کی

---

(۱) ملاحظہ ہو کتاب ''الجامع الاموی'' ص:۲۸، مطبوعہ دار ابنِ کثیر، دمشق و بیروت۔

(۲) تاریخ اسلام از اکبر خان نجیب آبادی ج:۲ ص:۶۵۴۔

وفاداری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہ نومسلم ترک تھے اور سیدھے سادے سچے مسلمان تھے، انہوں نے اپنے ترک غلاموں کو اُن کی اعلیٰ درجے کی صلاحیتیں دیکھ کر نہ صرف اپنے شہزادوں کا اُستاذ اور اَتالیق مقرّر کیا بلکہ بہت سے اعلیٰ درجے کے عہدوں پر بھی فائز کیا، حتیٰ کہ بہت سے صوبوں اور علاقوں کا گورنر بھی بنادیا۔

ان غلاموں کو ''اتا بک'' کہا جاتا تھا، ترکی زبان میں ''اَتا'' والد کو، اور ''بِک'' (بیگ) سردار کو کہا جاتا ہے، اسی مناسبت سے ''اتا بک'' کا لفظ ''اتالیق'' کے لئے استعمال ہونے لگا، یعنی تربیت دینے والا اُستاذ، ان ترک غلاموں نے اپنے فرائضِ منصبی نہایت خوبی اور وفاداری سے انجام دیئے، یہاں تک کہ جب سلجوقیوں کی حکومت بھی باہمی نااتفاقی کے باعث طوائف الملوکی کا شکار ہوئی تو ان کی جگہ اِن ''اتابکوں'' نے لے لی، اور خلافتِ عباسیہ کے ماتحت رہتے ہوئے نہایت شاندار نظامِ حکومت قائم کیا اور اسے جاری رکھا۔

سلجوقی دور کا ایک نامور اور کامیاب حکمران ''ملک شاہ سلجوقی'' گزرا ہے، جس نے بیس سال شاندار حکومت کر کے بغداد میں ۴۸۵ھ میں وفات پائی۔[1] اس کے ایک ترک غلام کا بیٹا ''عمادالدین زنگی'' تھا، ملک شاہ سلجوقی کے بعد سلجوقی حکومت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ ۵۲۲ھ میں عمادالدین زنگی، عراق، شام، موصَل، اور حَلَب وغیرہ کے اکثر علاقوں کا حاکم مقرّر ہوا، اور اس نے خلافتِ عباسیہ کے تحت ہی ایک مضبوط حکومت قائم کرلی، یہ وہ دور تھا جب خلافتِ عباسیہ برائے نام ہی باقی رہ گئی تھی، عملاً اقتدار ماتحت حکمرانوں ہی کا تھا۔

عمادالدین زنگی نے اعلیٰ درجے کے نظمِ حکومت، عدل و انصاف اور بہت سے تعمیری کارناموں کے ساتھ ساتھ عیسائیوں اور رُومیوں کے صلیبی حملوں کے مقابلے میں بھی مردانہ وار جہاد کیا، اور عالمِ اسلام میں بڑی نیک نامی حاصل کی، اسی کا

---

(۱) تاریخ المشاہیر ص:۱۷۵، و تاریخِ اسلام از اکبر خان نجیب آبادی ج:۲ ص:۶۵۷۔

لائق و نامور بیٹا ''سلطان محمود نورالدین زنگی'' ہے، جس کے مزار پر آج ہم حاضر تھے۔

اس مردِ خدا کے ذاتی حالات و اوصاف، دِینی، علمی، سیاسی اور جہادی کارنامے ایسے ہیں اور اتنے زیادہ ہیں کہ ان کے لئے ایک مستقل کتاب درکار ہے، ولادت ۵۱۱ھ میں اور وفات ۵۶۹ھ میں ہوئی، ۲۸ سال ۶ ماہ حکومت کی۔[1]

صلیبی جنگوں میں جہادی اور بیرونی مہمات کے ساتھ اس نے داخلی طور پر ملک میں سنت کو زندہ کیا، بدعات کا قلع قمع کیا، بڑے پیمانے پر مساجد اور مدارس قائم کئے، مثالی عدل و انصاف قائم کیا، ملک سے ہر قسم کے ٹیکس بالکل ختم کردیئے،[2] اور مصر میں باطنیہ (اسماعیلی شیعوں) کی شورشوں اور عیسائیوں سے ان کے سازباز کا بڑی حکمت اور مردانگی سے مقابلہ کیا۔

ایک عدیم المثال واقعہ

سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عدیم المثال واقعہ[3] یہ ہے کہ ایک رات وہ معمول کے مطابق تہجد کی نماز پڑھ کر سویا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو بھورے رنگ کے آدمیوں کی طرف اشارہ کرکے فرمارہے ہیں:

أَنْجِدْنِيْ، أَنْقِذْنِيْ مِنْ هٰذَيْنِ.

میری مدد کو پہنچو، مجھے ان دو سے بچاؤ۔

سلطان کی گھبرا کر آنکھ کھلی، وضو کیا اور نماز پڑھ کر دوبارہ سویا تو بعینہٖ وہی خواب پھر دیکھا، سلطان پھر جاگ اُٹھا، وضو کرکے نماز پڑھی اور پھر سویا تو تیسری بار

---

(۱) كتاب الروضتين في اخبار الدولتين النورية والصلاحية لأبي شامه المتوفى ٦٦٥هـ۔

(۲) ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تاريخ مدينة دمشق ج:۵۷ ص:۱۱۸ تا ۱۲۴ والنجوم الزاهرة ج:٦ ص:۷۲۔

(۳) ملاحظہ ہو: ''وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفیٰ'' للعلّامة السمهوديؒ ص:۶۴۸ تا ۶۵۴۔

بھی وہی خواب دیکھا، اب تو نیند غائب ہوچکی تھی، اسی وقت اپنے وزیر جمال الدین موصلی کو طلب کر کے سارا واقعہ سنایا، یہ وزیر بڑا پاک باز، دِین دار اور وفادار تھا، اُس نے سنتے ہی کہا: ''اب بیٹھنا کیسا؟ آپ کو اسی لمحے مدینہ منوّرہ کے لئے روانہ ہوجانا چاہئے، مگر کسی پر یہ واقعہ ظاہر نہ فرمائیں۔''

سلطان نے اسی رات کے باقی حصے میں سفر کی تیاری کی اور وزیر کے ساتھ تیز رفتار اُونٹنیوں پر روانہ ہوگیا، بہت سا مال اور بیس آدمی بھی ساتھ لے لئے۔ دمشق سے مدینہ منوّرہ کا سفر جو ایک ماہ میں طے ہوتا تھا، سلطان نے صرف ۱۶ دن میں طے کرلیا اور صبح کے وقت غسل کر کے مدینہ منوّرہ میں داخل ہوا، سب سے پہلے ریاض الجنة میں نماز ادا کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر سلام عرض کیا، اور بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟

اہلِ مدینہ مسجد شریف میں جمع ہوگئے تھے، وزیر نے اُن کو بتایا کہ سلطان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں اور تقسیم کرنے کے لئے بہت سا مال لائے ہیں، آپ یہاں کے سب لوگوں کے نام لکھ کر دے دیں۔ اہلِ مدینہ نے فہرست تیار کر کے پیش کردی، سلطان نے سب کو ایک ایک کر کے بلانا شروع کیا، جو جو بھی آتا گیا اُسے بغور دیکھتے رہے، اور مال دے دے کر واپس کرتے رہے، سب لوگ فارغ ہوگئے، مگر ان میں کوئی شخص بھی ان دو میں سے نہ تھا جو خواب میں دِکھائے گئے تھے۔

سلطان نے پوچھا: کیا کوئی آدمی اپنا حصہ لینے سے رہ گیا ہے؟ لوگوں نے انکار کیا تو سلطان نے کہا: سوچو، غور کرو، شاید کوئی رہ گیا ہو۔ اس پر لوگوں نے بتایا کہ مغرب (اسپین) کے دو آدمیوں کے سوا کوئی باقی نہیں رہا، مگر وہ دونوں کسی سے کوئی چیز لیتے نہیں، وہ نیک اور مال دار ہیں، اور غریبوں کو وہ خود ہی بہت صدقات وخیرات دیتے رہتے ہیں۔

دو پُراسرار بھورے آدمی!

سلطان نے یہ سن کر قدرے اطمینان کا سانس لیا اور دونوں کو بلوایا، دیکھا تو یہ وہی دو شخص تھے جن کی طرف اشارہ کرکے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ:

أَنۡجِدۡنِیۡ، أَنۡقِذۡنِیۡ مِنۡ هٰذَیۡنِ.

سلطان نے پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم مغربی ملک (اسپین) سے آئے ہیں، حج کرنے آئے تھے، پھر یہاں اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے کا ارادہ کرلیا۔

سلطان نے کہا: ''مجھے سچ بتاؤ'' اس پر وہ بالکل خاموش ہوگئے۔

سلطان نے پوچھا: ''ان کی رہائش گاہ کہاں ہے؟'' بتایا گیا کہ حجرۂ شریفہ (روضۂ اقدس) کے برابر ایک مکان میں رہتے ہیں۔

سلطان ان دونوں کو ساتھ لے کر ان کے گھر پہنچا تو وہاں بہت سا مال و دولت اور کچھ کتابوں وغیرہ کے سوا کچھ نظر نہ آیا، اہلِ مدینہ نے سلطان کے سامنے ان دونوں کی بہت تعریف کی کہ ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں، نمازیں پابندی سے ریاض الجنۃ میں ادا کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے پابندی سے حاضر ہوتے ہیں، روزانہ صبح کو جنت البقیع کے قبرستان کی زیارت کے لئے جاتے ہیں، اور ہر سنیچر کو (ہفتہ کے روز) قباء کی زیارت کو جاتے ہیں، کسی مانگنے والے کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے، حتیٰ کہ اِس قحط سالی کے زمانے میں تو انہوں نے اہلِ مدینہ کی بہت ضرورتیں پوری کیں۔

مجرم پکڑے گئے

سلطان خاموشی سے یہ باتیں سنتا اور اس گھر میں گھومتا رہا، فرش پر ایک

چٹائی بچھی تھی، سلطان نے اُسے اُٹھایا تو اس کے نیچے ایک سرنگ کھدی ہوئی نظر آئی، جو حجرۂ شریفہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) تک پہنچ چکی تھی! اب تو لوگ گھبرا اُٹھے، سلطان نے اُن دونوں کی خوب پٹائی کی اور کہا: ''ساری بات سچ سچ بتاؤ۔''

اب انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ درحقیقت عیسائی ہیں، ان کے ہم مذہب لوگوں نے انہیں اندلسی (اسپینی) حاجیوں کے بھیس میں یہاں بہت سا مال دے کر بھیجا ہے، تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک (نعوذ باللہ) پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (خاکم بدہن) یہاں سے نکال کر اپنے ناپاک دلوں کی بھڑاس نکالیں!

انہوں نے بتایا کہ وہ رات کو سرنگ کی کھدائی کرتے تھے اور جمع شدہ مٹی کو چمڑے کے تھیلوں میں بھر کر جنت البقیع کی زیارت کے بہانے وہاں جا کر قبروں کے درمیان پھیلا دیتے تھے، یہ سلسلہ مدّت سے جاری تھا کہ آج رات جیسے ہی ہم ''حجرۂ شریفہ'' کے قریب پہنچے تو اچانک بادل گرجنے اور بجلی کڑکنے لگی، سخت زلزلہ آیا اور یوں لگا جیسے پہاڑ اُکھڑ جائیں گے، یہاں تک کہ صبح کو آپ پہنچے۔

سلطان یہ سب سن کر اللہ تعالیٰ کے حضور بہت رویا کہ اُس نے اس عظیم خدمت کے لئے اس کا انتخاب فرمایا۔

پھر ان دونوں بدنصیبوں کے سر قلم کروادیئے، ان کو حجرۂ شریفہ کے قریب والے اُس روشن دان کے نیچے قتل کیا گیا جو بقیع کی طرف کھلتا تھا، اور حجرۂ شریفہ کے گرد گہری خندق پانی کی سطح تک کھدوا کر اُس کو پگھلے ہوئے سیسے سے بھروادیا، اس طرح حجرۂ شریفہ کے گرد سیسے کی ایسی فصیل قائم کردی جو پانی کی سطح تک پہنچی ہوئی ہے۔ یہ خدمت انجام دے کر سلطان دمشق واپس آگیا اور اب یہیں جامع اُموی کے برابر میں آرام کی نیند سو رہا ہے۔

ایسا بطلِ جلیل جو بیک وقت اعلیٰ درجے کا حکمران بھی تھا، اور اللہ تعالیٰ کا قابلِ رشک ولی بھی اور جس کی مثال مشہور مؤرّخ علامہ ابن الاثیرؒ کے بقول خلافتِ

راشدہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد نہیں مل سکی، اس عظیم انسان کی قبر پر سلام عرض کرتے وقت دِل کی جو کیفیت تھی اُسے کیسے بیان کروں!

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے مزار پر

سلطان زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ہم ان کے حقیقی جانشین سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے مزار پر حاضر ہوئے، یہ دونوں مزار جامع اُموی کے بالکل قریب ہیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نسلی اعتبار سے کُرد تھے اور کردستان سے تعلق تھا، ان کی زندگی بھی کارناموں کی زندگی ہے، ان کا عظیم ترین اور مشہور ترین کارنامہ بیت المقدس کو عیسائیوں کے قبضے سے آزاد کرانا اور مصر و شام کی حکومتوں کو متحد کرنا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی تھی کہ مسلمان بیت المقدس کو فتح کریں گے، چنانچہ سب سے پہلے یہ سعادت مسلمانوں کو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں نصیب ہوئی۔

لیکن خلافتِ بنو عباس کے دور میں تقریباً دو صدی بعد جب مسلمانوں کی باہمی پھوٹ کے نتیجے میں خلافتِ عباسیہ کا نام صرف رسمی طور پر یا تبرکاً باقی رہ گیا اور مختلف ممالکِ اسلامیہ میں اقتدار عملاً مقامی حکمرانوں میں تقسیم ہوگیا، تو ۳۵۹ھ میں مصر پر "بَـاطِنِيَّة"[1] (اسماعیلی شیعوں) نے قبضہ کرکے خلافتِ عباسیہ سے مصر کا رسمی تعلق بھی توڑ ڈالا، بلکہ اس کے خلاف محاذ کھول دیا تھا، اس پھوٹ در پھوٹ کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا، جس سے فائدہ اُٹھا کر ۴۸۹ھ (۱۰۹۶ء) میں یورپ کے بڑے بڑے

---

(۱) تاریخِ اسلام از نجیب آبادی ج:۳ ص:۳۱۰، فرقۂ باطنیہ کے تعارف کے لئے ملاحظہ ہو تاریخِ ملت (از مفتی سجاد میرٹھی و مفتی انتظام اللہ شہابی) ج:۲ ص:۴۰۴، ۴۰۵۔

بادشاہوں نے متحد ہوکر صلیبی جنگوں کا آغاز کردیا،[۱] اور بیت المقدس سے مسلمانوں کو نکالنے کے لئے شام کے ساحلی علاقوں پر۔ جو اَب لبنان وغیرہ میں شامل ہیں۔ حملہ کردیا، وہ مسلمانوں کی جگہ جگہ مزاحمت کے باوجود اِن علاقوں کو فتح کرتے چلے گئے۔

بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ

شام کی حکومت اور تمام مسلمان عیسائی فوجوں کے اس دم بدم بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے پر اپنی طاقت مرکوز کر رہے تھے، عین اُس وقت جبکہ مصر کی باطنی حکومت کے وزیر محمد ملک نے یہ گل کھلایا کہ مصری فوج لے کر بیت المقدس پر حملہ کردیا اور شام کی فوج کو وہاں سے بھگا کر خود بیت المقدس پر قبضہ کر بیٹھا، اس کی یہ مجنونانہ کروائی عیسائیوں کے لئے بے حد مفید ثابت ہوئی، مصری فوج بیت المقدس پر قبضہ برقرار نہ رکھ سکی، عیسائیوں نے جن کی تعداد دس لاکھ تھی، ۲۳؍شعبان ۴۹۲ھ کو چالیس روز کے محاصرے کے بعد مسلمانوں کے قبلۂ اوّل بیت المقدس پر قبضہ کرلیا۔[۲] مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کیا، ستر ہزار سے زیادہ مسلمان شہید کئے گئے اور مسجدِ اقصیٰ کا تمام قیمتی سامان اور قندیلیں جو چاندی اور سونے کی تھیں سب لوٹ لیں،[۳] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

سلطان نورالدین زنگیؒ کے والد عمادالدین زنگی جب ۵۲۲ھ میں عراق و شام میں برسرِ اقتدار آئے تو بیت المقدس پر عیسائیوں کے قبضے کو تیس[۳۰] سال بیت چکے تھے، اور انہوں نے آس پاس کے دیگر علاقوں کے علاوہ مصر میں بھی اپنے قدم جمالئے تھے۔

سلطان نورالدین زنگیؒ کے زمانے میں مصر کے وزیرِاعظم شاور نے اپنے ہم

---

(۱) تاریخ ملت ج:۷ ص:۱۶۸۔

(۲) تاریخِ اسلام از اکبر خان نجیب آبادی ج:۳ ص:۳۲۱ تا ۳۲۳۔

(۳) البدایة والنہایة ج:۸ ص:۲۹۲۔

مذہب بادشاہ ''عاضد عبیدی'' سے بغاوت کر کے عیسائیوں سے سازباز کرلی اور قاہرہ میں عیسائی فوجیں داخل کرا کے ان کا اقتدار مسلط کرادیا، اس کی سرکوبی کے لئے سلطان نورالدین زنگیؒ نے عاضد عبیدی کی درخواست پر اپنے سپہ سالار ''شیرکوہ'' اور اس کے بھتیجے صلاح الدین ایوبی کو مصر روانہ کیا، یہ دونوں فتح یاب ہوئے اور عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی، عاضد عبیدی نے شیرکوہ سے خوش ہوکر اُسے مصر کا وزیراعظم مقرّر کردیا اور اس کے انتقال کے بعد ۵۶۵ھ میں صلاح الدین ایوبی کو وزیراعظم بنادیا۔ ان دونوں کا تعلق نورالدین زنگیؒ سے بھی بدستور باقی رہا، اس طرح شام اور مصر کی اسلامی حکومتیں متحد ہوگئیں۔ عاضد برائے نام مصر کا بادشاہ رہا مگر وہ شیرکوہ اور اس کے بعد صلاح الدین ایوبی سے اتنا خوش تھا کہ اُس نے اُمورِ حکومت سے لاتعلقی اختیار کرلی، اور مصر میں اقتدار عملاً صلاح الدین ایوبی کا قائم ہوگیا۔

دو سال بعد ۵۶۷ھ میں جب عاضد کا انتقال ہوا تو اس کے ساتھ ہی مصر سے باطنی حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا، اور ملکِ مصر پھر خلافتِ عباسیہ بغداد کی حدود میں داخل ہوگیا، اسی سال خلیفۂ بغداد نے صلاح الدین ایوبی کو مصر کی حکومت سپرد کرکے ''سلطان'' کا خطاب دیا۔[۱]

صلاح الدین ایوبی بحیثیت سلطان

سلطان صلاح الدین ایوبی حسبِ سابق سلطان نورالدین زنگیؒ کا پوری طرح وفادار رہا، اُس نے مصر سے نہ صرف عیسائی فوجوں کا صفایا کیا، بلکہ فرقۂ باطنیہ نے مصر میں اپنے دوسو سات ۲۰۷ سالہ دور میں ظلم و ستم، قتل و غارت گری، شورشوں، سازشوں اور بغاوتوں سے اور اسلام کے شرعی اَحکام میں ردّ و بدل کرکے ملک و ملت کو جو شدید نقصانات پہنچائے تھے، ان کی بھی تلافی کی، اور مصر کی اسلامی حکومت میں عدل و

---

(۱) تاریخ اسلام از نجیب آبادی ج:۳ ص ۳۳۰ تا ۳۳۳۔

انصاف، امن و امان اور شرعی احکام کو صحیح صورت میں نافذ کردیا۔[1]

سلطان صلاح الدین ایوبی کا یہ تاریخی کارنامہ بھی عظیم الشان ہے کہ ملکِ مصر جو دو سو سات سال تک خلافتِ اسلامیہ (عباسیہ) سے منقطع بلکہ اُس کا حریف بنا رہا تھا، اُسے دوبارہ خلافتِ عباسیہ کی حدود میں داخل کردیا۔

میں اپنے شام کے جس سفر کا یہ حال لکھ رہا ہوں، اس سفر کے تقریباً ۹ ماہ بعد (اپریل ۲۰۰۵ء میں) زندگی میں پہلی بار میرا مصر کا سفر ہوا تو قاہرہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا قلعہ بھی دیکھنے کا موقع ملا، جس کی کئی کلومیٹر میں پھیلی ہوئی پُرشکوہ فصلیں اور بُرج آج بھی اپنے مثالی حکمران کے دبدبے اور جاہ و جلال کی داستانیں سنا رہی ہیں۔

مصر و شام کی اسلامی حکومتوں کے اس اتحاد سے عیسائیوں میں کھلبلی مچ گئی، انہوں نے بیت المقدس پر اپنے قبضے کو بچانے کے لئے یورپ کے پادریوں اور حکمرانوں سے امداد طلب کی، چنانچہ اُن ملکوں میں پادریوں نے مسلمانوں کے خلاف ''جہاد'' کے وعظ کہنے شروع کردیئے، یورپ سے تازہ دم عیسائی فوجیں آ آکر شام کے ساحلی علاقوں پر اُترنا شروع ہوگئیں، اور ان کی آمد اور جارحیت کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔

اسی نازک دور میں سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کی ۵۶۹ھ میں وفات ہوگئی، صلاح الدین نے مصر سے دمشق آکر سلطان نورالدین کے بیٹے ملک صالح کو تخت نشین کرادیا، اسی سال یمن اور حجاز بھی صلاح الدین کی حکومت میں شامل ہوگئے، اس طرح مصر، شام، اُردن، لبنان، یمن اور حجاز بھی بغداد کی خلافتِ عباسیہ کے تحت متحد ہوگئے۔

یورپ کے عیسائیوں نے اپنی متفقہ طاقت سے شام و مصر پر حملہ کیا، اس کے

---

(۱) حوالۂ بالا ج:۳ ص:۳۳۱۔

مقابلے پر سلطان صلاح الدین ہی پہاڑ بن کر ڈٹ گیا تھا، دُوسری طرف فرقۂ باطنیہ ہی کی ایک شاخ جن کو "ملاحدۃ الموت" اور فدائیین کہا جاتا تھا وہ چھپ چھپ کر حملہ کرتے اور مسلمان اُمراء کو قتل کرنا ثواب جانتے تھے، اُنہوں نے ایک تہلکہ مچا رکھا تھا، اِن ظالموں نے سلطان صلاح الدین کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ناکام بنادی۔

ان حالات میں شام کے تمام سرداروں نے مل کر صلاح الدین کو مصر کے ساتھ ملکِ شام کا بھی باقاعدہ سلطان تسلیم کرلیا،[1] جس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد اب مسلمانوں کے قبلۂ اوّل کو آزاد کرانا تھا۔

فتحِ بیت المقدس کے لئے جنگیں

عیسائی اس پورے دور میں بیت المقدس کے علاوہ شام کے اُن علاقوں میں بھی اپنی مضبوط حکومتیں قائم کرچکے تھے جو اَب لبنان اور اُردُن میں شامل ہیں۔ سلطان صلاح الدین کو مسلمانوں کے قبلۂ اوّل کو آزاد کرانے کے لئے اِن سب سے پے درپے چودہ[۱۴] سال تک خوں ریز جنگیں لڑنی پڑیں۔

اسلامی غیرت وحمیت

ایک موقع پر "کرک" کے عیسائی حکمران "ریجی نالڈ" سے سلطان کو صلح کرنے کی نوبت بھی آئی، کرک کا یہ علاقہ اب اُردُن میں ہے، ریجی نالڈ نے بدعہدی کی، حاجیوں کا ایک قافلہ اُس نے اپنے علاقے سے گزرتے ہوئے لوٹ لیا اور قافلے کے لوگوں کو گرفتار کرلیا، سلطان نے اسے تنبیہ کی، ریجی نالڈ نے پروا نہ کی، اور قافلے کے لوگوں سے کہا:

> تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہو، اُس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آکر تمہیں چھڑالے۔

---

(۱) تاریخ اسلام از نجیب آبادی ج:۳ ص:۴۳۶۔

سلطان کو اس ناپاک جملے کی خبر پہنچی، اُس نے قسم کھا کر عہد کیا کہ اس بدعہد گستاخ کو اللہ نے چاہا تو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔

سلطان نے بلا تأخیر کرک اور اس کے پاس کے کئی شہروں اور علاقوں پر مختلف سمتوں سے حملے کئے، ہر جنگ میں عیسائی فوجوں کو بُری طرح شکست دیتا چلا گیا، اور ایک گھمسان کی جنگ میں یروشلم کے بادشاہ سمیت تمام بڑے بڑے حکمرانوں کو گرفتار کرلیا۔ یہ تمام معزّز قیدی سلطان کی خدمت میں پیش کئے گئے، سلطان نے ہر ایک کو اُس کے رُتبے کے مطابق جگہ دی، یروشلم کے بادشاہ کو اپنے پاس بٹھایا، ریجی نالڈ بھی پیش ہوا، سلطان نے اپنے ہاتھ سے اس گستاخ کا سر قلم کیا۔[۱]

فتحِ بیت المقدس

اس کے بعد عیسائیوں کے زیر قبضہ دیگر تمام علاقوں کو یکے بعد دیگرے فتح کرکے سلطان بیت المقدس کی طرف روانہ ہوا، یہ خبر سن کر مصر و شام کے تمام بڑے بڑے علماء اس مقدس جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے پہنچ گئے۔ سلطان نے ۱۵/رجب ۵۸۳ھ کو بیت المقدس کی فصیلوں کے باہر پڑاؤ ڈالا اور دُشمن سے کہلا بھیجا کہ میں یہاں خوں ریزی نہیں چاہتا، شہر میرے حوالے کردو اور معقول معاوضہ لے لو، مگر وہ تیار نہیں ہوئے، بالآخر خوں ریز جنگ ہوئی، اور سلطان شہر کی فصیل ایک طرف سے توڑنے میں کامیاب ہوگیا، عیسائی فوج ساٹھ ہزار یا اس سے زائد تھی،[۲] اُس نے یہ خوفناک منظر دیکھا تو ہمت ہار کر ہتھیار ڈال دیئے۔ جمعہ ۲۷/رجب ۵۸۳ھ کو لشکرِ اسلام بیت المقدس میں داخل ہوگیا۔[۳] ۴۹۰ھ سے ۵۸۳ھ تک ترانوے[۹۳] سال بیت المقدس عیسائیوں کے قبضے میں رہا۔

---

(۱) تاریخِ ملت ص: ۶۱۴ تا ۶۱۶۔

(۲) البدایة والنهایة ج: ۸ ص: ۴۷۳، ۴۷۴۔

(۳) حوالۂ بالا۔

عیسائیوں نے جب بیت المقدس کو مسلمانوں سے چھینا تھا تو مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہادی تھیں، ستر ہزار مسلمان صرف مسجدِ اقصیٰ میں شہید کئے تھے، جس میں ہزار ہا علماء، زاہدین اور عبادت گزار شامل تھے، مگر سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس مقدس شہر کو فتح کیا تو کسی عیسائی باشندے کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ سب کو فدیہ لے کر چھوڑنا طے ہوا، مگر امیر مظفر الدین نے سیکڑوں عیسائیوں کا فدیہ اپنی جیب سے ادا کیا، ملک العادل نے ایک ہزار عیسائیوں کا فدیہ اپنے پاس سے ادا کیا، پھر سلطان نے نہ صرف عام معافی دے دی بلکہ عیسائیوں کو اپنی فوج کی حفاظت میں دُور تک پہنچایا۔[1]

ایک اور صلیبی جنگِ عظیم

مسلمانوں کے قبلۂ اوّل کی آزادی کا حال سن کر تمام براعظم یورپ میں ایک حشر برپا ہوگیا، پاپائے رُوم نے ''مقدس جنگ'' کا اعلان کردیا، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور دُوسرے ملکوں کے چھوٹے بڑے نواب اور بادشاہ متفقہ طور پر براعظم ایشیا سے اسلام کا نام ونشان مٹانے کے لئے حملہ آور ہوئے۔ عیسائی افواج کا یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اس طوفانی انداز میں ملکِ شام کی طرف بڑھا کہ بظاہر براعظم ایشیا کی خیر نظر نہیں آتی تھی، مگر حیرت ہے کہ سلطان صلاح الدین نے اب مزید چار سال تک کئی سو لڑائیاں لڑکر اس بے پایاں لشکر کو خاک وخون میں لت پت کرکے چھوڑا اور بیت المقدس کی دیواروں تک نہیں پہنچنے دیا۔ آخر یہ ناکام ونامراد لشکر نہایت ذِلت کے ساتھ واپس ہوا، تاہم سلطان صلاح الدین نے عیسائیوں کو یہ رعایت پھر بھی عطا کردی کہ وہ اگر بیت المقدس میں محض زیارت کے لئے آئیں تو کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہوگی۔

---

(۱) تاریخِ ملت ج:۲ ص:۶۱۷ و تاریخ اسلام ج:۳ ص:۴۳۶۔

وفات

سلطان نے ستاون⁵⁷ سال کی عمر میں ۵۸۹ھ میں وفات پائی، چوبیس²⁴ سال حکومت کی، لیکن جب وفات ہوئی تو اس کی ملکیت میں صرف ایک دینار اور ۳۶ درہم تھے۔[1]

ایمان افروز اخلاق و عادات

سلطان کو درسِ حدیث حاصل کرنے کا بہت شوق تھا، جب موقع ملتا علماء کے درس میں حاضر ہوتا، ایک مرتبہ جبکہ اُس کی فوج دُشمن کے مقابلے پر صف آرا تھی، ایک محدث سے درخواست کرکے اپنی فوج کے دو صفوں کے درمیان گزرتے ہوئے کسی مسئلے کے بارے میں احادیثِ نبویہ کا ایک مجموعہ ان سے سنا۔[2]

تواضع اور انکساری ایسی تھی کہ پاس بیٹھنے والے کو بسااوقات پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ سلطان کے پاس بیٹھا ہے۔ زُہد و عبادت، شجاعت و سخاوت، عفو و درگزر، تقویٰ، جفاکشی اور صبر و برداشت کے واقعات بھی ایسے غیر معمولی اور ایمان افروز ہیں کہ اُس کا شمار اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔

اس عظیم فاتح حکمران کی سادگی اور اپنے خدّام کے ساتھ نرمی کا یہ حال تھا کہ خدّام اُس کے پاس بے تکلفی سے آکر اُسی کے گدّے پر بیٹھ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اُس کے ایک غلام نے آکر ایک تحریری درخواست پیش کی، اُس وقت سلطان نے اپنا دایاں ہاتھ گدّے پر آرام کے لئے پھیلایا ہوا تھا، غلام بے خبری میں اپنا پاؤں اُس کے ہاتھ پر رکھ کر برابر میں بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ اس درخواست پر منظوری لکھ دیجئے۔ سلطان خاموش رہا، جب غلام نے منظوری لکھنے کی بار بار درخواست کی تو سلطان نے

---

(۱) کتاب الروضتین ج:۴ ص:۲۲۰۔

(۲) ملاحظہ ہو علامہ مقریزیؒ کی کتاب "السلوک لمعرفة دول الملوک" ج:۱ ص:۳۲۸۔

صرف اتنا کہا: ''منظور ہاتھ سے لکھوں یا پاؤں سے؟'' مطلب یہ تھا کہ میرا دایاں ہاتھ تو تم نے اپنے پاؤں کے نیچے دبا رکھا ہے، منظوری کیسے لکھوں؟ غلام نے چونک کر اپنا پاؤں سلطان کے ہاتھ پر دیکھا تو سخت شرمندہ ہوا، مگر سلطان نے اُسے کچھ نہ کہا۔[۱]

ایک شخص نے سلطان پر ایک دعویٰ دائر کردیا، یہ دعویٰ بالکل غلط اور بے بنیاد ثابت ہوا، تو یہ شخص بہت شرمندہ ہوا اور پچھتانے لگا، مگر سلطان نے اُسے ایک خلعت (اعلیٰ درجے کا اعزازی لباس)، کچھ معقول رقم اور ایک خچر تحفے میں دے کر رُخصت کیا۔[۲]

ایک مرتبہ سلطان ایسا سخت بیمار ہوا کہ اُس کے پیٹ سے لے کر گھٹنوں تک پھوڑے ہی پھوڑے نکل آئے، بیٹھنے پر قدرت نہ رہی، جب خیمے میں ہوتا تو ایک کروٹ پر سہارا لے کر نیم دراز ہوجاتا، اس لئے کھانا کھانا بھی سخت مشکل ہوگیا، لیکن اس حالت میں بھی اُس کے اس معمول میں فرق نہ آیا کہ وہ روزانہ صبح سویرے گھوڑے پر سوار ہوکر نمازِ ظہر تک، اور عصر سے لے کر مغرب تک اپنے سرکاری اور جہادی مشاغل میں مشغول رہتا، اُس کے ساتھیوں کا بیان ہے کہ ہمیں اس پر تعجب ہوتا تھا کہ وہ ان پھوڑوں کی اکڑاہٹ اور درد کی لہروں کو کیسے برداشت کرتا ہوگا، مگر سلطان کا کہنا تھا کہ: ''جب میں گھوڑے پر سوار ہوجاتا ہوں تو اِن پھوڑوں کی تکلیف غائب ہوجاتی ہے، اور جب تک سواری سے نہ اُتروں یہ تکلیف میرے پاس نہیں آتی''۔[۳] یہ اللہ تعالیٰ کی اُس پر خاص عنایت تھی۔

آج جبکہ بیت المقدس کا یہ فاتح، دمشق میں آرام کی نیند سو رہا ہے تو کچھ ہی فاصلے پر وہی بیت المقدس جو اَب اَڑتیس[۳۸] سال سے یہودیوں کے قبضے میں ہے، پھر

---

(۱) شذرات الذهب ج:۴ ص:۲۹۸، ۲۹۹۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) كتاب الروضتين لأبي شامة ج:۴ ص:۲۳۱۔

کسی ''صلاح الدین'' کی راہ تک رہا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کے مزار سے انہی یادوں اور حسرتوں کے ساتھ واپسی ہوئی۔

قریب ہی جلیل القدر صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا مزار ہے، اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی حاضری کی سعادت نصیب فرمائی۔ یہ انصاری صحابی فقہائے صحابہ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، ان کی زاہدانہ زندگی معروف ہے، غزوۂ بدر کے دن مشرف باسلام ہوئے، اور غزوۂ اُحد میں اہم کارنامے انجام دیئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عُوَیمر[1] اچھے گھڑسوار ہیں'' اور فرمایا کہ:

هُوَ حَكِيمُ أُمَّتِي.

یعنی یہ میری اُمت کے حکیم ہیں۔[2]

چنانچہ ان کی دانشمندی، فقہ اور حکمت خاص طور سے مشہور ہے، غزوۂ اُحد کے بعد تمام جہادی معرکوں میں شریک رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو (مواخاۃ کے طور پر) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا بھائی بنادیا تھا۔[3]

فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کو شام کے عامل (گورنر) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کا قاضی مقرّر کردیا،[4] اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق سے باہر ہوتے تو یہ اُن کے قائم مقام بھی ہوتے تھے۔[5]

---

(۱) ان کا اصل نام عُوَیمر ہی ہے، ''ابوالدرداء'' کنیت ہے، (الاصابة فی تمیز الصحابة ج:۴ ص:۶۲۱)۔

(۲) حوالۂ بالا ج:۴ ص:۶۲۲۔

(۳) الاستیعاب لابن عبدالبر ج:۴ ص:۶۴۶۔

(۴) الاصابۃ ج:۴ ص:۶۲۲۔

(۵) الاستیعاب ج:۴ ص:۶۴۷۔

علم اور فقہ میں اِن کا مقام

جلیل القدر صحابہ کرامؓ علم اور فقہ میں ان کے ممتاز مقام کے قائل تھے، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ جن کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفوظ حدیثیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ تھیں، وہ فرماتے تھے کہ:

ہمیں دو باعمل علماء کی باتیں سنایا کرو، معاذ رضی اللہ عنہ کی اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی۔ (۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی شام ہی میں آکر مقیم ہوگئے تھے، اُردُن میں ان کا مزار ہے، اُن سے وفات کے وقت درخواست کی گئی کہ ہمیں کچھ وصیت فرمادیجئے تو خود حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وصیت یہ فرمائی کہ:

التمسوا العلم عند عُویمر أبی الدرداء فانّهٗ من الذین أُتُوا العلم.

"علم ابو الدرداءؓ سے حاصل کیا کرو، کیونکہ یہ اُن لوگوں میں سے ہیں جن کو علم ملا ہے"۔ (۲)

چنانچہ بہت سے جلیل القدر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے اِن سے احادیث حاصل کیں اور آگے روایت کی ہیں۔ (۳)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کا ذکر فرمایا جو آخرت میں پل صراط سے پار ہونے کے بعد حوضِ کوثر پر آئیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حوضِ کوثر کا پانی پلانا چاہیں گے مگر ان کے بعض اعمال کی وجہ سے انہیں وہاں سے ہٹادیا جائے گا، تو یہ سن کر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یارسول اللہ:

---

(۱) الاستیعاب ج:۴ ص:۶۴۷۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) أسد الغابۃ ج:۴ ص:۳۴۰، والاصابۃ ج:۴ ص:۶۲۲۔

اُدْعُ اللّٰہَ أَلَّا یَجْعَلْنِیْ مِنْھُمْ.

''آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا فرما دیجئے کہ میں اُن لوگوں میں سے نہ ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی کہ: ''لَسْتَ مِنْھُمْ'' تم ان میں سے نہیں ہو۔[۱]

آپؓ کے حکیمانہ ارشادات

آپؓ کے حکیمانہ ارشادات کو محدثین نے اِن کے حالات میں خاص طور پر ذکر کیا ہے،[۲] اُن میں سے ایک یہ ہے کہ:

جو شخص حاکم کے دروازوں پر جاتا ہے وہ کبھی کھڑا ہوتا ہے، کبھی بیٹھتا ہے۔

(یعنی اُس کی عزّت اور وقعت نہیں رہتی، اُسے انتظار میں کبھی کھڑے رہنا پڑتا ہے، کبھی بیٹھنا پڑتا ہے)۔

نیز فرمایا:

دُنیا کدورت کا گھر ہے (اس میں کوئی خوشی یا راحت و لذّت خالص نہیں ہوتی)۔ اس کے دھوکے سے صرف وہی لوگ بچتے ہیں جو چوکنے رہتے ہیں۔

اس میں اللہ نے اپنی قدرت کی نشانیاں رکھی ہیں، جاہل اُن کو سنتے ہیں مگر علم والے اُن سے سبق حاصل کرتے ہیں۔

ان نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ نے دُنیا کو دھوکے میں ڈالنے والی چیزوں سے گھیر رکھا ہے، خواہشات کی اندھی پیروی کرنے والے اُن میں دھنستے چلے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں

---

(۱) الاستیعاب ج:۳ ص:۱۲۲۹۔

(۲) الاستیعاب ج:۳ ص:۱۲۲۹، ۱۲۳۰۔

اُن پر آفتیں آتی ہیں، اور نصیحت حاصل کرنے والے اُن سے عبرت پکڑتے ہیں۔

دُنیا کی حلال چیزوں کو اللہ نے محنت اور ذمہ داریوں سے مربوط رکھا ہے، اور حرام کاموں کو بُرے نتائج سے۔

یہاں زیادہ مال دار تھک جاتا ہے، اور فقیر (دُوسری قسم کی) تکلیف میں رہتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا گزر ایک شخص پر ہوا جس سے کوئی گناہ ہوگیا تھا، لوگ اُسے گالیاں دے رہے تھے، آپؓ نے ان سے فرمایا: ''بتاؤ اگر تم اسے کنویں میں گرا ہوا دیکھتے تو کیا تم اُسے نہ نکالتے؟'' لوگوں نے جواب دیا: ضرور نکالتے۔

فرمایا: ''پھر تو اپنے اس بھائی کو گالیاں مت دو، بلکہ اللہ کا شکر کرو کہ اُس نے تمہیں اس گناہ سے بچا رکھا ہے۔''

لوگوں نے کہا: ''تو کیا ہم اسے بُرا بھی نہیں سمجھیں؟''

فرمایا: ''میں تو بس اس کے عمل کو بُرا سمجھتا ہوں، اب اس نے وہ گناہ چھوڑ دیا ہے تو یہ میرا بھائی ہے۔''(۱)

زاہدانہ زندگی

دمشق میں ان کا زیادہ وقت درس و تدریس، اَحکامِ شریعت کی تلقین اور عبادت میں گزرتا تھا، شام کی شان و شوکت اور پُر تکلف طرزِ زندگی کا کوئی رنگ و روغن آپؓ کی سادگی اور زاہدانہ زندگی کو متاثر نہ کرسکا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا سفر کیا تو ان کے گھر بھی تشریف لے گئے، یہاں شان و شوکت اور زینت و آرائش

---

(۱) أسد الغابۃ ج:۴ ص:۳۴۰ و ۳۴۱۔

تو ایک طرف، گھر میں چراغ تک نہ تھا، دمشق کا قاضی اور قائم مقام گورنر ایک کمبل اوڑھے پڑا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھی تو آنکھوں میں آنسو آگئے، اس بے سروسامانی کی وجہ پوچھی تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: ''دُنیا میں مسافر کی طرح رہو'' ہمیں دُنیا میں اتنا ہی سامان رکھنا چاہئے جتنا ایک مسافر کو درکار ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمارے حالات کیا سے کیا ہوگئے'' اس جملے کا یہ اثر ہوا کہ دونوں نے روتے روتے صبح کردی۔(۱)

وفات

دمشق ہی میں آپ کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۳۲ھ میں ہوئی،(۲) موت کے وقت آپ رونے لگے، بیوی نے کہا: صحابیٔ رسول ہیں، کیا آپ بھی رو رہے ہیں؟ فرمایا: ''کیوں نہ روؤں جبکہ اپنے گناہوں کی وجہ سے مجھے اپنا انجام معلوم نہیں۔''

اسی حالت میں اپنے صاحبزادے بلال کو مخاطب کرکے فرمایا:

''اب جو وقت مجھ پر آیا ہوا ہے، اس وقت جو حالت میری ہے، اسے یاد رکھنا، اور اپنے اُوپر آنے والے ایسے ہی وقت اور ایسی ہی حالت کے لئے عمل کرتے رہنا۔''

بیوی نے کہا: ''کیا آپ نے ہمیں نہیں بتایا تھا کہ آپ موت کو پسند کرتے ہیں؟'' آپؓ نے قسم کھا کر فرمایا: ''ہاں میں نے ضرور کہا تھا، مگر اب موت کا یقین ہوگیا تو دِل ڈر رہا ہے'' پھر رونے لگے، اور فرمایا: ''یہ دُنیا میں میرا آخری وقت ہے، مجھے ''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہ'' یاد دِلاتے رہو'' بالآخر کلمۂ طیبہ کا وِرد کرتے کرتے رُخصت

---

(۱) سِیَرُ الصحابۃ ج:۳ ص:۱۷۳، بحوالہ کنز العمال ج:۷ ص:۸۷۔

(۲) اُسد الغابۃ ج:۴ ص:۳۴۱، والاصابۃ ج:۴ ص:۶۲۲۔

ہوگئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔[1]

ان مزارات سے دِل کی ناقابلِ بیان کیفیات کے ساتھ رُخصت ہوئے تو عشاء کا وقت قریب تھا، نمازِ عشاء کے بعد کھانے کی ایک ضیافت میں جانا تھا، رہائش گاہ پہنچتے ہی نماز باجماعت ادا کرکے وہاں کے لئے روانہ ہوئے۔

مِزّہ کی بستی

دو رویہ کشادہ سڑک پر خاصی دیر تک چلتے چلتے گاڑی ایک سرسبز و شاداب علاقے میں داخل ہوئی، بتایا گیا کہ یہ ''مِزّہ'' ہے۔ اب تو یہ شہر دمشق ہی کا ایک محلّہ ہے، مگر کبھی یہ شہر سے باہر باغات سے گھرا ہوا ایک مستقل قصبہ تھا، اور اپنی دِلکشی و رعنائی میں مشہور تھا، اس قصبے میں مشہور شخصیات کی سکونت رہی ہے، فقہِ شافعی کے مشہور امامِ حدیث حافظ جمال الدین المزّی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت تو اگرچہ شام کے مشہور شہر ''حَلَب'' میں ہوئی تھی، مگر وہ یہیں آکر آباد ہوگئے تھے، اور اسی وجہ سے ''المزّی'' کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ علامہ حافظ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے رفیقِ خاص تھے، فنِ اسماء الرجال پر ان کی تصنیف ''تھذیب الکمال'' مشہور و معروف ہے۔

مِزّہ کی ایک خوش نصیبی یہ ہے کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ''دِحیۃ کلبی'' رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔[2] یہ اتنے حسین و جمیل تھے کہ حضرت جبریلِ امین علیہ السلام جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انسانی شکل میں آتے تو عموماً حضرت دحیۃ کلبی کی صورت میں ہوتے تھے۔

رات کا وقت تھا اور جس ضیافت میں پہنچنا تھا وہاں میزبان ہمارے منتظر تھے، اس لئے حضرت دحیۃ کلبی رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری کی حسرت ہی رہی۔

---

(۱) أسد الغابۃ ج:۴ ص:۳۴۰ و ۳۴۱۔

(۲) معجم البلدان ج:۵ ص:۱۲۲، و مقدمہ ''تھذیب الکمال'' ج:۱ ص:۱۳ تا ۳۶، و تذکرۃ الحفاظ للذھبیؒ ج:۴ ص:۱۴۹۸۔

''مِزّہ'' کی ایک محفل میں

اسی مزّہ کے علاقے میں گاڑی کچھ دُور چل کر ایک بہت بڑے سرسبز و شاداب خوبصورت پارک میں داخل ہوگئی، میزبان خیرمقدم کے لئے کھڑے تھے، سب نہایت محبت سے اور شامی روایات کے عین مطابق پُرجوش مسرّت سے ملے، اس جگہ کا نام ''خان الشیخ'' ہے۔

اس محفل میں دمشق کی چیدہ چیدہ شخصیات کو جمع کرکے ''مَولِدُ شریف'' کے نام سے ملّی اور دِینی موضوعات پر علمائے کرام کے مختصر مختصر اصلاحی بیانات کا اہتمام کیا گیا تھا، کشادہ لان میں میزیں مناسب فاصلوں سے بچھی تھیں، ان کے گرد بیٹھے ہوئے مہمانوں کی تعداد سو کے لگ بھگ ہوگی۔

ہمارے پہنچتے ہی تقریب کا آغاز تلاوتِ قرآنِ کریم سے ہوا، پھر اس تقریب کے اصل میزبان جناب ''عدنان ابوشعر'' مائیک پر آئے، سرخ و سفید رنگ، کشادہ پیشانی، معتدل جسامت اور باوقار قد و قامت، انہوں نے مہمانوں سے مختصر خیر مقدمی خطاب جس محبت، انکساری، باوقار اور پُرمسرّت انداز میں کیا، اور ڈُھلی ہوئی خالص عربی زبان کی مثالی فصاحت و بلاغت میں اپنے جن ایمانی جذبات کا اظہار کیا، اُن سے کوئی بھی شخص متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ظاہری وضع قطع اگرچہ بالکل مغربی تہذیب میں ڈھلی ہوئی تھی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت اور دِینی جذبات ان کے دِل کی گہرائیوں سے، الفاظ کی شکل میں، اُبلتے محسوس ہو رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ شام کے مشہور تاجر اور صنعت کار ہیں، اور جس باغ میں یہ تقریب منعقد ہو رہی ہے یہ بھی انہی کا ہے۔ سابق صدر شام کے دورِ حکومت میں جیل میں قید کی صعوبتیں بھی جھیل چکے ہیں۔

ان کے بعد ایک نوجوان نے جو عربی جُبّہ اور ٹوپی پہنے ہوئے تھے، اور

چھوٹی سی داڑھی بھی محض علامتی انداز میں چہرے پر تھی، عربی زبان میں نعت کے چند اشعار ترنُّم سے پڑھے، ایک عالمِ دِین کا مختصر، مؤثر خطاب ہوا، پھر اُسی نوجوان نے کچھ نعتیہ اشعار پڑھے اور ایک اور عالمِ دِین نے خطاب کیا، یہ سلسلہ کافی دیر تک اسی طرح چلتا رہا کہ ہر بیان کے بعد کچھ نعتیہ اشعار ہوتے پھر کسی عالمِ دِین کا خطاب، یہ محفل ایسی پُرکیف اور ایمان افروز تھی کہ دن بھر کی تھکن کا احساس جو کچھ دیر پہلے ہونے لگا تھا، بالکل جاتا رہا۔

عدنان صاحب نے پاس آکر اِلتجاء کے انداز میں مجھ سے بھی خطاب کی فرمائش کی، لیکن میں ذہنی طور پر اس کے لئے تیار بھی نہیں تھا، اور کچھ مصلحت بھی نظر نہ آئی، اس لئے معذرت کرلی۔

اس کے بعد لذیذ شامی کھانوں اور بعد ازاں ملاقاتوں کا دِلچسپ سلسلہ جاری رہا، بارہ بجے کے قریب یہاں سے واپسی ہوئی۔

آج دن بھر کے اکثر پروگراموں میں ادھیڑ عمر کے ایک میزبان جناب ''خالد ابوحطب'' والہانہ محبت اور جذبۂ خدمت کے ساتھ شریک رہے تھے، یہاں ان کے مشاغل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حاجیوں اور رمضان میں عمرہ کرنے والوں کے گروپ حرمین شریفین لے کر جایا کرتے ہیں۔ رہائش دمشق شہر سے باہر ایک خوبصورت قصبے ''اِشرافیۃ الوادی'' میں ہے، ہمارے اُردُن کے رفقائے سفر جناب حسن یوسف اور عصام صاحب نے گزشتہ رات انہی کے مکان پر گزاری تھی، آج اِن کے اِصرار پر ہم نے بھی انہی کے یہاں قیام کا وعدہ، اپنے میزبان ''شیخ غسّان'' سے اجازت لے کر، کرلیا تھا، چنانچہ شیخ غسّان کے مکان سے اہلیہ کو ساتھ لے کر ان کی گاڑی میں روانہ ہوئے، اُردُنی رفقائے سفر کی گاڑی بھی ساتھ تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے تک گاڑی ''جبل قاسیون'' کی اندرونی بلندیوں میں دائیں بائیں مڑتی اور چڑھتی اُترتی رہی یہاں تک کہ تقریباً ڈیڑھ بجے اشرافیۃ الوادی

پہنچ گئے، خالد صاحب کے تین چھوٹے بنگلے ایک ہی احاطے میں ہیں، ان میں سے درمیان کا بنگلہ ہمارے لئے اور ایک بنگلہ ہمارے اُردنی ساتھیوں کے لئے تیار کیا ہوا تھا، خود تیسرے بنگلے میں تھے، دن بھر کے مسلسل پروگراموں سے خاصی تھکن ہوگئی تھی، بحمداللہ لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔

جمعرات ۲۹/ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ - ۱۶/جون ۲۰۰۴ء

صبح کی نماز اور معمولات کے بعد دوبارہ سونا پڑا کیونکہ رات میں نیند کا وقت کم ہی ملا تھا، دس بجے کے بعد ناشتے اور دوپہر کے کھانے سے ایک ساتھ ہی فارغ ہوگئے، کیونکہ آج دمشق میں پے در پے کئی پروگرام تھے، جن میں دوپہر کے کھانے کا وقت نکالنا ممکن نہ تھا۔

نہر ''بَرَدیٰ'' کے کنارے

گیارہ بجے کے قریب شیخ وائل بھی آگئے، خواتین یہیں رہیں اور ہم دو گاڑیوں میں دمشق روانہ ہونے لگے تو میزبان خالد صاحب ہمیں یہ قصبہ اور گھر کے برابر ہی سے گزرتا ہوا دریا ''نہر بَرَدیٰ'' دِکھانے لے گئے۔ یہ یہاں کا مشہور، خوبصورت دریا ہے۔ رات میں تو نظر نہ آیا تھا، اب دیکھا تو پتہ چلا کہ خالد صاحب کے مکانات جن میں ہمارا قیام ہے، اسی دریا کی ایک شاخ کے کنارے پر واقع ہیں۔

یہ دریا اُوپر کے پہاڑوں سے نکل کر یہاں سے گزرتا ہوا دمشق کی طرف اُترا ہے، اور دمشق کے حسین ترین علاقے ''غوطہ'' کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوا آگے نکل گیا ہے، علامہ حمویؒ نے اسے دمشق کا سب سے عظیم دریا قرار دیا ہے۔[1] حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جو شاعر بھی تھے اور ان کو اَشعار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے داد اور دُعا بھی خوب ملتی تھی، انہوں نے شام فتح ہوجانے کے بعد اس دریا کی تعریف میں

---

(۱) معجم البلدان ج:۱ ص:۳۷۸۔

بھی اَشعار کہے ہیں۔[1] علامہ حمویؒ اس دریا کی تعریف کرتے ہوئے مزید کہتے ہیں کہ:

> شعراء نے اس کی تعریف میں بہت اَشعار کہے، اور بجا طور پر کہے ہیں، کیونکہ یہ دریا بلاشبہ دُنیا کا سب سے زیادہ پاک صاف، پُرفضا اور قابلِ تفریح دریا ہے۔

علامہ حافظ ابنِ عساکرؒ اپنی کتاب "تاریخ مدینة دمشق" میں فرماتے ہیں[2] کہ: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوارین بارہ تھے، وہ دمشق میں عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نہر بَردیٰ کے پاس ہی رہتے تھے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا گھر بھی اسی دریا کے کنارے پر تھا۔ مگر وقت کی کمی کے باعث ہم اس دریا کو اطمینان سے نہ دیکھ سکے۔

یہاں سے دمشق کی طرف روانہ ہوئے تو سارا راستہ خوبصورت، سرسبز و شاداب پہاڑی مناظر سے پُر تھا، اب ہم ''جبلِ قاسیون'' کی سطحِ مرتفع سے اُتر رہے تھے، گزشتہ کل جتنا دمشق کے قدرتی مناظر کو دیکھا تھا، آج ''جبلِ قاسیون'' کے اندرونی علاقوں کو جوں جوں دیکھ رہے تھے ان کی دِلکشی و رعنائی دِل میں اُترتی جارہی تھی، اور دمشق اور قاسیون کے بارے میں وہ تأثر بالکل زائل ہوچکا تھا جو حدودِ شام میں داخل ہوکر دُور سے ان کو دیکھ کر قائم ہوا تھا۔ بلاشبہ دمشق کے قدرتی مناظر اتنے ہی خوبصورت ہیں جتنے کتابوں میں پڑھے تھے، قاسیون اس سے زیادہ حسین ہے جتنا کہ سوچا تھا۔

جبلِ قاسیون

جس طرح ''مارگلہ'' پہاڑ نے ہمارے اسلام آباد کا حسن و جمال کہیں سے کہیں پہنچادیا ہے، اسی طرح ''قاسیون'' کے دامن میں پھیلا ہوا شہر دمشق اپنے حسن و

---

(۱) الروض المعطار ص:۸۹۔

(۲) ج:۶۸ ص:۵۵، یہ کتاب اَسّی جلدوں میں ہے۔

جمال میں قاسیون کا مرہونِ منّت ہے۔ لیکن اسلام آباد سے مارگلہ جتنا سرسبز اور اُونچا نظر آتا ہے قاسیون ایسا دمشق سے نظر نہیں آتا، البتہ جوں جوں گاڑی اس کی بل کھاتی سڑک پر اندر کی طرف بڑھتی جاتی ہے اس کی بلندی میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور سرسبزی و شادابی میں بھی، سڑک کے دائیں بائیں اُونچی نیچی ڈھلانوں پر لہلہاتے کھیت اور باغات ہیں، اور فاصلے فاصلے سے چھوٹی بڑی آبادیاں۔

ہابیل اور قابیل کا واقعہ

''قاسیون'' کے اس خوبصورت پہاڑی سلسلے کے ساتھ انسانی تاریخ کی بہت عظیم شخصیات اور بہت سے مشہور ترین واقعات وابستہ ہیں۔ مشہور تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا میں اُتارے جانے کے بعد حضرت آدم و حوّا علیہما السلام کا مسکن یہی ''جبلِ قاسیون'' تھا، اور تاریخِ انسانی کے سب سے پہلے قتل کا جرم جو آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے کیا تھا اور جس کا واقعہ قرآنِ حکیم نے بیان کیا ہے،[۱] وہ بھی قاسیون ہی میں ہوا تھا۔[۲] کسی انسان کی یہ سب سے پہلی موت تھی، اور ہابیل کی لاش کسی انسان کی سب سے پہلی لاش، اُس وقت تک انسان کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ لاش کو کس طرح ٹھکانے لگانا چاہئے؟ جیسا کہ قرآنِ حکیم نے بتایا: اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیج دیا جو دُوسرے کوّے کی لاش اُٹھائے ہوئے تھا، اُس نے (اپنی چونچ اور پنجوں سے) زمین کھود کر مردہ کوّے کو اُس میں چھپادیا۔[۳] قابیل نے کوّے کے عمل سے یہ سبق سیکھا اور مقتول بھائی ہابیل کو زمین میں دفن کردیا۔ اس طرح کسی انسان کی سب سے پہلی قبر بھی ''قاسیون'' ہی میں بنی۔

---

(۱) سورۃ المائدۃ: ۲۷ تا ۳۰۔

(۲) دیکھئے علامہ حافظ ابنِ عساکرؒ کی کتاب ''تاریخ مدینة دمشق'' ج:۲ ص:۳۲۹، وص:۳۳۱ تا ص:۳۳۸، وتفسیر رُوح المعانی ج:۶ ص:۱۱۱ تا ۱۱۵، ومعجم البلدان ج:۳ ص:۴۶۴۔

(۳) سورۃ المائدۃ: ۳۱۔

مشہور محدّث حافظ ابنِ عساکرؒ نے دمشق کی تاریخ جو اَسّی[۸۰] جلدوں میں لکھی ہے، اُس میں انہوں نے بہت سی تاریخی روایات نقل کی ہیں جو بتاتی ہیں کہ اسی جبلِ قاسیون میں ایک بڑا غار ہے جسے "مَغَارَةُ الدَّم" (خون والا غار) کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ قتل کا واقعہ اُس سے کچھ اُوپر ہوا تھا، اور بہت ہی عجیب بات یہ ہے کہ حضرت معاویہ بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما کے زمانے تک بھی وہاں خون کے واضح نشانات موجود تھے، مشہور تھا اور حضرت کعب احبار نے بھی لوگوں کو بتایا تھا کہ:

> یہ پہاڑ میں چمکتی ہوئی سرخی ہابیل کے خون کا نشان ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے (مظلوم، متقی، پرہیزگار) ہابیل کی نشانی کے طور پر اب تک محفوظ رکھا ہے۔[1]

اس کے بارے میں تاریخ وجغرافیہ کے مشہور ماہر علامہ یاقوت حمویؒ (متوفی ۶۲۶ھ مطابق ۱۲۲۹ء) کا بیان ہے کہ:

> جبلِ قاسیون میں ایک غار ہے، جو "مغـارَة الدَّم" (خون والا غار) کے نام سے معروف ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کے اُوپر قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا، وہاں خون جیسی کوئی چیز ہے، لوگ کہتے ہیں یہ اُسی کا خون ہے جو اَب تک باقی ہے، وہ خشک ہے، اور ایک (بڑا) پتھر (چٹان[2] کی طرح کا) وہاں پڑا ہوا ہے، لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ وہی پتھر ہے جس سے قابیل نے ہابیل کا سر پھاڑا تھا۔[3]

---

(۱) ملاحظہ ہو علامہ حافظ ابنِ عساکرؒ کی مذکورہ بالا کتاب "تاریخ مدینة دمشق" ج:۲ ص:۳۲۹ و ص:۳۳۱ تا ۳۳۸۔

(۲) رُوح المعانی ج:۶ ص:۱۱۴۔

(۳) دیکھئے: علامہ یاقوت حمویؒ کی مشہور کتاب "معجم البلدان" ج:۵ ص:۵۹۵، ۵۹۶۔

بلکہ ایک اور جگہ خود اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں، حالانکہ یہ ساتویں صدی ہجری کے مصنف ہیں، فرماتے ہیں کہ:

میں نے وہاں ایک پتھر (چٹان[1] کی طرح کا) کا دیکھا، جس پر خون جیسی کوئی چیز ہے، اہلِ شام کا کہنا ہے کہ یہ وہی پتھر (چٹان) ہے جس سے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا، اور اس پر جو سرخی ہے وہ ہابیل کے خون کا اثر ہے۔[2]

حضرت الیاس علیہ السلام کی پناہ گاہ

حافظ ابنِ عساکرؒ کے بیان کے مطابق حضرت الیاس علیہ السلام اپنے زمانے کے کافر و ظالم بادشاہ سے چھپ کر اسی غار میں دس سال تک پناہ گزین رہے، پھر اس کی ہلاکت کے بعد جو بادشاہ برسرِ اقتدار آیا، الیاس علیہ السلام نے آکر اُسے اسلام کی دعوت دی، وہ مشرف باسلام ہوگیا، اور اس کی قوم بھی سوائے دس ہزار افراد کے سب کی سب ایمان لے آئی۔[1]

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مسکن

حافظ ابنِ عساکرؒ نے سند سے نقل کیا ہے کہ:

قاسیون پہاڑ میں جس جگہ خون (کا نشان) ہے (یعنی مذکورہ بالا غار) وہ بہت عظیم مقام ہے، یحییٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ اس مقام پر چالیس سال رہائش پذیر رہے ہیں، اور اس میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریین نے نماز پڑھی ہے۔[4]

---

(۱) روح المعانی ج:۶ ص:۱۱۴۔

(۲) معجم البلدان ج:۳ ص:۴۶۴۔

(۳و۴) تاریخ مدینۃ دمشق ج:۲ ص:۳۳۶۔

انہی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رہائش گاہ بھی اسی پہاڑ قاسیون میں کسی جگہ تھی۔[۱]

حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام کی رہائش گاہ

قرآنِ حکیم نے حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ مریم علیہما السلام کی رہائش گاہ اس طرح بیان کی ہے:

وَاٰوَيْنَاهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ.[۲]

"اور ہم نے عیسیٰ اور ان کی والدہ کو ایک ایسے ٹیلے پر ٹھکانا دیا
جہاں رہائش کا موقع تھا اور پانی جاری تھا۔"

بعض تفسیری روایات میں اس ٹیلے کا محلِ وقوع فلسطین کا "الرملة" اور بعض میں "مصر" بیان کیا گیا ہے۔ لیکن تفسیر رُوح المعانی میں سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اس سے مراد "دمشق" ہے، اور ایک روایت میں "غُـوطة"[۳] بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ناچیز کا خیال ہے کہ ان آخری دو روایتوں میں کوئی تضاد نہیں، اس لئے کہ پیچھے آپ دیکھ چکے ہیں کہ "غوطہ" بھی دراصل دمشق ہی کا مضافاتی حصہ ہے، اور حافظ ابنِ عساکرؒ کا بیان جو پیچھے آیا ہے کہ "عیسیٰ علیہما لسلام کے حواریّین بارہ تھے اور وہ دمشق میں عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ "نہر بَردیٰ" کے کنارے رہتے تھے" اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جگہ غوطہ میں تھی، کیونکہ "نہر بَردیٰ" غوطہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہوئی آگے گئی ہے، اور ٹیلے شہر دمشق میں نہیں بلکہ غوطہ میں ہیں جو جبلِ قاسیون کا ابتدائی حصہ ہے۔

---

(۱) تاریخ مدینة دمشق ج:۲ ص:۳۳۸۔ (۲) سورۃ المؤمنون آیت:۵۰۔

(۳) دیکھئے اسی آیت کے تحت تفسیر ابن کثیرؒ ج:۴ ص:۴۷۸، وتفسیر رُوح المعانی ج:۱۸ ص:۳۸، ۳۹، وتفسیر مظہری ج:۶ ص:۳۸۴۔

پھر شہر دمشق میں

''قاسیون'' سے اُتر کر پھر شہر دمشق میں داخل ہوئے، یہ شہر دُنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے، بلکہ کہا جاتا ہے کہ قدیم ترین شہروں میں سے یہ دُنیا کا واحد شہر ہے جو اَب تک آباد ہے۔ جب اسلام دُنیا میں آیا تو یہاں رُومیوں کی حکومت تھی، فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جلیل القدر صحابی حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں فتح ہوا، پورا ملکِ شام اسلامی خلافت کا ایک صوبہ قرار پایا، اور دمشق اس صوبے کا دار الحکومت۔

اس شہر کے مضافاتی علاقوں کے قدرتی حسن و جمال کا اندازہ تو آپ پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں، لیکن اس کی تعمیرات میں وہ خوبصورتی نہیں جو اُردُن کے شہروں میں نظر آتی ہے، پُرانے گنجان محلے تو ایک طرف، اس کے نئے تعمیر شدہ علاقوں میں بھی کوئی قابلِ ذکر نئی بات نظر نہیں آتی، قدیم عمارتوں کا رنگ اپنی قدامت یا بوسیدگی کے باعث اگر سیاہی مائل ہے تو یہ بھی ایک قابلِ فہم بات ہے، مگر تعجب ہوتا ہے کہ جو عمارتیں بہت زیادہ پُرانی نہیں اور اسی زمانے کی ہیں اُن میں سے بھی بہت سی عمارتوں کا رنگ سیاہی مائل یا اس سے ملتا جلتا نظر آتا ہے۔

تاہم سڑکوں کا معیار تقریباً اُردُن جیسا ہی ہے، مسجدیں بھی آباد ہیں، مغربی لباس کا رواج یہاں زیادہ نظر آیا، مردوں میں داڑھی اور خواتین میں پردے کا رواج کم ہے، تبلیغی جماعت کا کام یہاں نظر نہیں آتا، لوگ دبے لفظوں میں یا ڈرتے ڈرتے اشارۃً بتاتے ہیں کہ یہاں تبلیغی جماعت پر پابندی ہے۔ ماضی میں یہاں علمائے کرام اور اُن سے تعلق رکھنے والے بہت سے مسلمانوں پر انتہائی شدید مظالم ڈھائے گئے، انہیں قتل کیا گیا، جیلوں میں ٹھونسا گیا اور جلاوطن کیا گیا، البتہ موجودہ صدرِ حکومت کے دور میں کچھ نرمی شروع ہوئی ہے۔

مگر ان تمام رُکاوٹوں کے باوجود بحمد اللہ علمائے حق، نرمی اور حکمت سے دین کا کام کر رہے ہیں، تعلیم و تصنیف کے میدان میں بھی اور وعظ و نصیحت کے راستے سے بھی، اسی کا نتیجہ ہے کہ یہاں لوگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا ایسا والہانہ انداز نظر آتا ہے جو دُوسرے مقامات پر اتنی عمومیت کے ساتھ نظر نہیں آتا، اسلامی آدابِ معاشرت، اور اسلامی اخلاق کا رواج جس بڑے پیمانے پر یہاں نظر آیا کسی اور مسلم ملک میں ایسا نظر نہیں آتا۔ یہاں کے لوگوں میں ایمان کی پختگی قابلِ تحسین ہے، بلکہ بہت سوں میں تو قابلِ رشک ہے۔

کچھ ملاقاتیں

آج شہر میں داخل ہوئے تو دوپہر کا وقت ہو رہا تھا، میزبانوں نے ہمارے شام آنے سے پہلے ہی مجھ سے پوچھے بغیر شام کے وزیر مذہبی اُمور سے میری ملاقات کا وقت طے کیا ہوا تھا، اور شام پہنچتے ہی اس کی منظوری مجھ سے لے چکے تھے۔ وزارت کی عمارت میں بارہ بجے دوپہر ان کے دفتر میں ملاقات ہوئی، بہت تپاک اور اعزاز و اکرام سے پیش آئے۔ مختلف اُمور پر تبادلۂ خیال ہوا، آج کے مقامی اخبارات میں میری مفتیٔ اعظم جمہوریہ سے ملاقات کی خبر بہت نمایاں انداز میں چھپی تھی، اس ملاقات کے حوالے سے بھی انہوں نے میرے تأثرات معلوم کئے، آخر میں کہنے لگے:

"مجھے پاکستان دیکھنے کا موقع نہیں ملا، مگر پاکستان کے سابق وزیر مذہبی اُمور جناب محمود احمد غازی سے ایک بین الاقوامی کانفرنس میں ملاقات ہوئی تھی، پاکستان کی بہت تعریف سنی ہے، موقع ملا تو پاکستان ضرور آؤں گا۔"

میں نے ان کو جامعہ دار العلوم کراچی کی طرف سے پیشکش کی کہ شام کے جو طلبہ ہمارے یہاں اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے آنا چاہیں تو ہم ان کا خیر مقدم کریں گے، ہم ان کو اسکالرشپ دینے کے لئے تیار ہیں۔ موصوف نے اس پر مسرّت کا اظہار کیا،

شکریہ ادا کیا اور کہا کہ: "ہمارے جو طلبہ آپ کے جامعہ میں داخلہ لینے کے لئے جانا چاہیں گے، ہم ان کے ساتھ پورا تعاون کریں گے۔" واپسی پر ناچیز کو قرآنِ کریم کا ایک نسخہ تحفے میں پیش کیا۔

یہاں سے فارغ ہو کر ایک مسجد میں ظہر کی نماز ادا کی، شیخ وائل نے بتایا کہ قریب ہی اُس خیاط (درزی) کی دُکان ہے جس کے یہاں مفتیٔ جمہوریہ نے آپ کے لئے شامی عمامہ اور شامی جُبّہ تیار کرنے کا آرڈر دیا ہوا ہے، وہ آپ کا ناپ لینا چاہتا ہے، چنانچہ نماز کے بعد یہ کام بھی ہو گیا۔

میزبانوں نے آج ۲ بجے سہ پہر کا وقت پاکستانی قونصل جنرل (یا ناظم الامور) جنابِ منظور الحق سے ملاقات کا بھی طے کیا ہوا تھا۔ قونصل خانہ ایک بنگلے میں ہے، مختصر سا اسٹاف نظر آیا۔ منظور الحق صاحب میرے منتظر تھے، خوش مزاج سفارت کار ہیں، بتایا کہ وہ مصر میں بھی سفارت کاری کے فرائض انجام دے چکے ہیں، یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ انہوں نے اس عرصے میں عربی زبان بھی اچھی خاصی سیکھ لی ہے۔ انہوں نے بھی یقین دِلایا کہ یہاں کے جو طلبہ جامعہ دار العلوم کراچی میں داخلے کے لئے پاکستان جانا چاہیں گے وہ ان کے ساتھ ہر ممکن تعاون کریں گے۔

"معهدُ جمعيّة الفتح الاسلامي" میں

پروگرام کے مطابق ساڑھے تین بجے سہ پہر دمشق کی مشہور دِینی درس گاہ "معهدُ جمعيّة الفتح الاسلامي" میں بھی حاضری ہوئی، یہ یہاں کا مشہور قدیم دار العلوم ہے، اس ادارے کی اہم نوجوان علمی شخصیت "ڈاکٹر حسام الدین فرفوز" اپنے رفقاء کے ساتھ ہمارے منتظر تھے، ان کا ایک عظیم علمی کارنامہ جو کچھ ہی پہلے پاکستان میں سامنے آچکا تھا، یہ ہے کہ انہوں نے علامہ ابنِ عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہِ اسلامی کی مشہور کتاب "ردُّ المحتار" پر بالکل نئے انداز میں بہت مفید کام کیا ہے،

علامہ ابنِ عابدین شامیؒ کی یہ شہرۂ آفاق کتاب فقہِ حنفی کی نہایت جامع اور مستند تحقیقی کتاب ہے، اور اس وقت دُنیا بھر کے حنفی مفتیانِ کرام کا سب سے اہم مأخذ ہے، علامہ شامیؒ نے اس کتاب میں ایک ایک مسئلے کی تحقیق و تفصیل میں درجنوں کتابوں سے استفادہ کیا ہے، اور صرف فقہائے متاخرین کی کتابوں پر اعتماد کرنے کے بجائے اصل فقہی مآخذ کو اپنے سامنے رکھا ہے۔

لیکن اس مایۂ ناز علمی کتاب پر جو برسہا برس سے چھ جلدوں میں باریک ٹائپ پر چھپتی چلی آرہی ہے مختلف جہتوں سے تحقیقی کام کی ضرورت عرصۂ دراز سے محسوس کی جارہی تھی، اب بھی یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ضرورت مکمل طور پر پوری ہوگئی ہے مگر ڈاکٹر حسام الدین فرفوز نے اس ضرورت کا حق خاصی بڑی حد تک اپنی اس تازہ علمی کاوش میں ادا کرنے کی لائقِ تحسین کوشش کی ہے، کتاب کے ایسے تین قلمی نسخوں کو بنیاد بنایا ہے جو خود مصنف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں، اور مصنف نے جن کتابوں سے کوئی بات نقل کی ہے، انہوں نے اُن کتابوں کی مراجعت کرکے اُس کی توثیق کی ہے۔ مصنفؒ کے ہر تشریحی کلام پر نمبر ڈال کر کتاب سے استفادے کو نہایت آسان بنادیا ہے، اور احادیث کی تخریج کی ہے، اور جگہ جگہ نہایت مفید حواشی تحریر کرکے اس کتاب کو ۱۳ جلدوں میں اعلیٰ ترین طباعت کے ساتھ نہایت آب وتاب سے شائع کیا ہے۔ اس علمی کاوش پر انہوں نے ڈاکٹریٹ کیا اور پی ایچ ڈی کی ڈگری پہلی پوزیشن میں حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس منکسر المزاج نوجوان عالمِ دِین کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔

ڈاکٹر حسام الدین موصوف بہت تواضع اور محبت سے ملے، اپنا ادارہ تفصیل سے دِکھانا چاہتے تھے، مگر آج جون کی گرمی یہاں کراچی سے تو بہت کم تھی مگر تھی جون ہی کی گرمی، اس میں کئی گھنٹوں کے اس سفر نے خاصا تھکادیا تھا، مجبوراً اس مخلصانہ پیشکش سے ناچیز پوری طرح استفادہ نہ کرسکا۔

یہاں سے فارغ ہوکر ۴ بجے واپس اپنی قیام گاہ اشرافیۃ الوادی کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں شہر کے مختلف علاقوں اور پھر ''قاسیون'' کے پہاڑی سلسلے میں سے ہوتے ہوئے قیام گاہ پہنچے تو عصر کا وقت ہو چکا تھا، میزبان جناب خالد ابو حَطَب نے کچھ اور مہمانوں کو بھی مدعو کیا ہوا تھا، اُن کے ساتھ کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کیا، پھر مغرب کی نماز محلے ہی کی خوبصورت شاندار مسجد میں ادا کی۔ نمازیوں سے، جو خاصی بڑی تعداد میں تھے، ملاقات ہوئی، وہ سب اس پر بہت خوش تھے کہ اُن کے محلے میں پاکستان کا ایک (نام نہاد) عالمِ دِین ٹھہرا ہوا ہے۔

یہاں کے تفریحی مقامات پر

نماز کے بعد جناب خالد مجھے اور اپنے چند احباب، اور میرے اُردنی رفقائے سفر کو یہاں سے مزید کچھ بلندی پر ایک خوبصورت قصبے ''الـزَّبـدان'' لے گئے، گرمی تو ''اشرافیۃ الوادی'' میں بھی نہیں تھی، مگر ''الزَّبدان'' کا موسم اور زیادہ خوشگوار تھا، اس کی بلندی سطحِ سمندر سے ۱۳۰۰ میٹر ہے، یعنی تقریباً ۴۵۰۰ فٹ، یہ بہت بارونق قصبہ ہے، موسمِ گرما میں یہاں سیاحوں کا ہجوم رہتا ہے۔ خالد صاحب ہمیں ایک چشمے پر لے گئے جس کا صحت افزا میٹھا پانی بہت مشہور ہے، لوگ دمشق اور دُوسرے علاقوں سے سوزوکیاں اور بڑی بڑی گاڑیاں لے کر یہاں آتے ہیں اور بڑے بڑے واٹر کولر اور کین بھر کر لے جاتے ہیں۔ چشمے کے پانی کو صاف رکھنے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، پانی ایک موٹے پائپ سے آکر ایک صاف ستھرے حوض میں گرتا ہے، اُس حوض سے لوگ یہ پانی اپنے برتنوں میں بہت آسان سے بھر لیتے ہیں۔

یہاں سے مزید کچھ بلندی پر ایک اور خوبصورت قصبہ ''بلودان'' ہے، وہاں موسم اور بھی زیادہ پُرکیف ملا، سطحِ سمندر سے اس کی بلندی ۱۶۰۰ میٹر ہے، ''الزبدان'' یا ''بلودان'' ہی میں خالد صاحب کے دوست جناب ''ابو نذیر'' کا دو منزلہ عالیشان

بنگلہ ہے، ابونذیر وہاں ہمارے منتظر تھے، عشاء کی نماز ان ہی کے خوبصورت لان میں باجماعت ادا کی، کھانے سے تو خالد صاحب کے مکان پر فارغ ہوچکے تھے، یہاں کچھ مشروبات اور پھلوں کا سلسلہ رہا، پھر رفتہ رفتہ ابونذیر صاحب کے کچھ دوست اَحباب بھی جمع ہوگئے، اور دِینی باتوں کی مجلس جمتی چلی گئی۔

ناچیز کے آقا و مرشد حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا بیان شروع ہوا تو حاضرین اس میں محو ہوتے چلے گئے، کھلی فضا میں رات کا پُرکیف سکون، ٹھنڈی لطیف ہوا، پھر حضرت عارفیؒ کے ڈھارس اور تسلیاں دینے والے، ہمت اور حوصلہ بڑھانے والے، اور اُمیدوں کا کھلا میدان دِکھانے والے ملفوظات، اِن سب نے مل کر دِلوں کو سرور و اُمید اور حوصلوں سے بھر دیا، خاص طور سے حضرت عارفیؒ کے چار نکاتی فارمولے، ۱-شکر، ۲-صبر، ۳-اِستغفار، ۴-اِستعاذہ، نے تو ایسی محویت طاری کی کہ رات کے ساڑھے بارہ بجے سے پہلے یہ ایمان افروز مجلس ختم نہ ہوسکی، واپس قیام گاہ پہنچے تو رات کا ایک بج چکا تھا۔

جمعہ ۳۰/ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ - ۱۸/جون ۲۰۰۴ء

آج بعد نمازِ جمعہ ہمیں واپس اُردُن روانہ ہونا تھا، اس لئے تقریباً ۹ بجے صبح ناشتے اور دوپہر کے کھانے سے ساتھ ہی فارغ ہوکر دمشق شہر روانہ ہوگئے، کوشش یہ تھی کہ دمشق میں آج جتنا وقت خاص خاص مقامات پر حاضری کا نکالا جاسکے اُس سے فائدہ اُٹھایا جائے، خاص طور سے یہاں کے مشہور تاریخی قبرستان ''باب الصغیر'' میں حاضری کو بہت دِل چاہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے میزبانوں کو کہ اُنہوں نے راستہ ایسا منتخب کیا کہ حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی اور حضرت شیخ عبدالغنی النابلوسی (رحمۃ اللہ علیہما) کے مزارات کی بھی زیارت نصیب ہوگئی، یہاں بزرگوں کے مزارات پر جگہ جگہ قبے (گنبد) بنے ہوئے ہیں، حضرت شیخ ابنِ عربی کے مزار کے ساتھ تو مسجد

بھی ہے اور سبز قبہ دُور سے نظر آتا ہے، جس محلے میں یہ واقع ہے اُس کا نام ہی "منطقة الشيخ ابن العربي" ہے، آپؒ کی ولادت ۵۶۰ھ میں اور وفات ۶۳۸ھ میں ہوئی ہے۔ اِن دونوں مزارات پر بالکل قریب سے تو حاضری نہ ہوسکی کیونکہ تنگ گلیوں سے گاڑی پہنچنے میں کافی دیر لگ سکتی تھی، اور پیدل جانے میں بھی یہی اندیشہ تھا، اس لئے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی اِیصالِ ثواب کیا اور اپنے اور ان کے لئے دُعا کی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

اس کے بعد قبرستان "باب الصغیر" میں حاضری ہوئی، یہاں بڑی تعداد میں جلیل القدر صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ آرام فرما ہیں، یہاں حاضری دینے والے کے پاس اگر وقت کی فراوانی نہ ہو تو اُسے اس کشمکش سے گزرنا پڑتا ہے کہ کس مزار پر حاضر ہو اور کس سے محروم رہے؟

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے مزار پر

قبرستان کے دروازے سے داخل ہوتے ہی سامنے ایک قبہ (گنبد) نظر آیا، اور یہ معلوم ہوتے ہی کہ یہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے دل اور قدم بے اختیار اُسی کی طرف کھنچتے چلے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذّن اور خادمِ خاص کے قبے میں داخل ہوتے ہوئے دِل کی کیفیت ناقابلِ بیان تھی۔

اس قبے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ تقریباً درجن بھر قبریں اور بھی ہیں جو بہت پاس پاس بنی ہوئی ہیں، بعض قبروں کے کتبوں سے معلوم ہوا کہ وہ ماضی کے اُونچے درجے کے عہدے داروں اور حکام و اُمراء کی قبریں ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِن حضرات نے خود کو عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پہلو میں دفن کئے جانے کی وصیت کی ہوگی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ افریقہ کے ساحلی ملک حبشہ (ایتھوپیا) کے رہنے

والے تھے، والد کا نام ''رَباح'' اور والدہ کا نام ''حَمامۃ'' تھا، حبشہ سے مکہ مکرّمہ آ گئے تھے، یہاں ایک شخص کے غلام تھے، اسی حالت میں مشرف باسلام ہوئے، اُس وقت عمر تقریباً ۳۰ سال تھی۔

اسلام لانے پر لرزہ خیز مظالم

اسلام لانے کی پاداش میں ان کو مکہ مکرّمہ کے بے رحم مشرکین نے سخت ترین ایذائیں دیں، قریش کا ایک مشہور سردار ''اُمَیَّۃ بن خَلف'' اُن کو مکہ مکرّمہ کی چلچلاتی دُھوپ میں تپتی ہوئی پتھریلی زمین پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر چٹان کی طرح کا رکھوا دیتا اور ان سے کہتا تھا کہ: ''تو اسی طرح پتھر کے نیچے دبا رہے گا یہاں تک کہ تجھے موت آجائے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ماننے سے انکار کر کے (ہمارے بتوں) لات وعزیٰ کو پوجنے لگے۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اُس کافر کو بس ایک ہی جواب دیتے کہ ''اَحَدٌ اَحَدٌ'' یعنی معبود برحق تو بس ایک ہی ہے۔ اِن کو مکہ کے شریر لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا جو اِن کی گردن میں رسّی ڈال کر چکر دیتے پھرتے تھے، اور یہ وہی رٹ لگائے جاتے تھے کہ ''اَحَدٌ اَحَدٌ''۔ پھر رات کو زنجیروں میں باندھ کر کوڑے برسائے جاتے، اور اگلے دن پھر تپتی زمین پر لٹا کر توحید و رسالت کے اس متوالے کے زخموں کو تازہ کر دیا جاتا تھا۔ اِن کو سزا دینے کے لئے کئی ظالم مقرّر تھے، ایک تھک جاتا تو دُوسرا سزا دینے لگتا، کبھی ابوجہل کی باری آتی، کبھی ''اُمَیَّۃُ بنُ خَلف'' کی، کبھی کسی اور کی، ہر ایک ان کو اتنی سزا دیتا تھا کہ اپنا زور ختم کر ڈالتا تھا۔ بالآخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُن کو اِن ظالموں سے خرید کر آزاد کیا۔[1]

(۱) تبلیغی اور اصلاحی مضامین، مصنفہ مولانا عاشق الٰہی صاحب مہاجر مدنیؒ، ج:۷ بحوالہ حکایاتِ صحابہؓ۔

آپؓ کے فضائل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

(دینِ حق کے بارے میں) سبقت لے جانے والے چار ہیں، عرب سے میں ہوں، رُوم (یورپ) سے صہیب ہیں، فارس (ایشیا، ایران وعراق وغیرہ) سے سلمان ہیں اور حبشہ (افریقہ) سے بلال۔ (۱)

ہجرتِ مدینہ کے بعد ۲ھ میں اَذان شروع ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن ہی سے سب سے پہلی اَذان دِلوائی، اور مستقل طور سے ان ہی کو مؤذِّن مقرّر فرمادیا، اُس وقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیاتِ طیبہ اور سفر وحضر میں آپ کے مؤذِّن رہے، یہ اتنی بڑی سعادت تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حسرت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ:

اب میں پچھتاتا ہوں، کاش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرکے اپنے بیٹوں حسن اور حسین کو مؤذِّن مقرّر کرادیتا۔ (۲)

مکہ مکرّمہ کے تپتے پہاڑوں نے جہاں یہ دردناک مناظر دیکھے تھے کہ توحید و رسالت کے اقرار کی پاداش میں بھاری پتھر کے نیچے دبادیا جاتا اور کوڑے برسائے جاتے تھے، وہیں اب زمین وآسمان نے ان کا یہ اِعزاز بھی دیکھا کہ انہوں نے فتحِ مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کعبہ شریف کی چھت پر چڑھ کر اَذان دی، جو اللہ کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بار بار بانگِ دہل اعلان تھا۔

---

(۱) حوالۂ بالا، عن البخاری ومسلم۔

(۲) تبلیغی اور اصلاحی مضامین بحوالہ جمع الفوائد۔

خاص خاص مواقع پر مثلاً مالِ غنیمت کی تقسیم اور رُویتِ ہلال وغیرہ کے مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلانِ عام کرنے کی سعادت بھی ان کو بکثرت نصیب ہوتی رہی۔ لوگوں میں مال تقسیم کرنے کا انتظام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے سپرد ہوتا تھا، جو ضرورت مند لوگ آتے ان کی ضرورت کا سامان مہیا کرنے کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً ان ہی کو دیا کرتے تھے۔

جنت کی بشارت

تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ نمازِ فجر کے بعد اِن سے پوچھا:

بلال! تم نے اسلام قبول کرنے کے بعد ایسا کون سا عمل کیا ہے جس پر تم اپنے دُوسرے اعمال سے زیادہ پُراُمید ہو؟ کیونکہ میں نے جنت میں تمہارے جوتوں کی آہٹ سنی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

میں نے کوئی اور عمل تو ایسا نہیں کیا، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ میں رات یا دن میں جب کبھی بھی وضو کرتا ہوں تو اپنے مقدر کی (کچھ نہ کچھ نفل) نماز (تحیۃ الوضو) ضرور پڑھ لیتا ہوں۔[۱]

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بِھٰذَا" یعنی تم کو یہ مقام (کہ زندگی ہی میں جنت کی بشارت مل گئی) اسی عمل کی وجہ سے ملا ہے۔[۲]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس حدیث کو یاد کرکے خوشی سے رو دیا کرتے

---

(۱) حوالۂ بالا، عن صفۃ الصفوۃ۔

(۲) حوالۂ بالا، عن مشکوٰۃ المصابیح۔

تھے۔[1] بارگاہِ نبوی کے حاضر باش تھے، سفر و حضر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، تمام جہادوں میں آپ کے ساتھ شریک رہے، حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) جن کی یہ خصوصیت مشہور ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی سے چھوٹی سنت کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا اور قول کو معلوم کرنے اور یاد رکھنے کی کوشش کرتے تھے، بعض مواقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان سے بھی سبقت لے گئے، اور انہیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے معلوم کرنا پڑا کہ فلاں موقع پر یا فلاں جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا عمل کیا؟[2]

شام میں سکونت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کا دِل مدینہ طیبہ میں نہ لگتا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا فاروق[5] اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شام کے جہاد میں شرکت کے لئے مدینہ طیبہ سے رُخصت ہوگئے، خلیفۂ وقت نے مدینہ طیبہ میں روکنے کی بہت کوشش کی مگر یہ راضی نہ ہوئے تو مجبوراً اجازت دے دی، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شام فتح ہوجانے کے بعد وہیں سکونت اختیار فرمالی۔

ایک مرتبہ جب امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اُن کی موجودگی میں اَذان دی، راوی کہتے ہیں کہ اُس دن (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد کرکے) فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اس قدر روئے کہ اس طرح روتے ہوئے ان کو ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بعد اور ان سے پہلے دُنیا نے کتنے ہی ایسے بادشاہوں اور فاتحین کا جاہ و جلال دیکھا ہے جن کا نام بھی اب تاریخ کے بوسیدہ

---

(۱) حوالۂ بالا، عن الاستیعاب۔

(۲) حوالۂ بالا، عن مسند احمد و مشکوٰۃ المصابیح۔

(۳) روایتیں دونوں طرح کی ہیں۔

صفحات کے علاوہ کہیں نہیں ملتا جبکہ ایک حبشی غلام کو تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل وہ مقام ملا کہ فرشتے بھی رشک کریں۔ ان کا نام ہی سن کر کوئی چھوٹا بڑا مسلمان اپنے دِل میں عقیدت و محبت کا تلاطم محسوس کئے بغیر نہیں رہتا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہی تھا کہ جس معمولی سے معمولی انسان کو آپ کی صحبت و تربیت نصیب ہوگئی، وہ دُنیا بھر کے لئے انسانی عظمت کا نشان بن گیا۔ اس کا پورا احساس حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی تھا، جس کا اظہار انہوں نے اپنے ایک شعر میں کیا ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نعتیہ شعر حبشی زبان میں

جی ہاں! آپ کو لطف آئے گا یہ معلوم کر کے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ایک شعر حبشی زبان میں بھی کہا ہے، فرماتے ہیں:

اَرَہْ بَـرَہْ کَـنَّـکْ کَـرَہْ
کَـرائـی کـرِیُ مَـنَّ الـدَّرَہْ

شاعرِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس شعر کا عربی ترجمہ شعر ہی میں اس طرح کیا ہے:

اِذَا الْـمَكَارِمُ فِیْ اٰفَاقِنَا ذُكِرَتْ
فَـاِنَّمَا بِکَ فِیْنَا یُضْرَبُ الْمَثَل

یعنی جب دُنیا میں اعلیٰ ترین اخلاق و صفات کا ذکر آتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہم (صحابہ) ہی کو مثال میں پیش کیا جاتا ہے۔

یہ دونوں شعر سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کے برابر والی دیوار پر لکھے ہوئے ہیں، مجھے یہ بات دو دن پہلے دمشق کے مشہور عالمِ دین جناب

''شیخ محمد رجب دیب'' نے بھی بتائی تھی، جو ''مجمّع الشیخ احمد کفتارو'' میں ''معہدِ شرعی'' کے مدیر ہیں۔

اب خود یہ شعر وہاں پڑھ کر دِل کی جو کیفیت ہوئی کیسے بیان کروں۔ وقت کم تھا، اس مبارک قبرستان سے بادِل ناخواستہ رُخصت ہونا پڑا، باقی مزارات پر حاضری کی حسرت ہی رہی۔

اب شیخ غسّان کے مکان پر یہاں کے کچھ علمائے کرام ہمارے منتظر تھے، انہوں نے ناچیز سے روایتِ حدیث کی اجازت دینے کا وعدہ لیا ہوا تھا، بحمداللہ یہ کام بھی تھوڑے سے وقت میں ہوگیا۔

خواتین کو شیخ غسّان کے مکان پر چھوڑ کر جامع اُموی جانے لگے تو نوجوان عالمِ دِین شیخ وائل نے، جو بیٹوں کی طرح خدمت کے لئے ساتھ رہتے تھے، بتایا کہ ابھی اَذانِ جمعہ میں کافی وقت ہے، درزی کی خواہش ہے کہ وہ مفتیٔ جمہوریہ کے آرڈر پر آپ کے لئے جو شامی عمامہ اور جُبّہ تیار کر رہا ہے اُس کی ٹرائی لے لے، اَذان سے پہلے یہ کام بآسانی ہوسکتا ہے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

نمازِ جمعہ کے لئے ''جامع اُموی'' پہنچے تو ڈائریکٹر محکمۂ اوقاف اور ان کے رفقاء نے دروازے پر استقبال کیا، وہ ہمیں مسجد ہی میں برابر کے ایک بڑے کمرے میں لے گئے، یہاں ایک بزرگ عالمِ دِین شیخ عبدالرزّاق سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا جن کی عمر تقریباً ۸۵ سال ہے، یہ اسی کمرے میں حدیث کی مشہور و عظیم کتاب ''صحیح مسلم'' کا درس دیتے ہیں، مزید بتایا گیا کہ علامہ ابنِ عابدین شامیؒ کی مشہور کتاب ''ردُّ المحتار'' جس کا ذکر کچھ پہلے آچکا ہے، اور جو باریک ٹائپ کی چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، یہ بزرگ فقہِ حنفی کی اس کتاب کا درس اوّل سے آخر تک تین بار دے چکے ہیں، حیرت بھی ہوئی، خوشی بھی، اور رشک بھی آیا، اللہ تعالیٰ ان جیسے علماء اور بزرگوں کا فیض ہمیشہ جاری رکھے۔ آمین

یہاں جمعہ کی نماز اور خطبے سے پہلے کئی کئی مؤذِّنوں کی اَذانوں اور نظموں کا سلسلہ دیر تک جاری رہا، یہ طریقہ نہ کتابوں میں پڑھا تھا، نہ دیکھا اور سنا تھا، مجھے تو یہ بدعت ہی معلوم ہوئی، اب سمجھ میں آیا کہ شیخ وائل جمعہ کی نماز کے لئے ہمیں یہاں کے بجائے کسی اور مسجد میں کیوں لے جانا چاہتے تھے، وہ دبے لفظوں میں پہلے ہی اتنا کہہ چکے تھے کہ وہاں تو جمعہ کی نماز میں عجیب عجیب کام ہوتے ہیں اور نمازِ جمعہ بہت تأخیر سے ہوتی ہے۔

شام کے "اَبدال"

نماز کے بعد شیخ وائل ہمیں یہاں کے ایک بہت ہی قدیم بزرگ "الشیخ احمد الحبال الرفاعی" دامت برکاتہم کے یہاں لے گئے، اُن کی عمر ایک سَو ایک سال ہے اور تقریباً ستّر سال سے یہ معمول ہے کہ ہر سال حج کرتے ہیں، ایک مرتبہ یہاں سے پیدل بھی حج کر چکے ہیں۔

ہم گاڑی سے اُتر کر چند قدیم طرز کی گلیوں سے ہوتے ہوئے اُن کے پُرانے انداز کے حویلی نما دولت خانے پر حاضر ہوئے تو پتہ چلا کہ وہ جمعہ کی نماز سے ابھی واپس تشریف نہیں لائے، راستے میں ہیں، اور پیدل ہی وہاں آتے جاتے ہیں۔ یہاں ایک صاحب نے جو غالبًا ان ہی کے اہلِ خانہ میں سے تھے، ہمیں اُن کے ملاقات کے بڑے ہال میں لے جا کر صوفوں پر بٹھا دیا۔ چند منٹ بعد وہ بھی تشریف لے آئے، طویل القامت، چھریرا بدن، چاق و چوبند، نورانی چہرہ، ہم سب نے کھڑے ہو کر استقبال کیا، شیخ وائل نے ناچیز کا تعارف کرایا تو بہت ہی شفقت سے توجہ فرمائی، اور معانقے کا شرف بھی عطا فرمایا، ملاقات کے اختتام پر انہوں نے والہانہ انداز میں حمد و نعت کے اَشعار کسی قدر روانی اور ترنم سے پڑھنے شروع کردیئے، نوجوان وائل بھی جو ماشاء اللہ ان کے مزاج شناس ہیں، ان کے ساتھ شریک ہوگئے،

کچھ دیر تک یہ پُرکیف سلسلہ جاری رہا، بالآخر رُخصت ہوتے وقت انہوں نے ناچیز کے لئے بھی دُعا فرمائی اور ناچیز کی اہلیہ کے لئے بھی، اور یہ بھی فرمایا کہ:

میری یہ دُعا ہر اُس شخص کے لئے بھی ہے، جو آپ کو دیکھے، اور ہر اُس شخص کے لئے بھی جو آپ سے محبت کرے۔

اللہ تعالیٰ اس احسان کا انہیں اَجرِ عظیم عطا فرمائے اور ناچیز کے لئے اور ناچیز کے متعلقین کے لئے، دُنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

''اَبدال'' کون ہیں؟

''اَبدال'' اولیائے کرام ہی میں سے ایک خاص قسم کے ممتاز بزرگ ہوتے ہیں،[۱] یوں تو لفظ اَبدال ''بَدَل'' کی جمع ہے، مگر عرف میں اِن بزرگوں میں سے ہر ایک کو ''اَبدال'' کہا جاتا ہے، اور ان کو اَبدال کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب بھی ان میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے بدل کے طور پر کسی اور کو اُس کی جگہ مقرّر فرمادیتے ہیں، اِن کا ذکر کئی احادیث میں قوی درجے کی سند کے ساتھ آیا ہے، اور حدیث کی مشہور کتاب ''مجمع الزوائد'' میں تو پورا ایک باب ہی ان سے متعلق احادیث پر مشتمل ہے۔[۲] ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج:۷ ص:۴۰۶۔

(۲) مجمع الزوائد حدیث نمبر:۱۶۶۷۱، ''باب ما جاء في الأبدال وأنّهم بالشّام'' کتاب المناقب، علامہ ہیثمیؒ نے یہ حدیث نقل کرکے فرمایا ہے کہ: ''رواهُ أحمد ورجالُه، رجال الصحیح، غیر شریح بن عبید، وهو ثقة، وقد سمع من المقداد وهو أقدمُ من علی'' ۔ مشکوٰۃ المصابیح میں بھی یہ حدیث مسندِ احمد کے حوالے سے آئی ہے، اُس میں لفظ ''البدلاء بالشّام'' کے بجائے ''الأبدال یکونون بالشّام'' ہے، اور ''یُستقٰی'' کے بجائے ''یُسقٰی'' ہے، حاصل معنی میں کوئی فرق نہیں۔ دیکھئے: مشکوٰۃ المصابیح ''باب ذکر الیمن والشام .... الخ'' ص:۵۸۱۔

اِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یقول:
"اَلْبُدَلَآءُ بِالشَّامِ، وَھُمْ أَرْبَعُوْنَ رَجُلًا، کُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ أَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ رَجُلًا یُسْتَقٰی بِھِمُ الْغَیْث، وَیُنْتَصَرُ بِھِمْ عَلَی الْأَعْدَاءِ، وَیُصْرَفُ عَنْ أَھْلِ الشَّامِ بِھِمُ الْعَذَاب."

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "اَبدال شام میں (ہوتے) ہیں، اور وہ چالیس مرد ہیں، جب ان میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دُوسرے شخص کو مقرّر کردیتا ہے۔ اِن کے وجود اور برکت سے بارش ہوتی ہے، ان کی برکت سے دُشمنوں کے مقابلے میں نصرت و مدد ملتی ہے، اور ان کی برکت سے اہلِ شام سے عذاب دُور کیا جاتا ہے۔""

اس حدیث میں اَبدال کی برکت سے اہلِ شام سے عذاب دُور کئے جانے کا ذکر ہے کیونکہ خود یہ اَبدال بھی اہلِ شام میں سے ہیں، لیکن اس حدیث میں بارش اور نصرت کو اہلِ شام کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ ان کی یہ برکت (بارش اور نصرت) پورے عالم[1] کے لئے ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث ایسی نقل کی ہے جس میں مسلمانوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام خطاب[2] ہے کہ:

لَنْ تَخْلُوَ الْأَرْضُ مِنْ أَرْبَعِیْنَ رَجُلًا مثل خلیل الرحمٰن فَبِھِمْ تُسْقَوْنَ، وَبِھِمْ تُنْصَرُوْنَ، مَا مَاتَ مِنْھُمْ أَحَدٌ اِلَّا

---

(۱) مظاہرِ حق شرح مشکوٰۃ میں یہی موقف اختیار کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو: مظاہرِ حق ج:۵ ص:۸۴۵۔

(۲) مجمع الزوائد، باب ما جاء فی الأبدال .... الخ، کتاب المناقب، علامہ ہیثمیؒ یہ حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں: "رواہُ الطبرانی فی الأوسط، واسنادُہ حسن"۔

أَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهُ اٰخَرَ.

''چالیس ایسے مردوں سے زمین ہرگز خالی نہیں ہوگی جو رحمٰن کے خلیل کی طرح ہوں گے، پس ان کی برکت سے تم کو بارش ملتی ہے اور انہی کی برکت سے تم کو نصرت و مدد ملتی ہے، ان میں سے جب بھی کوئی مرتا ہے تو اللہ اُس کی جگہ کسی اور کو مقرّر کردیتا ہے۔''

یہاں سے رُخصت ہوکر ہم پھر شیخ غسّان کے مکان پہنچے، وہاں ہمیں رُخصت کرنے کے لئے بہت سے حضرات جمع تھے، کئی حضرات دُوسری گاڑیوں میں ہمیں سرحد تک پہنچانے کے لئے ساتھ جانے پر مصر تھے مگر بمشکل ان کو روکا، بالآخر چار بجے کے قریب سب نے بہت ہی جذباتی انداز میں الوداع کیا، کئی آنکھیں اشکبار تھیں ــــ واپسی کا یہ سفر جناب عصام اور شیخ حسن یوسف کے ساتھ اسی گاڑی میں ہوا جس میں اُردُن سے آئے تھے۔

علامہ نَوَوِیؒ کا وطن ''نَوَیٰ''

شام کا سرحدی ضلع (یعنی محافظة) ''دَرْعا'' ہے، ضلع کے مرکزی شہر کا نام بھی یہی ہے، ہم آتے وقت جس سرحدی چوکی سے شام میں داخل ہوئے تھے، واپسی اس کے بجائے دُوسری چوکی سے ہوئی، یہ دونوں چوکیاں ضلع ''دَرْعــا'' ہی میں ہیں، لیکن یہ دُوسری چوکی اسی ضلع کی ایک بستی ''نَــوىٰ'' کے زیادہ قریب ہے، اس راستے کو اس لئے اختیار کیا گیا کہ یہ بستی ''نَــوىٰ'' مشہور محدث اور فقہِ شافعی کے مشہور اِمام ''علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النَّوَوِیؒ'' رحمۃ اللہ علیہ کی جائے ولادت بھی ہے اور جائے وفات بھی، یہیں ان کا مزار ہے۔ ناچیز ان کی تصانیف سے بحمداللہ برسوں سے استفادہ کر رہا ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب مشہور صحابی حضرت حکیم بن حزام

رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن ''نوی'' میں ہوئی، پھر ۱۹ سال کی عمر میں ان کے والد صاحب نے دمشق کے مدرسہ ''المدرسة الرواحية'' میں داخل کرادیا، قیام و طعام بھی طالبعلمانہ انداز کا اسی مدرسے میں رہا، یہاں آپ نے تمام اسلامی علوم میں مہارت حاصل کی۔ تقریباً ۲۹ سال کی عمر میں تصنیفی کام کا آغاز کیا، اور دمشق میں تقریباً ۲۸ سال[1] قیام رہا۔

آپؒ کی ولادت محرّم ۶۳۱ھ میں اور وفات ۱۴/رجب ۶۷۶ھ کو ہوئی، اس طرح کل عمر صرف ۴۵ سال ۶ ماہ بنتی ہے، ان کی زاہدانہ زندگی قناعت وتقویٰ، ذکر و عبادت میں جفاکشی اور غیر معمولی علمی شغف بہت معروف ہے۔ کھانا چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار رات کو کھاتے تھے، کبھی دو سالن ایک وقت کے کھانے میں نہیں کھائے، شادی بھی نہیں کی، اتنی کم عمر میں کام اتنے بڑے بڑے کر گئے کہ حیرت ہوتی ہے۔ صحیح مسلم کی عظیم شرح جو عالمگیر شہرت رکھتی ہے، ان کا اتنا بڑا کارنامہ اور صدقۂ جاریہ ہے کہ یہی ان کے نام کو زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے، آج بھی حدیث کا کوئی عالم اس کتاب سے بے نیاز نہیں سمجھا جاتا۔ صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد کی شرحیں بھی لکھنی شروع کی تھیں مگر مکمل نہیں ہوسکیں۔ حدیث میں کئی اور تصانیف کے علاوہ ''ریاض الصالحین'' بھی ان کی مشہور و معروف اور نہایت مفید اور جامع تالیف ہے، اس میں انہوں نے یہ پابندی کی ہے کہ صرف وہی حدیثیں اس کتاب میں درج کی ہیں جن کی سندیں محدثین کی اصطلاح میں ''صحیح'' قرار دی گئی ہیں۔ یوں تو آپ کی تصانیف فنِ تاریخ اور لغت میں بھی بلند پایہ رکھتی ہیں مگر فنِ حدیث اور فقہ ان کا خاص موضوع رہا، فقہ میں ان کی تصانیف کی تعداد ۱۹ ہے، جن میں خاص طور سے شرح المهذب بہت زیادہ مشہور ہے۔ فقہِ شافعی کے طبقۂ مجتہدین میں سے ہیں، میں

---

(۱) ملاحظہ ہو شیخ شعیب الأرنؤوط کا مقدمہ (ص:۲۴) جو انہوں نے ''ریاض الصالحین'' کے جدید ترین ایڈیشن (مطبوعہ بیروت) کے شروع میں لکھا ہے۔ رفیع

نے بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ فقہِ شافعی میں ان کا شمار "اصحاب الترجیح" کے طبقے میں ہوتا ہے۔[۱]

مگر شام ہونے لگی تھی اس لئے "نَوی" جانے کی تمنا پوری نہ ہوسکی، شام کی حدود ختم ہونے سے ذرا پہلے ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا، حسن یوسف صاحب نے بہت سارا گوشت بھی ساتھ لے جانے کے لئے یہاں سے خریدا، شاید اُردُن میں گوشت مہنگا ہے۔

سرحدی چوکی پر اُردُنی حکام نے قانونی موشگافیوں میں کئی گھنٹے لگادیئے، عصر اور مغرب کی نماز یہیں پڑھنی پڑی، اہم دِینی علمی کتابوں کے دو بڑے کارٹن جو شیخ غسّان نے تحفے میں دیئے تھے، اُن پر تقریباً ساٹھ امریکی ڈالر بھی کسٹم ڈیوٹی کے طور پر وصول کئے گئے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ جب ہم عَمّان سے جدہ جائیں گے تو اگر یہ کارٹن بھی ساتھ لے گئے تو ایئرپورٹ پر یہ رقم واپس مل جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس سرحد پر شام کا ضلع "دَرْعَا" ختم اور اُردُن کا ضلع "اِرْبِدْ" شروع ہوتا ہے، "اِرْبِدْ" شہر یہاں سے صرف نصف گھنٹے کی ڈرائیو پر ہے۔ کسی زمانے میں جب شام اور اُردُن الگ الگ نہیں ہوئے تھے ان دونوں ضلعوں کے مجموعے کا نام "حَوْرَان" تھا، قدیم روایات اور تاریخی کتابوں میں یہی نام زیادہ مشہور ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں "عَلْقَمَۃُ بن عُلاثۃ" کو حَوْرَان کا حاکم مقرّر کیا تھا۔[۲] یہ نہایت مردُم خیز علاقہ ہے، بہت بڑی بڑی شخصیات کا وطن رہا ہے، اور معاشی طور پر بھی بہت زرخیز ہے، بارانی علاقہ ہے، کہا جاتا ہے کہ رُومیوں کے دور میں یہاں کی پیداوار پورے رُوم (اِٹلی) کے لئے کافی ہوتی تھی۔

---

(۱) علامہ نوویؒ کے مفصل حالات کے لئے "شیخ خلیل مأمون شیحا" کا مقدمہ ملاحظہ ہو، جو صحیح مسلم کی شرح نووی پر لکھا گیا ہے، یہ شرح بیروت سے شائع ہوئی ہے۔

(۲) معجم البلدان ج:۲ ص:۳۱۷۔

ملکِ شام کے فضائل

سرزمین شام کی عظیم فضیلت کے لئے یہی بہت کافی ہے کہ قرآنِ حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں جہاں راتوں رات مکہ مکرّمہ کی مسجدِ حرام سے بیت المقدس کی مسجدِ اقصیٰ لے جانے کا ذکر کیا تو ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ مسجدِ اقصیٰ کے اِردگرد کا علاقہ (جو شام ہے) برکتوں والا علاقہ ہے، ارشادِ باری ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِی أَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ۔[1]

''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو راتوں رات لے گئی مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، جس کے اِرد گرد (کے علاقے شام) میں ہم نے (دِینی اور دُنیاوی) برکتیں رکھی ہیں۔''

اس آیت کے تحت مفسرین فرماتے ہیں کہ سرزمینِ شام کی دِینی برکتیں تو یہ ہیں کہ بیت المقدس (جو شام ہی میں ہے) انبیائے سابقین کا قبلہ ہے، اور بیت المقدس سمیت شام کا پورا علاقہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا مسکن رہا ہے اور یہیں وہ مدفون ہیں، اور دُنیاوی برکات یہ ہیں کہ یہ علاقہ سرسبز و شاداب ہے، اس میں پانی کے چشمے، خوبصورت دریا، نہریں، کھیت اور باغات ہیں۔[2]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، جو شام ہی میں آکر آباد ہوگئے تھے اور اُردُن میں شامی سرحد کے پاس اُن کا مزار ہے، اُن کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اے ملکِ شام! تو تمام شہروں میں سے

---

(۱) سورۃ الاسراء آیت:۱ (۲) تفسیر معارف القرآن ج:۵ ص:۴۴۳۔

میرا منتخب خطہ ہے، اور میں تیری طرف اپنے منتخب بندوں کو بھیجوں گا''۔[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا بار بار فرمائی ہے کہ:[۲]

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ شَامِنَا، اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ یَمَنِنَا.

''اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے شام میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے یمن میں برکت عطا فرما۔''

یہ دُعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکِ شام کی فتح سے بہت پہلے فرمائی تھی، کیونکہ شام کی فتوحیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شروع ہوکر خلافتِ فاروقی میں مکمل ہوئی ہیں، اس دُعا سے جہاں ملکِ شام اور یمن کا مبارک ہونا ثابت ہوا، وہیں ملکِ شام کو ''ہمارا شام'' فرمانا بتارہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزانہ طور پر یقین تھا کہ ملکِ شام بھی مسلمانوں کے تحت آنے والا ہے۔ دُوسری کئی احادیث میں تو، جن کے ذکر کا یہاں موقع نہیں، آپ نے فتحِ شام کی صاف الفاظ میں پیش گوئی بھی فرمادی تھی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[۳]

---

(۱) حوالۂ بالا، بحوالہ تفسیر قرطبی۔

(۲) صحیح البخاری، ابواب الاستسقاء، باب ما قیل فی الزلازل والایات، رقم الحدیث: ۱۰۳۷، وکتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "الفتنة من قبل المشرق" رقم الحدیث: ۷۰۹۴، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما.

(۳) رواہ الترمذی فی جامعہ وأحمد فی مسندہ، رقم الحدیث: ۲۱۴۹۸ و ۲۱۴۹۹، والطبرانی فی المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۹۳۵، والھیثمی فی مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۶۶۵۷. علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: رجالہ رجال الصحیح.

طُوبٰی لِلشَّامِ، قلنا لأیِّ ذٰلک یا رسول اللہ؟ قال: لِأَنَّ ملائکۃ الرحمٰن بَاسِطَۃٌ أَجْنِحَتِھَا عَلَیْھَا.

''شام کے لئے بڑی خوبی ہے، ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: اس لئے کہ رحمٰن کے فرشتے اُس کے اُوپر اپنے بازو پھیلائے ہوئے ہیں۔''

حضرت ابنِ حَوالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[1]

ایک وقت یہ حالت ہوجائے گی کہ تم الگ الگ کئی لشکروں میں تقسیم ہوجاؤ گے، ایک لشکر شام میں ہوگا، ایک لشکر یمن میں اور ایک لشکر عراق میں، ابنِ حَوالہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو آپ میرے لئے انتخاب فرمادیجئے (کہ میں کس لشکر میں شامل ہوجاؤں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم شام کو لازم پکڑ لینا، کیونکہ وہ اللہ کی زمینوں میں سے اُس کا پسندیدہ حصہ ہے، وہاں وہ اپنے پسندیدہ بندوں کو منتخب کرکے لائے گا اور اگر تم یہ نہ کرو تو پھر اپنے یمن کو لازم پکڑ لینا اور اس کے حوضوں کے پانی سے سیرابی حاصل کرنا، کیونکہ اللہ نے میری خاطر شام اور اہلِ شام کی کفالت فرمائی ہے۔

ناچیز یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ واقعہ پیش آچکا ہے یا آئندہ کب پیش

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد باب فی سکنی الشام حدیث نمبر: ۲۴۸۳۔ و مسند احمد حدیث نمبر: ۱۶۹۴۲، والمعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر: ٦٢٧، ومجمع الزوائد کتاب المناقب باب ما جاء فی فضل الشام حدیث نمبر ۱٦٦٤٨، مسندِ احمد کے شارح ''حمزہ احمد الزین'' نے اس روایت کی سند پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اسنادُہٗ صحیح'' یعنی اس کی سند صحیح ہے۔

آنے والا ہے، مگر شام اور اہلِ شام کی فضیلت اس سے واضح ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(۱)

اَلا وَانَّ الْاِیْمان، حینَ تقع الفتنُ، بالشّام.

''یاد رکھو! جب فتنے آئیں گے تو ایمان شام میں ہوگا۔''

حضرت سلمۃ بن نفیل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عُقرُ دار الاسلام بالشّام.

''دار الاسلام کا مرکز شام میں ہوگا۔''

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے سے صدیوں تک عالمِ اسلام کا دارالخلافہ دمشق رہا ہے، اور متعدّد روایات سے - جن میں سے بعض آپ کافی پیچھے پڑھ چکے ہیں- معلوم ہوتا ہے کہ خروجِ دجال کے زمانے میں مسلمانوں کی چھاؤنی دمشق کے مضافاتی حصے ''غُوطَة'' میں ہوگی۔

فاروقِ اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا بیان(۲) ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَأَیتُ عمودًا من نورٍ خرجَ من تحت رأسی ساطعًا حتی استقرَّ بالشّام.

''میں نے نور کا ایک ستون دیکھا جو میرے سر کے نیچے سے اُوپر

---

(۱) مجمع الزوائد حدیث نمبر: ۱۶۶۴۰، یہ حدیث ذکر کرکے علامہ ہیثمیؒ نے اس سند کی توثیق یہ کہہ کر فرمائی ہے کہ ''رواہ أحمد والطبرانی، ورجال أحمد رجال الصحیح''۔

(۲) امام بیہقیؒ نے ''دلائل النبوۃ'' میں اس مضمون کی کئی روایتیں نقل کی ہیں، ان میں سے ایک روایت کے بارے میں فرمایا ہے کہ: ''ھذا اسناد صحیح'' یعنی اس کی سند صحیح ہے۔

جاتا ہوا نکلا، یہاں تک کہ وہ شام میں جا کر ٹھہر گیا۔"

شام (سوریہ) میں تین دن قیام رہا، قرآنِ کریم اور احادیث میں تو اس علاقے کے بہت فضائل آئے ہی ہیں، اب خود دیکھ کر جو لطف آیا ناقابلِ بیان ہے، واقعہ یہ ہے کہ ملکِ شام کی ہر چیز میں برکات آج بھی نمایاں ہیں، وہاں کی فضاؤں میں انبیائے کرام اور صحابہ کرام کی برکتیں اور مہک آج بھی موجود ہے۔

اس سرحدی چوکی سے "اِربِد" میں جناب سمیر عبداللہ کا مکان صرف آدھے گھنٹے کی مسافت پر تھا، موبائل پر ان کے تقاضے آرہے تھے کہ یہ رات اُن کے یہاں گزاری جائے، جناب حسن یوسف کی پُر اصرار خواہش تھی کہ سیدھے عَمّان چلیں اور ان کے مکان پر قیام ہو، اُدھر عَمّان میں شیخ ضیاء ہمارے منتظر تھے، بالآخر مشورہ کر کے عمل اس پر ہوا کہ عشاء کے قریب اِربِد میں سمیر عبداللہ صاحب کے یہاں پہنچ گئے اور رات کو وہیں قیام ہوا، وہ اور ان کے اہلِ خانہ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے، شیخ عصام اور حسن یوسف صاحب عَمّان چلے گئے۔

ہفتہ واتوار یکم و۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ - ۱۹، ۲۰/ جون ۲۰۰۴ء

اگلے دن ہفتہ کی شام کو جناب سمیر عبداللہ اپنی گاڑی میں عَمّان لے گئے، رات کو ہم سب کا قیام حسن یوسف صاحب کے مکان پر ہوا۔ اتوار کو صبح ناشتے کے بعد سب مسجد الضیحاء میں شیخ ضیاء کے مکان پہنچے تو یہاں جناب فراز فرید ربانی، شیخ صالح اور ان کے رفقاء جمع ہو رہے تھے، حسبِ وعدہ ان سب علمائے کرام کو ناچیز نے اپنی سند سے روایتِ حدیث کی تحریری اجازت دی، اللہ تعالیٰ اسے میرے اور ان کے لئے اپنے قرب کا ذریعہ بنائے۔ آمین

اپنا جو سامان ہم شام نہیں لے گئے تھے وہ یہیں موجود تھا، عصر کے بعد جدہ جانے کے لئے ایئرپورٹ روانہ ہوئے اور بعد مغرب اِن اہلِ محبت سے رُخصت

ہوتے وقت یوں محسوس ہوا جیسے اپنے بہت ہی قریبی عزیزوں اور وطن سے جدا ہو رہے ہیں۔

پیچھے عرض کرچکا ہوں کہ شام کا علاقہ دراصل بہت بڑا علاقہ تھا، جو اَب چار چھوٹے چھوٹے ملکوں، اُردُن، سوریہ (موجودہ شام)، لبنان اور فلسطین میں تقسیم ہوگیا ہے، احادیث اور تاریخی روایات میں جہاں "شام" کا ذکر آتا ہے وہاں یہ پورا علاقہ مراد ہوتا ہے، ہم نے اس سفر میں صرف اُردُن اور شام (سوریہ) کی سیاحت کی ہے، لبنان اور فلسطین دیکھنے کی ابھی نوبت نہیں آئی، اِن دیکھے ہوئے دو ملکوں میں دمشق اور اس کے اِردگرد کا علاقہ اپنے اندر خصوصی دِلکشی اور رعنائی رکھتا ہے، اور احادیث میں اس کے فضائل بھی زیادہ آئے ہیں، اُردُن اور شام کی خاص بات یہ ہے کہ ایسے شائستہ، مہذب اور بااخلاق لوگ پورے عالمِ اسلام میں مجھے نہیں ملے، یہاں کی زبان میں بھی فصاحت و بلاغت ہے، خصوصاً شام (سوریہ) کی زبان تو بہت ہی دِلکش ہے، آب و ہوا، موسم، مناظر اور تقریباً ہر چیز ایسی ہے کہ مجھ جیسا آدمی مبہوت ہوجاتا ہے۔ لیکن میرے اہلِ تعلق میں سے جن حضرات نے شام کا سفر مجھ سے پہلے یا بعد میں کیا ہے، میں نے شام اُردُن کے بارے میں اُن کے تأثرات بالکل مختلف پائے ہیں، غالبًا اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا قیام یہاں ہوٹلوں میں ہوا، بلاشبہ ہوٹل میں قیام کی صورت میں یہاں کی معاشرت کا صحیح رنگ سامنے نہیں آسکتا، جبکہ ہمارا قیام یہاں گھروں میں اہلِ خانہ کے ساتھ ہوا، اور گھریلو اور محلّہ داریوں کا ماحول ہی ہے جو کسی علاقے کے طرزِ زندگی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

۱۳ دن کا یہ زمانہ جو اِن دونوں ملکوں میں گزرا اتنا لذیذ تھا کہ اب واپسی دِل پر گراں گزر رہی تھی، مگر تسلی کا بہت بڑا سامان یہ تھا کہ یہاں سے ہم حرمین شریفین جارہے تھے اور تھوڑی ہی دیر بعد عمرے کا اِحرام باندھنے والے تھے۔

اس مرتبہ حرمین شریفین کے اس سفر میں مدینہ منوّرہ اور تبوک کے درمیان

قومِ ثمود کی اُن عبرت ناک اُجڑی بستیوں کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا جن کا ذکر قرآنِ کریم نے بار بار کیا ہے۔

سعودی عرب میں

مکہ مکرّمہ میں ۱۳ روزہ قیام کے دوران اِمام القراء حضرت قاری فتح محمد صاحب اور حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے شاگردِ رشید جناب قاری محمد رفیق صاحب کی دعوت پر ایک دن کے لئے جدہ جانا ہوا، وہاں ان کے تعلیمی ادارے "مدرسہ مصعب بن عمیرؓ" کی ایک بڑی تقریب میں احقر کا بیان تھا، اگلے روز یکم جولائی (۲۰۰۴ء) کو وہاں سے مکہ مکرّمہ واپسی کے وقت راستے میں "قصص القرآن" کے مایۂ ناز مصنف حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے جناب بہجت ایوب زنجانی کے مکان پر دانشوروں کے ایک منتخب اجتماع سے اچانک خطاب کرنے کی نوبت آئی، جس کا عنوان تھا "اختلافِ رائے رحمت ہے اور افتراق اللہ کا عذاب" اب یہ خطاب مستقل کتابچے کی شکل میں بھی شائع ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

تقریباً ۱۵/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ (۴/جولائی ۲۰۰۴ء) کو مدینہ منوّرہ حاضری ہوئی۔

حرمین شریفین کے بارے میں تو کیا لکھوں؟ اور کیسے لکھوں؟ یہ ایسا سوال ہے کہ یہاں بار بار حاضری کے بعد بھی جواب بن نہیں پڑتا، یہاں کی ایمان افروز، پُرکیف اور پُرعظمت صورتِ حال ہی ایسی ہے کہ اسے صرف محسوس کیا جاسکتا ہے، بیان کرنا ممکن نہیں۔

اس مرتبہ مدینہ منوّرہ میں ۱۳ روزہ قیام کے دوران اُس لق و دق صحراء کا بھی

سفر ہوا جسے غزوۂ تبوک کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبور فرمایا تھا، نیز وہاں کے بہت قدیم تاریخی شہر ''العُلا'' کو بھی دیکھنے کا موقع ملا، اورقومِ ثمود کی ایک اُجڑی بستی ''مدائنِ صالح'' سے بھی گزر ہوا، جس کے عبرت ناک مناظر آج بھی سبق دینے کے لئے موجود ہیں۔

صورت یہ ہوئی کہ میرے کرم فرما دوست جناب قادراللہ صدیقی، جو مدینہ منوّرہ سے تقریباً ۲ گھنٹے کی ڈرائیو پر سعودی عرب کے مشہور ساحلی شہر ''ینبُع'' میں رہتے ہیں، اور وہاں ایک غیرملکی بڑی کمپنی میں اُونچے عہدے پر فائز ہیں، پچھلے کئی سال سے ان کا محبت بھرا اصرار چل رہا تھا کہ سعودی عرب میں ان کے ساتھ سفر کیا جائے۔ جدہ سے مکہ مکرّمہ اور وہاں سے مدینہ منوّرہ کا سفر تو کئی سال سے جناب قاری محمد رفیق صاحب کی گاڑی میں ہوتا ہے، اس مرتبہ بھی یہی ہوا، ورنہ قاری صاحب کی دِل شکنی کا اندیشہ تھا، اس لئے قادراللہ صدیقی صاحب سے طے ہوا کہ اُن کے ساتھ سفر اِن شاء اللہ سعودی عرب کے قدیم شہر ''العُلا'' کا ہوگا جو اُس صحرائی راستے پر واقع ہے جہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں تشریف لے گئے تھے۔ ''العُلا'' کے قریب ہی ''مدائن صالح'' ہے۔

ہمارے پاس ویزا ایک ماہ کا ضرور تھا مگر عمرے کے ویزے پر جدہ اور حرمین شریفین کے علاوہ کہیں اور جانے کی اجازت نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے کرم فرما دوست جناب قاری بشیر احمد صاحب کو، جو پہلے دارالعلوم کراچی میں اُستاذ تھے، اب تقریباً چالیس برس سے مدینہ منوّرہ میں فنِ تجوید وقراءات کی خدمت مسجدِ نبوی میں انجام دے رہے ہیں اور مسجدِ نبوی کے کئی ائمۂ کرام تجوید میں ان کے شاگرد ہیں، قاری بشیر صاحب سعودی شہریت حاصل کرچکے ہیں، انہوں نے اس سفر کا باضابطہ اجازت نامہ دِلوادیا۔

تبوک کے راستے میں

چنانچہ ایک بدھ کی شام بعد نمازِ مغرب قادراللہ صدیقی صاحب کی گاڑی میں سفر شروع ہوا، "العُلا" مدینہ منوّرہ اور تبوک کے تقریباً درمیان میں واقع ہے، مدینہ منوّرہ سے شمال کی سمت میں اُردُن اور شام کو جاتے ہوئے پہلے دو گھنٹے کی ڈرائیو پر خیبر آتا ہے، پھر تقریباً تین گھنٹے بعد "العُلا" (اور مدائنِ صالح) اور اس کے تقریباً چار گھنٹے بعد تبوک آتا ہے جو اُردُن کی سرحد کے پاس سعودی عرب کا قدیم بڑا شہر ہے، وہی تبوک جس کو "غزوۂ تبوک" سے ایسی شہرت اور سعادت ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا حصہ بن گیا۔

خیبر سے کچھ آگے نکل کر سرِ راہ ایک خالص عربی طرز کے ریسٹورنٹ (مَطْعَم) میں عشاء کی نماز باجماعت ادا کی، وہیں سعودی عرب کی مشہور ڈِش "رُز مَندِی" جو چاول اور گوشت سے بنائی جاتی ہے اور بڑی لذیذ ہوتی ہے، خوب سیر ہوکر کھائی، اور آگے روانہ ہوئے، گاڑی قادراللہ صدیقی صاحب چلا رہے تھے، میں برابر کی سیٹ پر تھا، میری اہلیہ اور ان کی اہلیہ پچھلی سیٹ پر۔ ایک اور پاکستانی دوست جناب انوار صاحب کی گاڑی بھی ساتھ تھی، مدینہ منوّرہ میں ان کا گاڑیوں کا ورکشاپ ہے، ان کی بھی یہ خواہش رہتی ہے کہ اُن کے ساتھ سفر ہو، کئی بار ہمیں مدینہ منوّرہ سے مکہ معظّمہ کا سفر کرا چکے ہیں، ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے عزیزم اُویس سلّمہٗ کے علاوہ دو نوخیز نوجوان اور تھے، ایک میرے بھانجے مولانا امین اشرف صاحب کے صاحبزادے عمار سلّمہٗ اور دُوسرے میری بھانجی کے بیٹے نعمان عزیز سلّمہٗ یہ دونوں بھی ماشاء اللہ مدینہ منوّرہ ہی میں رہتے ہیں۔ اس طرح ہمارا قافلہ ۲ گاڑیوں میں آٹھ افراد پر مشتمل تھا۔

خیبر سے تبوک تک کا راستہ انتہائی خوفناک لق و دق صحراء پر مشتمل ہے،

ہمیں یہ سفر اس طویل فاصلے میں سے صرف نصف سے بھی کچھ کم یعنی شہر ''العُلا'' تک کرنا تھا۔

کچھ حال غزوۂ تبوک کا

اگرچہ ایک سال پہلے ۲۰۰۳ء میں ہم تبوک کا سفر مدینہ منوّرہ سے کرکے وہاں کے آثارِ قدیمہ کی زیارت کرچکے تھے، اُس مسجد میں بھی نماز پڑھنے کی سعادت ملی تھی جو ''مسجد الرسول'' کے نام سے مشہور ہے، یہ مسجد اسی جگہ بنائی گئی ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً بیس ۲۰ روز قیام فرمایا تھا، وہیں لشکرِ اسلام نے پڑاؤ ڈالا تھا، پانی کے اُس چشمے کی بھی زیارت کی تھی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ظاہر ہوا تھا، یہ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں اس چشمے پر پہنچے تو اس میں سے پانی کا ایک ایک قطرہ رِس رہا تھا، لشکرِ اسلام کو جو تیس ہزار صحابہ کرامؓ پر مشتمل تھا، پانی کی ضرورت تھی، بمشکل کچھ پانی ایک برتن میں جمع کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ہاتھ منہ دھوکر وہ پانی پھر اس چشمے میں ڈال دیا، اس کا ڈالنا تھا کہ چشمہ اُچھلتا ہوا فوارہ بن گیا، پورا لشکر سیراب ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے فرمایا:

> اگر تم زندہ رہے تو اس خطے کو باغات سے سرسبز و شاداب دیکھوگے۔[1]

مشہور مؤرّخِ اسلام ابنِ اسحاق فرماتے ہیں کہ ''آج تک وہ فوارہ جاری ہے، دُور سے اس کی آواز سنائی دیتی ہے''۔[2]

مگر ہمارا وہ سفر ہوائی جہاز میں ہوا تھا، اس لق و دق صحراء اور ''العُلا'' کو دیکھنے کی نوبت نہ آئی تھی، اسے دیکھنے کو اس لئے دِل چاہتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ

---

(۱) سیرۃ المصطفیٰ ج:۳ ص:۹۳، بحوالہ صحیح مسلم۔

(۲) سیرۃ المصطفیٰ ج:۳ ص:۹۳، بحوالہ خصائص کبریٰ۔

علیہ وسلم کو غزوۂ تبوک میں جاتے ہوئے اسی خوفناک صحراء سے شدید گرمی کے موسم میں گزرنا پڑا تھا، اور طرح طرح کی انتہائی صبر آزما صعوبتیں برداشت کرنی پڑی تھیں، منافقین کی خوفناک سازشوں اور طرح طرح کی ایذاؤں کا بھی سامنا کرنا پڑا، قرآنِ حکیم نے اس غزوے سے متعلق جتنے اَحکام و ہدایات اور دیگر اُمور بیان کئے ہیں، اتنے کسی اور غزوے میں نظر نہیں آتے۔ سورۂ توبہ کا آخری تقریباً تین چوتھائی حصہ اسی سے متعلق ہے۔ مگر اس سفر میں مشقتوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص خاص رحمت کے عجیب و غریب معجزات بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور لشکرِ اسلام کی تسلی کے لئے رونما ہوتے رہے۔ اسی سفر میں آپ نے ''العُلا'' میں بھی قیام فرمایا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سفر اس لئے ہوا کہ فتحِ مکہ اور غزوۂ حنین کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ پہنچے تو اطلاع ملی کہ ''غزوۂ موتہ''، جس کا حال آپ نے اس سفرنامے کے شروع میں پڑھا ہے، اُس کے شکست خوردہ رُومیوں نے بہت بڑا لشکر مدینہ منوّرہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا ہے، جس کا ہراول دستہ (اُردُن کے علاقے) ''بَلْقَاء'' تک پہنچ گیا ہے، اور ہرقل قیصرِ رُوم نے ساری فوج کو سال بھر کی تنخواہیں بھی تقسیم کردی ہیں۔[1]

اُس وقت مسلمان قحط سالی کی وجہ سے نہایت تنگدستی اور فقر و افلاس کی حالت میں تھے، موسم بھی سخت گرمی کا تھا، کھجوریں پک رہی تھیں، نخلستانوں سے سال بھر کی محنت اور انتظار کا پھل ملنے والا تھا، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مشکل فیصلہ فرمالیا کہ دُشمن کے سرزمینِ عرب میں داخل ہونے سے پہلے ہی خود آگے بڑھ کر اس کا مقابلہ ''تبوک'' پہنچ کر کیا جائے۔

چنانچہ ماہِ رجب ۹ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کا لشکر جاں نثار صحابہ کرامؓ کو لے کر روانہ ہوئے، لشکر کی ہی تعداد پچھلے تمام غزوات کے مقابلے میں

(۱) سیرۃ المصطفیٰ ج:۳ ص:۸۶، بحوالہ مجمع الزوائد، وتفسیر معارف القرآن ج:۴ ص:۳۷۶، ۳۷۷۔

سب سے زیادہ تھی۔ گرمی کی شدّت، ساز و سامان کی قلت اور کٹھن راستے کی صعوبتوں میں جن صبر آزما حالات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے پُرعزم صحابہ کرامؓ کو گزرنا پڑا، ان کا اندازہ آج کا وہ مسافر کر ہی نہیں سکتا جو اس صحراء میں اعلیٰ درجے کی پختہ ہموار سڑک پر ایئر کنڈیشنڈ گاڑی میں سفر کر رہا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ نے مدینہ منوّرہ سے تبوک تک کا سفر بھوک پیاس اور شدید مشقتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے تقریباً ۱۵ روز میں طے فرمایا تھا، اس صحراء میں اب بھی میل ہا میل تک زندگی کے آثار نظر نہیں آتے۔

غزوۂ تبوک میں جنگ کی نوبت نہیں آئی، کیونکہ دُشمن کو جب پتہ چلا کہ لشکرِ اسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفسِ نفیس لے کر آ رہے ہیں تو مرعوب ہو کر واپس چلا گیا۔

لشکرِ اسلام کی آزمائشیں اور اللہ کی مدد

اسی کٹھن سفر کے دوران ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ خوراک ختم ہوگئی، سخت تکلیف کا سامنا ہوا، بھوک سے بے تاب ہو کر صحابہ کرامؓ نے درخواست کی کہ: یا رسول اللہ! آپ اجازت دیجئے کہ ہمارے جو اُونٹ پانی بھر کر لانے کے لئے ہیں انہیں کاٹ کر کھانے کا سامان کرلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔

فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ: یا رسول اللہ! ایسا کرنے سے جانور کم رہ جائیں گے (جبکہ سفر بہت کٹھن اور طویل ہے)، اگر آپ لشکر میں اعلان فرمادیں کہ جس کسی کے پاس جو کچھ بھی بچی کھچی کھانے کی کوئی چیز ہے وہ یہاں لا کر جمع کردے، پھر جو کچھ جمع ہو اُس پر آنحضرت برکت کی دُعا فرمادیں، شاید اللہ تعالیٰ اس کے اندر برکت پیدا فرمادے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مشورہ پسند فرما کر اعلان فرمادیا اور چمڑے کا

دسترخوان بچھادیا گیا، اب کوئی مٹھی بھر جوار کے دانے لے آیا، جس کے پاس گندم کے کچھ دانے تھے وہ لے آیا، کوئی آدمی ایک ٹکڑا (روٹی وغیرہ کا) لے آیا، کسی نے مٹھی بھر کھجوریں لاکر پیش کردیں اور جس کے پاس کھجور کی صرف گٹھلیاں تھیں وہی لاکر حاضر کردیں۔

یہ واقعہ حدیث کی مشہور و معروف کتاب ''صحیح مسلم'' میں نقل ہوا ہے، اسی میں یہ بھی ہے کہ: جب راوی (ابو صالح) نے گٹھلیوں کا ذکر کیا تو اُن کے شاگرد (طلحہ) نے پوچھا: ''لشکر کے یہ حضرات ان گٹھلیوں کا کیا کرتے تھے؟'' تو ابو صالح نے بتایا کہ وہ اِن گٹھلیوں کو چوستے تھے اور اُوپر سے پانی پی (کر دِل کو بہلا) لیتے تھے!

غرض دسترخوان پر یہ تھوڑی سی چیزیں جمع ہوگئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دُعا فرمائی اور اعلان فرمادیا کہ: سب اپنے اپنے برتن لے آئیں، اب تو سب نے اپنے اپنے برتنوں میں یہ کھانا بھرنا شروع کردیا یہاں تک کہ پورے لشکر میں جو جو برتن بھی موجود تھے وہ سب بھر لئے گئے، پھر سب نے خوب سیر ہوکر کھایا، اس کے بعد بھی (دسترخوان پر) کچھ کھانا بچ رہا۔ اس معجزے کے ظاہر ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ (گواہی دیتا ہوں) کہ میں اللہ کا رسول ہوں، جو شخص بھی ان دو گواہیوں کے ساتھ اللہ سے ملے گا اور ان کے بارے میں شک نہ رکھتا ہوگا وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔[1]

ہمارا سفر بھی اسی صحراء میں ہو رہا تھا، قادراللہ صدیقی صاحب ماشاء اللہ بہت فعال شخصیت کے مالک ہیں، ہر کام میں اُن کی رفتار تیز ہوتی ہے، ڈرائیونگ بھی اس

---

(۱) صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۴۷، ۱۴۸، باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنۃ قطعاً، کتاب الایمان ج:۱ ص: ۵۷۷ تا ۵۷۹۔

سے مستثنیٰ نہیں، ایئر کنڈیشنڈ گاڑی صحراء کی اندھیریوں کا سینہ چاک کرتی ہوئی، اعلیٰ درجے کی ہموار سڑک پر گویا تیر رہی تھی، مگر اسی رفتار سے حافظے میں اُس لشکرِ اسلام کے مناظر اُبھر رہے تھے جو کبھی گھوڑوں اور اُونٹوں پر اس آگ اُگلتے صحراء کو عبور کر رہا تھا، اور دُنیا کی اُس وقت کی سپر طاقت ''رومن ایمپائر'' سے ٹکر لینے جارہا تھا۔ اِن جاں نثاروں پر موسم اور حالات کی ساری سختیاں اس احساس نے آسان کردی - بلکہ لذیذ بنادی- تھیں کہ اُن کا قائد نبی آخر الزماں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس ان کے ساتھ ہے، جو دُنیا میں وہ سنہرا انقلاب لا رہا ہے جس کو اِنسانیت صدیوں سے ترس رہی تھی، جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فریضہ سونپا گیا ہے کہ وہ انسانیت کو جہالت وگمراہی کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نکال کر علم وحکمت اور ایمان کی شاہراہ پر لا کھڑا کرے، وہی عظیم شاہراہ جو سیدھی جنت کو جاتی ہے۔

ایک اور واقعہ

صحیح مسلم[1] میں ایک اور واقعہ نقل ہوا ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی سفر میں پیش آیا تھا: حضرت[2] ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا کہ: آج شام اور پوری رات سفر جاری رکھنے کے بعد تم اِن شاء اللہ کل کو پانی پر پہنچ جاؤ گے، یہ سن کر لوگ ایسے رواں دواں ہوئے کہ کوئی کسی کو مڑ کر نہ دیکھتا تھا۔ ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ: اسی دوران جبکہ آدھی رات اس حالت میں گزر چکی تھی کہ میں (اپنی سواری پر) آپ کے پہلو بہ پہلو چلا

---

(۱) صحیح مسلم حدیث نمبر:۱۵٦۷، باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ .... الخ، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، ج:۴ ص:۴۹۲۔

(۲) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خیبر سے واپسی پر پیش آیا تھا، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ سے واپسی پر، اور مصنَّف عبدالرزاق اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ تبوک کے راستے میں پیش آیا تھا۔ عمدۃ القاری ج:۴ ص:۲۷، ودلائل النبوۃ للبیہقیؒ ج:۵ ص:۲۴۱۔

جارہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُونگھ آگئی جس سے آپ اپنی ناقہ (اُونٹنی) پر ایک طرف کو جھک گئے تھے، میں نے قریب آکر آپ کو جگائے بغیر اپنا سہارا دیا تو آپ اُونٹنی پر سیدھے ہوگئے اور چلتے رہے یہاں تک کہ رات دو تہائی سے زیادہ گزر گئی۔

آپ پھر ایک طرف کو جھک گئے، میں نے پھر آپ کو جگائے بغیر اپنے جسم کا سہارا دیا تو آپ پھر اپنی سواری پر سیدھے ہوگئے، اور چلتے رہے، یہاں تک کہ سحری کا وقت ہوا تو آپ پچھلی دو مرتبہ سے بھی زیادہ اتنے جھک گئے کہ گرنے کے قریب ہوگئے تھے، میں نے پھر (حسبِ سابق چلتے چلتے) سہارا دیا، اب آپ نے سر اُٹھایا اور پوچھا: "کون ہے؟" میں نے عرض کیا: "ابوقتادہ"۔

آپ نے پوچھا: "تم کب سے اس طرح میرے ساتھ چل رہے ہو؟" میں نے عرض کیا: "پوری رات اسی طرح چلتا رہا" آپ نے فرمایا: "اللہ تمہاری حفاظت کرے جیسے تم نے اُس کے نبی کی حفاظت کی"۔

پھر آپ نے پوچھا: "کوئی (ساتھی) نظر آتا ہے؟" (رات میں چلتے چلتے لشکر کے لوگ منتشر ہوگئے تھے)، میں نے عرض کیا: "ایک سوار تو یہ ہے" ___ میں پھر بولا: "یہ ایک سوار اور ہے" ___ ابوقتادہؓ کہتے ہیں: "حتیٰ کہ ہم سات ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستے سے ایک طرف کو ہٹ گئے اور (سواری سے اُتر کر) آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے، اور فرمایا: "ہماری نماز (فجر) کی حفاظت کرنا" ___ (مگر ہوا یہ کہ سب ساتھیوں کی آنکھ لگ گئی)۔

سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی تو آفتاب مشرق سے طلوع ہورہا تھا، ابوقتادہؓ کہتے ہیں: ہم گھبرا گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سوار ہوجاؤ" ہم سوار ہوکر روانہ ہوئے، یہاں تک کہ جب آفتاب اُونچا ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اُتر گئے، پھر آپ نے لوٹا طلب کیا جو میرے پاس تھا، اُس میں کچھ پانی تھا، آپ نے اُس سے وضو اس طرح

کیا کہ پانی معمول سے کم خرچ کیا، اور لوٹے میں کچھ پانی بچ گیا، پھر ابوقتادہؓ سے فرمایا: ''ہمارے لئے اپنا لوٹا محفوظ رکھنا اس کی بڑی شان ظاہر ہونے والی ہے۔''

اس کے بعد بلال رضی اللہ عنہ نے اَذان دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں (سنتِ فجر) ادا کیں، پھر نمازِ فجر (باجماعت) پڑھی اور سارے کام حسبِ معمول انجام دیئے، پھر آپ سوار ہوئے تو ہم بھی سوار ہوگئے اور آپس میں سرگوشی کرنے لگے کہ: نماز میں ہم سے جو کوتاہی سرزد ہوئی ہے اُس کا کفارہ کیا ہوگا؟ اس پر آپ نے فرمایا: ''کیا تمہارے لئے میرا نمونہ کافی نہیں؟'' پھر فرمایا: ''سنو! (غیر اختیاری) نیند میں کوئی کوتاہی (شمار) نہیں ہوتی، کوتاہی تو اس کی ہے جو نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ دُوسری نماز کا وقت آجائے، پس جس سے ایسا ہوجائے (کہ نیند میں نماز قضا ہوجائے) وہ جب جاگے تو قضا نماز پڑھ لے، پھر اگلے دن نماز حسبِ معمول اپنے وقت پر پڑھے''۔

پھر پوچھا: ''تمہارا کیا خیال ہے (ہمارے لشکر کے) لوگوں نے کیا کیا ہوگا؟'' پھر خود ہی فرمایا: ''جب صبح کو انہوں نے اپنے نبی کو نہ پایا تو ابوبکر وعمر نے تو ساتھیوں سے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے ہیں، وہ تمہیں چھوڑ کر آگے ہرگز نہیں گئے ہوں گے (اس لئے تمہیں ان کا انتظار کرنا چاہئے)، اور دُوسروں نے کہا کہ: رسول اللہ آگے جاچکے ہیں (اس لئے اب تم آگے بڑھ کر اُن سے جاملو) پس اگر انہوں نے ابوبکر وعمر کی بات مان لی تو یہ ان کا دُرست فیصلہ ہوگا''۔

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: بالآخر ہم لشکر کے پاس پہنچے تو دن پھیل چکا تھا، ہر چیز تپ رہی تھی، لوگ کہہ رہے تھے: ''یا رسول اللہ! ہم ہلاک ہوگئے، ہم پیاسے ہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم پر کوئی ہلاکت نہیں'' پھر اپنا پیالہ اور میرا وہ لوٹا طلب کیا، اور لوٹے سے پانی اُس پیالے میں ڈالنا شروع کردیا، میں لوگوں کو پلانے لگا، اب جیسے ہی لوگوں نے لوٹے میں یہ ماجرا دیکھا تو اُس پر ٹوٹ پڑے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپس میں برتاؤ اچھا رکھو، سب کو خوب پانی ملے گا'' لوگوں نے تعمیل کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی ڈالتے رہے، میں لوگوں کو پلاتا رہا، یہاں تک کہ میرے سوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہ بچا۔ کہتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پانی اُنڈیلا اور فرمایا: ''لو پیو'' میں نے عرض کیا: جب تک آپ نہیں پئیں گے یا رسول اللہ! میں نہیں پیوں گا'' آپ نے فرمایا: ''ساقی سب سے آخر میں پیا کرتا ہے'' ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اب میں نے بھی پیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی۔

ہمارا سفر بھی اس راستے پر اِن ہی واقعات کو یاد کرتے ہوئے جاری تھا، کہ تقریباً ایک بجے شب کو ایک دوراہا سامنے آیا، وہاں لگا ہوا بورڈ بتلا رہا تھا کہ تبوک کو تو یہی ہائی وے جائے گا، اور ''العُلا'' کے لئے ہمیں دائیں سڑک پر مڑنا ہوگا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک تشریف لے گئے تھے تو روایات میں آتا ہے کہ راستے میں الحجر (مدائن صالح) بھی پڑا تھا، (جو ''العُلا'' کے قریب ہے) مگر اب جو ہائی وے تبوک جاتا ہے اُس میں مدائن صالح راستے میں نہیں آتا۔ معلوم ہوا کہ اب جس سڑک پر ہم ''العُلا'' کی طرف مڑ چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر بھی اسی سمت سے ہوا تھا۔ اب یہ سڑک بھی کشادہ اور اعلیٰ درجے کی ہے، یہاں سے دائیں بائیں، فاصلے فاصلے سے چھوٹے بڑے ٹیلے اور پہاڑ بھی رات کی تاریکی میں سایوں کی طرح نظر آنے لگے تھے، صدیقی صاحب ڈرائیونگ میں مگن تھے، اور شاید یہی وقت تھا جب میں ان کو ایک اور واقعہ سنانے لگا تھا۔

ایک اور معجزہ

وہ واقعہ بھی صحیح مسلم[1] میں آیا ہے، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

---

(۱) صحیح مسلم حدیث نمبر:۱۵۶۸، باب قضاء الصلوة الفائتة .... الخ، کتاب المساجد ج:۴ ص:۵۰۱۔

بھی تبوک کے سفر میں پیش آیا تھا،(۱) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، ہم نے رات بھر سفر جاری رکھا۔ (آگے صبح کے کچھ واقعات بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ) پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سواروں کے ساتھ پانی تلاش کرنے کے لئے آگے روانہ کردیا، اُس وقت ہم پیاسے تھے، سخت پیاس میں چلے جارہے تھے کہ ایک عورت ملی جو سواری پر پانی کی دو بڑی بڑی مشکیں لئے جارہی تھی، ہم نے اُس سے پوچھا: ''پانی کہاں ہے؟'' وہ بولی: ''بہت دُور، بہت دُور، تمہیں پانی نہیں مل سکتا۔''

ہم نے پوچھا ''تمہارے گھر سے پانی تک فاصلہ کتنا ہے؟'' اُس نے کہا: ''ایک دن ایک رات''۔

ہم نے کہا: ''ہمارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو'' وہ بولی: ''کون رسول اللہ؟'' مگر ہم اُسے کوئی موقع دیئے بغیر ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال پر اُس نے آپ کو بھی وہی بتایا جو ہمیں بتایا تھا، اور بتلایا کہ اُس کے بچے یتیم ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اُس کے اُونٹ کو بٹھادیا گیا، اور آپ نے اُن دونوں مشکوں کے منہ میں کلی فرمائی، اور اُونٹ کو کھڑا کردیا گیا، پھر ہم نے (ان مشکوں) سے پانی پیا، ہم چالیس افراد تھے اور بالکل پیاسے تھے، حتیٰ کہ خوب سیراب ہوگئے، اور جتنی مشکیں اور برتن ہمارے ساتھ تھے وہ سب بھر لئے، (ایک) ساتھی کو

---

(۱) پچھلے واقعہ کی طرح اس کے بارے میں بھی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیبر سے واپسی پر پیش آیا تھا، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ سے واپسی پر، اور مصنَّف عبدالرزاق اور دلائل النبوۃ (للبیہقی) کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں پیش آیا تھا (عمدۃ القاری ج:۴ ص:۲۷، و فتح الباری ج:۱ ص:۴۴۸، ۴۴۹)۔

غسل بھی کروایا، جبکہ اُس خاتون کی مشکیں جوں کی توں اُسی طرح بھری رہیں، یوں لگتا تھا جیسے وہ پانی کی کثرت سے پھٹ جائیں گی۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہم ساتھیوں سے) فرمایا: ''جو کچھ تمہارے پاس ہے لے آؤ'' چنانچہ ہم نے اُس خاتون کے لئے کچھ ٹکڑے اور کچھ کھجوریں جمع کر کے ایک تھیلی میں باندھ دیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے فرمایا: ''جاؤ یہ اپنے گھر والوں کو کھلاؤ، اور دیکھ لو کہ ہم نے تمہارے پانی میں کچھ بھی کمی نہیں کی''۔

جب یہ عورت اپنے گھر پہنچی تو (وہاں لوگوں سے) کہا: ''میں تو سب سے بڑے جادوگر سے ملی ہوں، بلکہ وہ تو نبی ہے جیسا کہ وہ دعویٰ کرتا ہے'' پھر سارا ماجرا سنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس بستی کو اِس خاتون کی بدولت ہدایت عطا فرمادی، وہ خاتون بھی مسلمان ہوگئی اور بستی کے لوگ بھی۔

ایک اور معجزہ

اسی سفر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدائن صالح (الحجر) سے آگے جا چکے تھے تو راستے میں آپ کی ناقہ (اُونٹنی) گم ہوگئی، غزوۂ تبوک کے اس سفر میں کچھ منافقین بھی جاسوسی اور شرارتوں کے ارادے سے ساتھ ہوگئے تھے، اُن میں سے ایک نے کہا: ''آپ آسمان کی خبریں تو سناتے ہیں، اپنی ناقہ کی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خدا کی قسم! مجھ کو کسی چیز کا علم نہیں سوائے اُس کے کہ جو اللہ نے مجھ کو بتادیا ہے، اور اب اللہ کے خبر دینے سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ناقہ فلاں وادی میں ہے، اور اس کی مہار ایک درخت سے اَٹک گئی ہے، جس سے وہ رُکی ہوئی ہے۔'' چنانچہ صحابہ کرامؓ جا کر اُس اُونٹنی کو لے آئے۔[1]

---

(۱) سیرۃ المصطفیٰ ج:۳ ص:۹۲، بحوالہ بیہقی وابونعیم۔

شہر ''العُلا''(وادی القُریٰ) میں

گاڑی جس رفتار سے دوڑ رہی تھی، یہ یادیں بھی اُسی رفتار سے ہماری رفیقِ سفر تھیں، اِن میں ایسی محویت ہوئی کہ وقت کا پتہ چلا نہ تکان کا، یہاں تک کہ دونوں گاڑیاں ''العُلا'' شہر میں داخل ہوگئیں، اب یہ نئے طرز کا خوبصورت صاف ستھرا شہر ہے، کشادہ سڑکیں طرح طرح کی لائٹوں اور قمقموں سے جگمگا رہی تھیں۔

یہ ''وادی القُریٰ'' کا مرکزی شہر ہے، اس کا شمار دُنیا کے قدیم ترین شہروں میں ہوتا ہے، بہت قدیم زمانے میں اس شہر کا نام ''دَیُدَان'' تھا، پھر عرصۂ دراز تک یہ ''قَرح'' کے نام سے مشہور رہا، زمانۂ جاہلیت کے آخری اور اسلام کے ابتدائی دور میں اس کا ذکر تاریخ و سیرت کی کتابوں میں ''وادی القُریٰ'' کے نام سے ملتا ہے، یعنی ''وادی القُریٰ'' کا مرکزی شہر ہونے کی وجہ سے خود اس شہر کا نام بھی ''وادی القُریٰ'' پڑ گیا تھا، پھر اسلام کی دُوسری صدی میں اس کا نام ''العُلا'' پڑ گیا، اب تک یہی نام چلا آرہا ہے۔

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ میں فتحِ خیبر کے متصل بعد اس کا رُخ فرمایا، اُس وقت اس شہر کا نام ''وادی القُریٰ'' تھا، اور یہاں عرب کا مشہور قبیلہ ''بنی عُذرة'' آباد تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار دن محاصرے کے بعد اسے فتح فرمالیا، اس قبیلے کے ایک سردار حمزۃ بن نعمان بن ہوذۃ العذری رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ایک جاگیر عطا فرمائی تھی، اور یہاں کا عامل (گورنر) اوّلاً حضرت عمرو بن سعید بن العاص بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کو، پھر فتحِ مکہ کے

بعد یزید بن ابی سفیان کو مقرّر فرمایا تھا۔[1]

یہیں چار روزہ قیام کے دوران وہ واقعہ پیش آیا تھا جسے اِمام بخاریؒ و اِمام مسلمؒ نے ''صحیحین'' میں روایت کیا ہے کہ: آپ کا غلام مِدْعم اُونٹ سے آپ کا کجاوہ اُتار رہا تھا کہ ایک ناگہانی تیر آکر لگا جس سے وہ جاں بحق ہوگیا، صحابہ کرامؓ نے کہا: ''اس کو شہادت مبارک ہو'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، اللہ کی قسم جس چادر کو اُس نے (خیبر کے) مالِ غنیمت سے چرایا ہے وہ آگ بن کر اُس پر بھڑک رہی ہے'' ایک شخص نے جب یہ سنا تو جوتے کا ایک تسمہ لے کر آیا، اُس نے بھی یہ مالِ غنیمت سے بغیر اجازت لے لیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جوتے کا ایک تسمہ بھی (خیانت سے لیا ہوا، جہنم کی) آگ میں سے ہے''۔[2]

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں جاتے ہوئے بھی قیام فرمایا تھا، اور جہاں نماز پڑھی، بعد میں وہاں مسجد بنادی گئی تھی، بلکہ اس طویل سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے تبوک تک جس جس جگہ منزل فرمائی تھی، ایسی ہر جگہ پر بعد میں مسجد[3] بنادی گئی۔

وادی القُریٰ بہت بڑا علاقہ ہے جس میں شہر ''العُلا'' سمیت چھوٹی بڑی تہتّر بستیاں ہیں، انہی میں اَلحِجر (مدائن صالح) بھی ہے۔[4] پانی کی کمی نہیں، فاصلے فاصلے

---

(۱) ملاحظہ ہو: ''معجم و تاریخ القُریٰ فی وادی القُریٰ'' (تالیف زین بن معزی بن صالح النزی) ص:۲۷۶ تا ۲۸۱، وص:۲۸۷، وص:۳۰۴، وص:۳۰۷ تا ۳۰۹، بحوالہ ''فتوح البلدان'' للبلاذریؒ وغیرہ۔ یہ کتاب عربی میں ہے، اب سے دس سال قبل سعودی عرب سے شائع ہوئی ہے، اس کے مصنف ''وادی القُریٰ'' ہی کے باشندے ہیں۔ رفیع

(۲) سیرۃ المصطفیٰ ج:۲ ص:۴۴۳۔

(۳) ''معجم و تاریخ القری فی وادی القُریٰ'' ص:۳۱۰ وص:۲۴۴ بحوالہ ''معجم البلدان'' لیاقوت۔

(۴) اِن بستیوں اور مدائن صالح کے مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ''معجم و تاریخ القُریٰ فی وادی القُریٰ'' ص:۱۲ تا ۳۲۵۔

سے کھیت اور کھجور کے باغات بھی نظر آتے ہیں، یہ وادی ''خیبر'' اور ''تیماء'' کے درمیان ہے، یہاں بارشوں کا سالانہ اوسط ۲۵۴ ملی میٹر ہے۔[1]

قادراللہ صدیقی صاحب نے یہاں کے ایک پاکستانی بھائی جناب عبدالوحید صاحب کے ساتھ پہلے سے نظم طے کیا ہوا تھا، اب موبائل فون پر رابطہ کیا تو وہ اور ان کے احباب منتظر تھے، مگر ان کا پتہ سمجھنے میں بار بار مغالطہ ہوا کیونکہ سگنل کبھی ملتے اور کبھی غائب ہوجاتے، اسی تلاش میں دونوں گاڑیاں شہر کی بہت سی سڑکوں اور گلیوں کی سیر کراتی رہیں، اِکا دُکا اَشخاص کے سوا پورا شہر نیند کی آغوش میں تھا، صرف ہماری ہی گاڑیاں تھیں جو شہر کے سکون میں خلل ڈال رہی تھیں، بالآخر عبدالوحید صاحب نے ہم کو، اور ہم نے ان کو پالیا، سب بہت محبت اور تپاک سے ملے۔

ارادہ کسی ہوٹل میں ٹھہرنے کا تھا، مگر اُن حضرات نے کہا کہ رات تو تقریباً گزر ہی چکی ہے، ڈیڑھ گھنٹے بعد فجر کی اَذان ہوجائے گی، اس لئے ہم چاروں کو عبدالوحید صاحب اصرار کرکے اپنے گھر لے گئے اور دُوسری گاڑی کے رفقائے سفر کو، جو سب کے سب مرد تھے، ایک اور جگہ ٹھہرادیا، اِن میزبانوں کی یہ محبت اور اِیثار دِل پر نقش ہے کہ اِن حضرات نے یہ رات ہماری خاطر جاگ کر گزاری تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات ہم جیسے نو واردوں کے لئے اس طرح کی خدمت و اِیثار کے عادی ہیں، اور یہ ان کے معمولات میں داخل ہے، اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزا عطا فرمائے۔

حجاج کے قافلوں کی آرام دہ منزل

یہ مہمان نوازی اس شہر کے لئے اس وجہ سے بھی نئی نہیں ہے کہ یہ صدیوں سے مصر و شام، فلسطین و لبنان اور اُردُن سے حج کو جانے والے قافلوں کے لئے راستے کی نہایت آرام دہ منزل بنا ہوا ہے۔

---

(۱) حوالۂ بالا ص:۲۴۱ و ص:۳۰۶۔

مشہور سیاح ''ابنِ بطوطہ'' (۷۲۶ھ) ''العُلا'' کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

یہ ایک بڑی اور خوبصورت بستی ہے، اس میں کھجوروں کے باغات اور پانی کی فروانی ہے، اس میں حج کو جانے والے قافلے چار دن تک قیام کرتے ہیں، آگے جانے کے لئے کھانے پینے کا نیا سامان ساتھ لیتے ہیں، اپنے کپڑے دھوتے ہیں، اور اُن کے پاس جو سامان آگے کی ضرورت سے زائد ہو اُسے یہیں چھوڑ جاتے ہیں، اس بستی کے لوگ امانت دار ہیں، (واپسی پر حجاج کو یہ سامان جوں کا توں محفوظ حالت میں مل جاتا ہے)۔

ایک اور بزرگ عبدالقادر الجزیری الانصاریؒ (۹۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

''جب مسافر ''العُلا'' پہنچتے ہیں تو وہاں دو تین دن ٹھہرتے ہیں، اور حاجی اور دُوسرے لوگ اپنا سامان واپسی تک کے لئے وہاں امانت کے طور پر رکھوا جاتے ہیں''[۱]۔

ایک گھنٹہ آرام کے بعد نمازِ فجر باجماعت ادا کرکے ہم دوبارہ سو گئے، نو بجے اُٹھ کر نمازِ اِشراق اور ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوکر دونوں گاڑیاں پھر روانہ ہوگئیں، عبدالوحید صاحب اور ان کے رُفقاء کی گاڑی ہماری قیادت کر رہی تھی جس کا رُخ شمال میں قومِ ثمود کے علاقے ''مدائن صالح'' کی طرف تھا۔ ''مدائن صالح'' کا فاصلہ شہر ''العُلا'' سے ۲۵ کلومیٹر ہے اور مدینہ منوّرہ سے ۳۹۵ کلومیٹر، اور مدائن صالح سے شمال کی طرف تبوک کا فاصلہ ۴۸۵ کلومیٹر ہے۔ مدائن صالح ہی کا دُوسرا نام ''اَلْحِجر'' ہے[۲]، راستے میں کچھ اور چیزیں بھی دیکھنے اور سننے کو ملیں۔

اسلامی خلافت کا یادگار ریلوے اسٹیشن

اسلامی خلافت کے آخری دور میں جب دارالخلافہ ''استنبول'' تھا، خلیفہ

---

(۱) حوالۂ بالا ص:۴۲۵۔ (۲) حوالۂ بالا ص:۲۲، ص:۳۱۷۔

(امیرالمؤمنین) کے حکم پر ترکی سے مدینہ منوّرہ تک ریلوے لائن بچھائی گئی تھی، جو شام، اُردُن، تبوک، مدائن صالح اور "العُلا" سے ہوتی ہوئی مدینہ منوّرہ پہنچتی تھی، اس پر مدینہ منوّرہ اور استنبول کے درمیان سفروں کا سلسلہ عرصۂ دراز تک باقاعدگی سے جاری رہا۔ میں نے مدینہ منوّرہ کا اُس زمانے کا ریلوے اِسٹیشن حال[1] ہی میں دیکھا ہے، جب میں سعودی حکومت کے مہمان کے طور پر سعودی عرب کا مطالعاتی دورہ کررہا تھا،[2] مجھے وہاں تیار حالت میں ریلوے لائن پر کھڑے ہوئے ریل کے دو انجن، مسافروں کی بوگیاں، مال گاڑی کے ڈَبے، ریلوے لائن، پلیٹ فارم اور انتظارگاہیں وغیرہ بہت تفصیل سے دِکھائی گئیں، اور بتایا گیا کہ یہ انجن اب بھی ایسی تیار حالت میں ہیں کہ اگر راستے کی ریلوے لائن جو ناقابلِ استعمال ہوگئی ہے، سالم ہوتی تو ان سے ترکی تک سفر کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ یہ انجن ۱۲۵ سال پُرانے ہیں۔ اب یہ بطور تاریخی یادگار کے محفوظ کرلئے گئے ہیں۔

غرض اس ریلوے لائن پر برسوں مدینہ منوّرہ اور استنبول کے درمیان ریلیں رواں دواں رہی ہیں، یہ کتنے ہی اسلامی ملکوں کو آپس میں ملاتی تھی، باہمی تجارت آسان ہوگئی تھی، عوام اور خصوصاً حجاج کا سفر تو بہت ہی آسان ہوگیا تھا، مگر دُشمنانِ اسلام کی عالمی سازشوں سے جو جو زخم عالمِ اسلام کو کھانے پڑے ہیں، ان میں سب سے بڑا گھاؤ خلافتِ اسلامیہ کا خاتمہ ہے، اور اُس کے ساتھ جن جن اُمورِ خیر سے اُمت محروم ہوئی ان میں یہ ریلوے لائن بھی ہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

یہ ریلوے لائن "العُلا" سے گزرتی تھی، چنانچہ تیرھویں صدی کے آخر میں

---

(۱) یعنی میں اپنے جس سفر کا یہ سفرنامہ لکھ رہا ہوں اس کے اگلے سال مارچ واپریل ۲۰۰۵ء میں۔ رفیع۔ یکم ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ (۲۹/اپریل ۲۰۰۶ء)

(۲) اُس سفر کا کچھ حال اور تأثرات روزنامہ "جنگ" میں انٹرویو کے طور پر شائع ہوئے تھے، پھر ماہنامہ "البلاغ" ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ (دسمبر ۲۰۰۵ء) کے شمارے میں بھی شائع ہوگئے۔

دوراہے پر ایک بورڈ جو ''العلا'' شہر کو جانے والے راستے کی نشاندہی کر رہا ہے۔ یہ تبوک اور اردن کے راستہ پر بنے ہوئے پُل سے ۴۰۰ میٹر کے فاصلے پر ہے۔
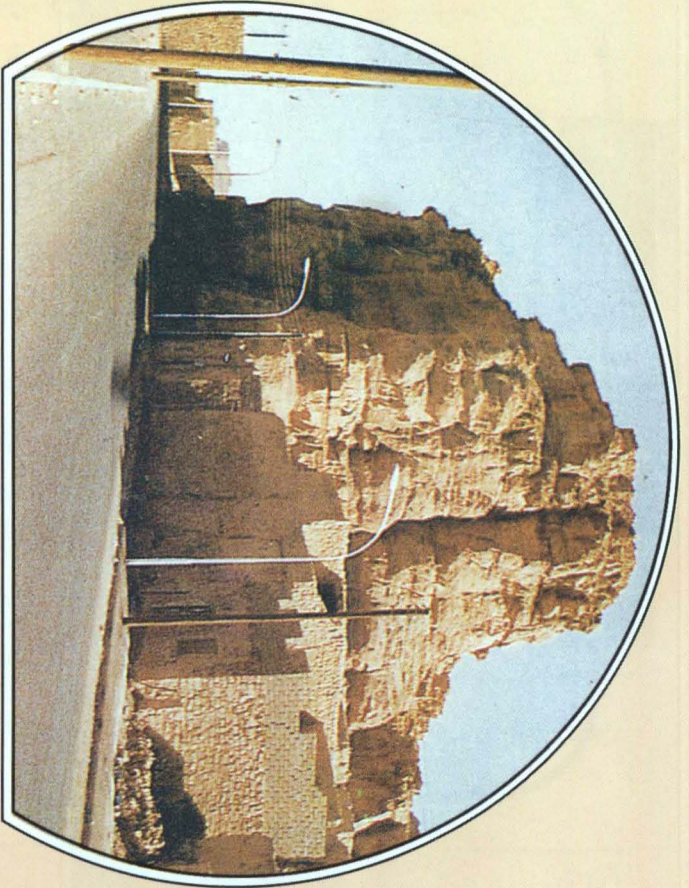
پہاڑ کے اوپر "قلعہ موسیٰ بن نصیر" کا ایک منظر

یہاں بھی ریلوے اسٹیشن قائم کردیا گیا تھا، جن میں دیگر تمام لوازم کے ساتھ مسافروں کے لئے آرام گاہیں بھی بنائی گئی تھیں، اب اس کی قدیم عمارت کی تجدید و مرمت خادم الحرمین الشریفین ملک فہد کے حکم سے کی گئی ہے۔[1] اللہ تعالیٰ مسلم حکمرانوں کو یہ ریلوے لائن دوبارہ جاری کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

قلعۂ موسیٰ بن نصیر

"العُلا" میں ایک قلعہ جو بہت قدیم ہے اور جگہ جگہ سے منہدم ہو چکا ہے "قلعۂ موسیٰ بن نصیر" کے نام سے مشہور ہے، موسیٰ بن نصیر اسلامی فتوحات کے وہ مشہور سپہ سالار ہیں جو پہلے قبرص میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نائب کی حیثیت سے حاکم رہے، پھر افریقی ممالک کے حاکم مقرّر ہوئے اور اپنی شجاعت، حسنِ انتظام، عدل و انصاف اور تدبر و تقویٰ کی بدولت بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں، اور افریقہ میں مسلمانوں کے اقتدار کو مستحکم کیا، پھر اُنہی کی ہدایت پر ان کے آزاد کردہ غلام "طارق بن زیاد" نے اندلس پر حملہ کرکے اندلس کا تقریباً نصف حصہ فتح کیا، اور بعد میں ان دونوں نے مل کر نہ صرف اندلس اور پورا ملک ہسپانیہ (اسپین) فتح کرلیا بلکہ فرانس کے بھی جنوبی علاقوں میں فتوحات کا آغاز کردیا تھا۔ یہ پُرانا قلعہ انہی کے نام سے منسوب ہے، اور "العُلا" میں ایک چھوٹے پہاڑ پر واقع ہے۔[2]

اسپین کی یہ فتوحات انہوں نے بنواُمیہ کے مشہور خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں ان ہی کی اجازت سے کی تھیں، پھر یہ ۹۴ھ میں ولید بن عبدالملک کے پاس دمشق آگئے، ولید کے انتقال کے بعد اُن کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کے پاس رہے۔

جب خلیفہ سلیمان بن عبدالملک حج کو گئے تو موسیٰ بن نصیر کو بھی ساتھ لے

---

(۱) "معجم القُریٰ فی وادی القُریٰ" ص:۲۸۷۔

(۲) حوالۂ بالا ص:۲۸۸۔

گئے، موسیٰ بن نصیر حج سے واپسی پر "وادی القریٰ" (العُلا) میں بیمار ہوکر اسی قلعے میں مقیم ہوئے، یہیں ۹۷ھ میں جبکہ عمر اَسّی سال تھی، وفات پائی، اور امیر المؤمنین سلیمان بن عبدالملک نے نمازِ جنازہ پڑھائی، کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر اسی قلعے کے نیچے ہے۔(۱)

موسیٰ بن نصیر تابعی ہیں، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت تمیم داریؓ سے روایت کی ہے، عربی زبان کے بڑے ادیب تھے، اللہ تعالیٰ اِن کے درجات جنت میں بلند فرمائے۔ آمین

یہ قلعہ کس نے کب بنایا تھا؟ تاریخ سے ابھی تک اس کا جواب دستیاب نہیں ہوسکا، بظاہر یہ قلعہ بہت پہلے سے موجود تھا، موسیٰ بن نصیر کی طرف اس لئے منسوب ہوا کہ وہاں اُن کا آخری وقت میں قیام ہوا اور وہیں وفات ہوئی،(۲) واللہ اعلم۔

یہاں کے پُراسرار پہاڑ

شہر "العُلا" کی حدود کے اندر بھی اور باہر بھی اکثر پہاڑ اور ٹیلے بہت ہی عجیب وغریب اور پُراسرار سے ہیں، میں نے دُنیا میں کہیں بھی ایسے پہاڑ نہیں دیکھے، کوئی بالکل سیدھا اور بہت اُونچا باریک اَلِف کی طرح کھڑا ہے، یا اُسے مسخ شدہ مینار سے تشبیہ دی جاسکتی ہے، کوئی بہت ہی بڑے گنبد سے ملتی جلتی مگر کھردری گولائی لئے ہوئے ہے، کوئی بہت لمبے چوڑے اور بہت ہی اُونچے بند ڈبے کی سی

---

(۱) حوالۂ بالا۔

(۲) موسیٰ بن نصیر کے مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو: "البدایة والنهایة" ج:۶ ص:۳۰۷ تا ۳۰۹۔ و"نفح الطیب" (للشیخ احمد بن محمد المقری التلمسانی) ج:۱ ص:۲۶۸۔ و"دائرۃ المعارف" اُردو ج:۲۱ ص:۸۰۳ تا ۸۰۸۔ و"تاریخ ابن الاثیر" ج:۵ ص:۱۰۔ اور اس قلعے کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: "معجم وتاریخ القری فی وادی القری" ص:۲۷۱، ۲۷۲، و ص:۲۸۸۔
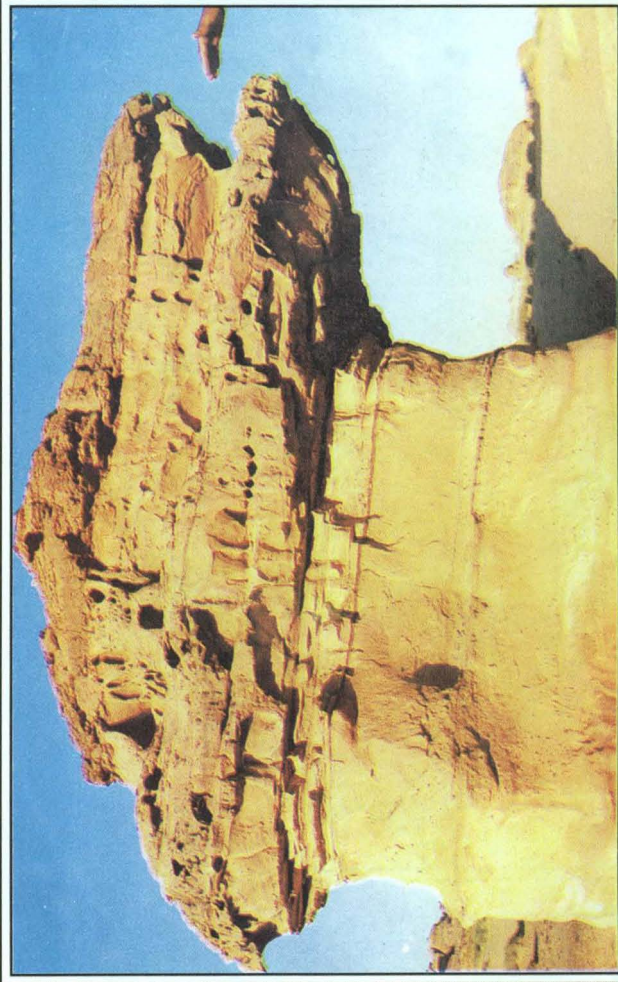
مدائن صالح کے ایک نواحی علاقے میں اونٹ کے سر کی شکل کی ایک پہاڑی، جس کے منہ کی طرف ایک انسانی ہاتھ بڑھتا ہوا نظر آ رہا ہے۔
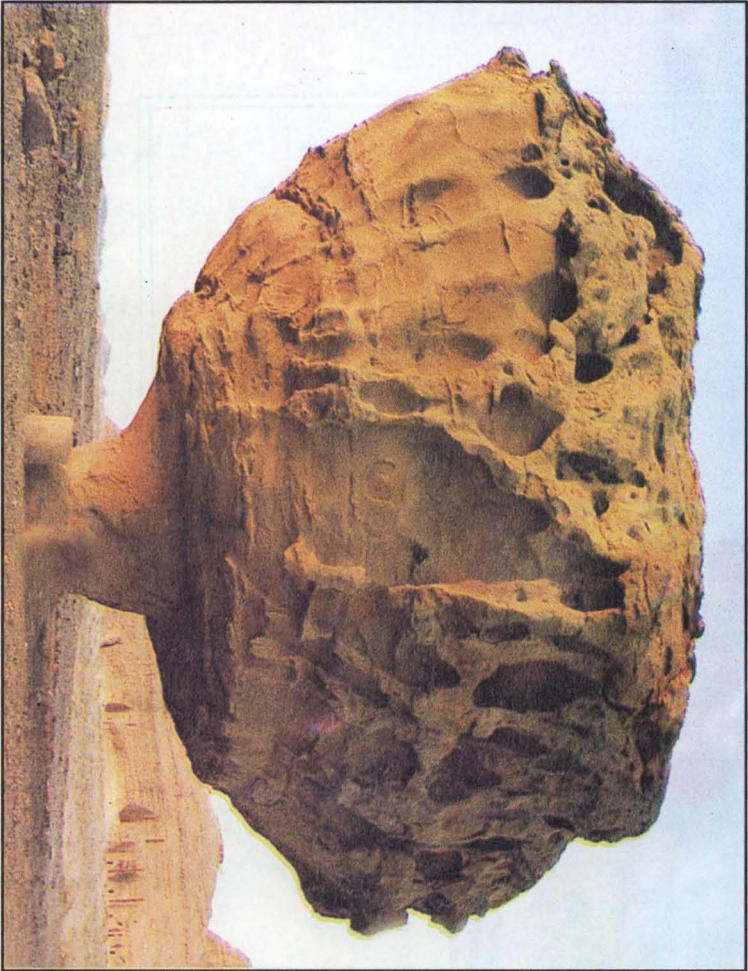
مدائن صالح کے قدیم
آثار کے قریب ایک
عجیب وغریب چٹان
جو "مربط الفرس"
(گھوڑوں کے
باندھنے کی جگہ) کے
نام سے موسوم ہے۔

مختلف شکلوں کی پراسرار پہاڑیاں
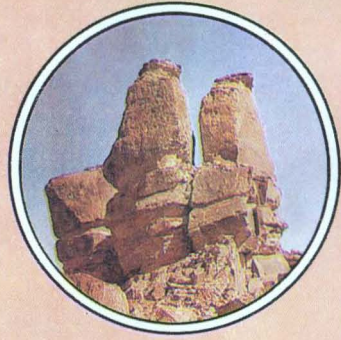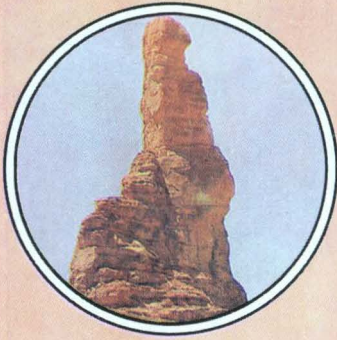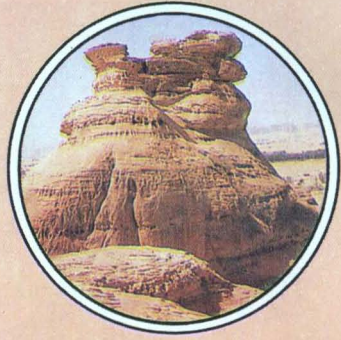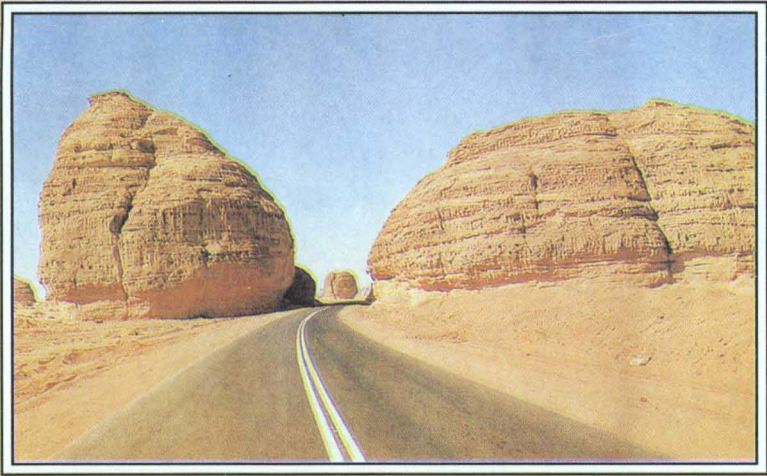
ایک نئی سڑک جو ۱۴۰۷ھ میں تیار ہوئی ہے، دس میٹر تک یہ سڑک ان پہاڑوں کے درمیان
سے گزرتی ہوئی مدائن صالح کو جاتی ہے۔
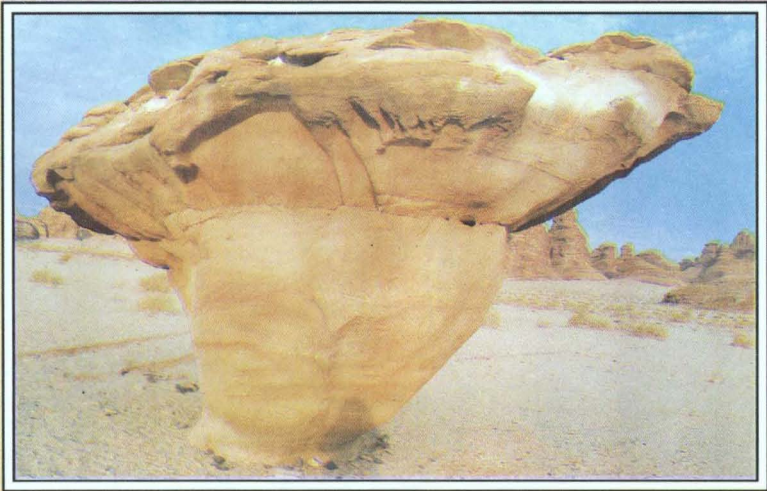
ایک چٹان جس نے پیالے رگلاس کی شکل اختیار کر کے اپنے اندر ایک چڑیا سی بٹھالی ہے

شکل کا ٹوٹا پھوٹا چبوترا سا دِکھائی دیتا ہے ــــ سارے پہاڑ سیاہ ہیں۔

قادراللہ صدیقی صاحب جو میری طرح دُنیا میں بہت گھومے ہیں، اُن کا کہنا بھی یہی تھا کہ ایسے پہاڑ انہوں نے بھی کہیں نہیں دیکھے۔ میرے عزیزالقدر بھانجے مولانا امین اشرف صاحب نے، جو مدینہ طیبہ کی عدالتِ عالیہ میں ایک ذمہ دارانہ منصب پر فائز ہیں، انہوں نے اور ان کے رُفقائے سفر نے بھی کئی سال پہلے اس علاقے کو دیکھ کر یہی بتایا تھا۔ میرا خیال ہے کوئی بھی باہر سے آنے والا اِن پہاڑوں اور ٹیلوں کی ''پُراسراریت'' سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا ہوگا۔

چنانچہ دمشق (شام) کا ایک شاعر ''الصلاح الصفدی'' کسی زمانے میں جب مدینہ طیبہ اور حج کو جاتے ہوئے یہاں پہنچا تو شہر ''العُلا'' کے بارے میں بہت اچھے اَشعار کہے، وہ بھی اِن پہاڑوں کو دیکھ کر اظہارِ تعجب کئے بغیر نہ رہ سکا، وہ بھی کہتا ہے کہ:

فی جبال العُلا لمن مَرَّ فیها
ورأی شکلها مَراءٍ غریبة
نَسَفَتْهَا الریاحُ والغیب حتّٰی
بَرَزَتْ فِیْ تشکلاتٍ عجیبة (۱)

یعنی جو شخص بھی العُلا کے پہاڑوں سے گزرے گا اور ان کی شکلیں دیکھے گا، اُسے عجیب وغریب مناظر ملیں گے، غیبی ہاتھ اور تیز ہواؤں نے اِن پہاڑوں کو ایسا ڈھایا ہے کہ اُن کی صورتیں حیرتناک بن گئی ہیں۔

قومِ ثمود کی بستی ''مدائن صالح'' یہاں سے بالکل قریب ہے، ممکن ہے جب قومِ ثمود پر اللہ کا عذاب آیا تو یہاں کے پہاڑ بھی اُس سے بُری طرح متأثر ہوئے

---

(۱) ''معجم وتاریخ القُریٰ فی وادی القُریٰ'' ص:۲۴۴۔

ہوں، اور طویل زمانہ گزرنے کے بعد اب ان کی حالت یہ ہوگئی ہو۔ ایک اِمکان یہ بھی ہے کہ قومِ ثمود سے پہلے یہ علاقہ بھی قومِ عاد کا مسکن رہا ہو اور قومِ عاد پر آنے والے ہوا کے عذاب نے ان کی یہ دُرگت بنائی ہو، اس اِمکان کے کچھ دلائل اور قرائن اِن شاء اللہ آگے عرض کروں گا۔ واللہ اعلم

ان میں سے چند پہاڑوں کی اور قلعہ موسیٰ بن نصیر کی تصویریں ملاحظہ ہوں۔

قومِ عاد اور قومِ ثمود

قرآنِ حکیم نے قومِ عاد اور قومِ ثمود کے واقعات اور حالات اکثر مقامات پر ساتھ ساتھ ذکر کئے ہیں، یہ دونوں قومیں ایک ہی دادا کی اولاد ہیں، اور آگے پیچھے آئی ہیں۔

''عاد'' اصل میں ایک شخص کا نام ہے جو نوح علیہ السلام کی پانچویں[1] نسل اور ان کے بیٹے ''سام'' کی اولاد میں ہے، پھر اس شخص کی اولاد اور پوری قوم ''عاد'' کے نام سے مشہور ہوگئی، قرآنِ کریم کی سورۃ الفجر میں ''عاد'' کے ساتھ ''اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ'' کا لفظ بھی آیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قومِ عاد کو ''اِرَم'' بھی کہا جاتا ہے، مشہور یہ ہے کہ عاد کے دادا کا نام ''اِرَم'' ہے، اُس کے ایک بیٹے ''عوص'' کی اولاد میں ''عاد'' ہے، اور دُوسرے بیٹے ''جثو'' کا بیٹا ''ثمود'' ہے، اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ عاد اور ثمود دونوں ''اِرَم'' کی شاخیں ہیں۔

قومِ عاد کا مختصر حال

طوفانِ نوح کے بعد جب دُنیا دوبارہ آباد ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کو قومِ نوح کا جانشین بنایا اور بے مثال جسمانی ڈیل ڈول عطا کیا، ہر قسم کی نعمتوں کے

---

(۱) تفسیر معارف القرآن ج:۳ ص:۵۹۹ میں یہی لکھا ہے، لیکن ''فتح الباری'' (شرح صحیح البخاری) میں اسے چوتھی نسل کا شخص قرار دیا گیا ہے، ملاحظہ ہو ج:۶ ص:۳۷۶، کتاب الانبیاء۔

دروازے اُن پر کھول دیئے، جزیرہ نمائے عرب میں عُمان سے لے کر ''حضرموت'' یمن اور حدودِ عراق تک اِن کی بستیاں تھیں، ان کی زمینیں بڑی سرسبز و شاداب تھیں، ہرقسم کے باغات تھے، رہنے کے لئے بڑے بڑے شاندار محلات بناتے تھے، بڑے قدآور اور جسمانی طاقت کے مالک تھے۔[۱]

مگر ان کی کج فہمی نے انہی نعمتوں کو اُن کے لئے وبالِ جان بنادیا، قوّت و شوکت کے نشے میں بدمست ہوکر ڈینگیں مارنے لگے کہ:

مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً.[۲]

''ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے۔''

اور رَبّ العالمین جس کی نعمتوں کی بارش ان پر ہو رہی تھی، اُس کو چھوڑ کر بت پرستی میں مبتلا ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا، جو خود انہی کے خاندان سے تھے، یہ بھی حضرت نوح علیہ السلام کی پانچویں[۳] نسل اور سام کی اولاد میں ہیں، قومِ عاد اور ہود علیہ السلام کا نسب نامہ اُوپر جاکر ''سام'' پر جمع ہوجاتا ہے، لہٰذا ہود علیہ السلام ''عاد'' کے نسبی بھائی ہیں، اسی لئے قرآنِ کریم نے ان کو ''قومِ عاد کا بھائی'' کہا ہے۔[۴]

ہود علیہ السلام نے قومِ عاد کو بت پرستی چھوڑ کر توحید اختیار کرنے اور ظلم و جور چھوڑ کر عدل و انصاف اختیار کرنے کی تلقین فرمائی، مگر یہ لوگ اپنی دولت وقوّت

---

(۱) قصص القرآن ج:۱ ص:۱۰۴ وتفسیر معارف القرآن ج:۳ ص:۶۰۰۔

(۲) سورۃ حٰمٓ السجدۃ آیت:۱۵۔

(۳) تفسیر معارف القرآن ج:۳ ص:۵۹۹ میں یہی لکھا ہے، لیکن ''فتح الباری'' (شرح صحیح البخاری) میں ہود علیہ السلام کو حضرت نوح علیہ السلام کی آٹھویں نسل میں شمار کیا گیا ہے، دیکھئے ج:۶ ص:۳۷۶، کتاب الانبیاء۔

(۴) ''وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا'' سورۃ الاعراف آیت: ۶۵۔

کے نشے میں سرشار تھے، بات نہ مانی جس کے نتیجے میں ان پر پہلا عذاب تو یہ آیا کہ تین سال تک مسلسل بارش بند ہوگئی، ان کی زمینیں خشک ریگستان بن گئیں، باغات جل گئے، مگر اس پر بھی یہ لوگ شرک و بت پرستی سے باز نہ آئے تو اِن پر وہ ہولناک عذاب آیا جس نے اِن کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا، آٹھ دن اور سات راتوں تک ان پر بہت سخت قسم کی آندھی کا عذاب مسلط ہوا، جس نے ان کے رہے سہے باغات کو اور محلات کو بھی زمین پر بچھادیا، ان کے آدمی اور جانور ہوا میں اُڑتے اور پھر سر کے بل آکر گرتے چلے گئے، اس طرح یہ قومِ عاد پوری کی پوری ہلاک کردی گئی۔ مگر ہود علیہ السلام اور اُن کے رُفقاء نے جو ایمان لاچکے تھے ایک احاطے میں پناہ لے لی تھی، یہ عجیب بات تھی کہ اس طوفانی ہوا سے بڑے بڑے محلات تو منہدم ہو رہے تھے لیکن اس احاطے میں ہوا نہایت معتدل ہوکر داخل ہوتی تھی، ہود علیہ السلام کے سب رُفقاء عین عذاب کے دوران بھی اس جگہ مطمئن بیٹھے رہے، ان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔ قوم کے ہلاک ہوجانے کے بعد مکہ معظّمہ میں منتقل ہوگئے اور پھر یہیں وفات پائی۔[1]

قومِ ثمود کی اُجڑی بستی "اَلحِجر" (مدائن صالح)

اپنے میزبان جناب عبدالوحید کی گاڑی کے پیچھے پیچھے ہم قومِ ثمود کی اُجڑی بستی "اَلحِجر" کی طرف روانہ تو ہوگئے تھے، جو اَب "مدائن صالح" کے نام سے مشہور ہے، مگر دِل اُس ہولناک عذاب کے تصوّر سے ڈر رہا تھا جو اس قوم پر نازل ہوا تھا، قرآنِ کریم نے اُسے بار بار یاد دِلایا ہے، ڈرنا بھی چاہئے، کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں جاتے ہوئے اسی بستی کے اندر سے گزرے تو چہرۂ انور پر کپڑا لٹکالیا اور ناقہ کو تیز کردیا تھا، اور صحابہؓ کو تاکید فرمائی کہ کوئی شخص اِن ظالموں کے مکانات میں داخل نہ ہو، اور نہ یہاں کا پانی پیئے، نہ اس سے وضو کرے،

---

(۱) تفسیر معارف القرآن ج:۳ ص:۵۹۶ تا ۶۰۱، سورۃ الاعراف آیات: ۶۵ تا ۷۲۔

سر جھکا کر روتے ہوئے اس طرف سے گزر جائیں، اور جن لوگوں نے غلطی اور لاعلمی سے پانی لے لیا تھا، یا اُس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا، اُن کو حکم ہوا کہ وہ پانی گرادیں، اور وہ آٹا اُونٹوں کو کھلا دیں، حِجر پہنچ کر آپ نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ کوئی شخص تنہا نہ نکلے۔

جس کنویں سے صالح علیہ السلام کی ناقہ (اُونٹنی) پانی پیا کرتی تھی اُس کنویں سے پانی لینے کا حکم دیا، اس لئے کہ وہ کنواں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور غضبِ خداوندی سے پاک تھا۔[۱]

مسندِ احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ قومِ ثمود کے گھروں کے پاس اُترے بھی تھے، اور ان کو وہ پہاڑی راستہ بھی دِکھایا تھا جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ کنویں سے پانی پینے کے لئے آتی تھی، اور وہ پہاڑی راستہ بھی جس سے واپس جاتی تھی۔[۲]

حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ کا کنواں

عبدالوحید صاحب ہمیں سب سے پہلے اُسی کنویں کی طرف لے گئے، یہ جگہ قومِ ثمود کے مکانات سے جن کا ذکر آگے آئے گا، کچھ ہی فاصلے پر ہے۔ یہ کنواں غیر آباد جگہ پر اب بہت بڑے احاطے کے اندر ہے، احاطے کے لوہے کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا، وہ احاطہ ایسا برائے نام ہے کہ باہر سے بھی اندر کی دُور تک پھیلی ہوئی خالی زمین نظر آتی ہے مگر کنواں نظر نہیں آتا، دروازے کے پاس ہی اندر ایک پُرانی سی عمارت نظر آئی، عبدالوحید صاحب نے آوازیں دیں تو اُس میں سے ایک

---

(۱) سیرۃ المصطفیٰ ج:۳ ص:۹۰ تا ۹۲، بحوالہ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، وفتح الباری و شرح مواھب۔

(۲) "معجم وتاریخ القریٰ فی وادی القریٰ" ص:۱۰۱، ۱۰۲، بحوالہ تفسیر ابن کثیر عن مسند الامام أحمد۔

نوجوان جس کی وضع قطع بدوؤں کی سی تھی نمودار ہوا، مگر اُس نے تالا کھولنے سے اِنکار کردیا، ہمارے میزبانوں نے ہم دُور دراز کے مہمانوں کا تعارف کرا کے التجا کی، تب بھی نہ مانا، بالآخر میں نے اُس کو دُعائیں دیتے ہوئے درخواست کی تو راضی ہوگیا، اور تالہ اس شرط پر کھولا کہ ہم کنویں کے پاس جا کر زیادہ نہیں ٹھہریں گے جلد واپس آجائیں گے۔

کھلی زمین سے، جس میں یاد پڑتا ہے کہ کچھ کھیتی باڑی کے آثار بھی تھے، گزر کر کنواں نظر آیا تو اُس تک پہنچے کا کوئی راستہ نہ تھا، قسم قسم کی رُکاوٹیں کھڑی تھیں۔ ہم تقریباً پانچ فٹ کے فاصلے ہی سے اُسے دیکھ سکے، مینڈ بھی زمین سے تقریباً پانچ فٹ اُونچی پکی تعمیر کردی گئی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہتمام قصداً کیا گیا ہے کہ اُسے چھوا نہ جاسکے، اور نہ ہی اُس کے اندر کوئی جھانک سکے۔

یہاں کے لوگ انبیائے کرام علیہم السلام اور بزرگوں سے وابستہ مقامات کو اسی طرح بے نام ونشان اور لوگوں کی نظروں سے دُور رکھنے کی کوشش غالباً اس وجہ سے کرتے ہیں کہ یہ حضرات بدعتوں کے بارے میں بہت زیادہ حساس ہیں، انہیں ایسے ہر مقام پر یہ ڈر رہتا ہے کہ دِینی تعلیمات سے ناواقف لوگ طرح طرح کی بدعات کرنے لگیں گے۔ یہ ڈر بالکل بے بنیاد بھی نہیں، کیونکہ بہت سے ضعیف العقیدہ عوام اس طرح کی حرکتیں کرتے بھی ہیں، لیکن اس بہت زیادہ حساسیت نے ایسے مقامات کا راستہ اُن لوگوں کے لئے بھی روک دیا ہے جو بدعات وخرافات سے بحمداللہ بہت دُور ہیں، بلکہ مدینہ طیبہ کے اہم تاریخی کنویں "بیر بضاعة" اور "بیر أریس" تو جن کی ہم نے ماضی میں زیارت کی تھی ـــــ اب بالکل ناپید ہی ہوگئے ہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اب جس کنویں کے پاس ہم کھڑے تھے اس کی قدامت اور تاریخی اہمیت تو ظاہر ہی ہے، اس کا بابرکت ہونا اس لئے ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ جس

کو قرآنِ حکیم میں "نَاقَةُ اللهِ" فرمایا گیا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص نشانی اور حضرت صالح علیہ السلام کی حقانیت کی دلیل کے طور پر پیدا فرمایا تھا[۱] وہ اسی کنویں سے پانی پینے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مأمور تھی، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ غزوۂ تبوک میں جاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ یہاں ٹھہرے تھے، اور صحابہ کرامؓ نے آپ کے حکم پر اس کنویں سے پانی[۲] بھی بھرا تھا—— مگر ہم اس کا پانی نہ پی سکے۔

بہر حال اس کے بعد ہمارے میزبان جناب عبدالوحید کی گاڑی نے خاص اُس جگہ کا رُخ کیا جہاں قومِ ثمود کے پہاڑوں سے بنائے ہوئے گھر خالی پڑے ہیں۔ یہ پہاڑوں سے گھری ہوئی وادی ہے، ان ہی پہاڑوں کو تراش کر اور کھود کھود کر اُس قوم نے اپنے محفوظ مکانات بنائے تھے۔

اس علاقے کی موجودہ صورتِ حال

پیچھے عرض کر چکا ہوں کہ یہ سارا علاقہ پانی سے مالا مال ہے، ۱۳۹۲ھ میں لوگوں نے سوال اُٹھایا کہ مدائن صالح میں اگر رہائش اختیار کی جائے تو اس کا شرعی جواز ہے یا نہیں؟ اُس وقت سعودی عرب کے فرماں روا ملک فیصل نے یہ مسئلہ سعودی علمائے کرام کی اعلیٰ ترین کونسل "هيئة كبار العلماء" کے سامنے پیش کیا۔ قرآنِ کریم نے قومِ ثمود کی بستی کا نام "اَلْحِجر"[۳] بتلایا ہے، مگر اب یہ "مدائن صالح" کے نام سے بھی مشہور ہے، اور اس کی آبادی دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے، شرعی حکم اور فتویٰ جاری کرنے کے لئے ضروری تھا کہ "مدائن صالح" میں اُن حدود کا تعین کیا جائے جو ثمودی

---

(۱) سورۃ الاعراف آیت: ۷۳۔

(۲) "فتح الباری" ج:٦ ص:۳۸۰، کتاب الأنبياء ۔ وفيصله هيئة كبار العلماء بحوالہ مسند أحمد عن ابن عمر رضی اللہ عنهما (معجم وتاريخ القُرى فى وادى القُرىٰ ص:٦٧)۔

(۳) سورۃ الحجر آیت: ۸۰۔

دور کے "اَلْحِجر"، میں یقینی طور پر داخل تھیں، اس لئے علمائے کرام کی اس کونسل نے علاقے کا خود بھی وہاں پہنچ کر اور پہاڑوں اور وادیوں وغیرہ میں جاجاکر مشاہدہ کیا، اور متعلقہ ماہرین سے بھی جغرافیائی اور تاریخی سروے کروایا۔

سعودی علمائے کرام اور حکومت کا فیصلہ

اس کے نتیجے میں جن جن علاقوں، پہاڑوں، زمینوں اور کنوؤں کے بارے میں واضح آثار اور یقینی دلائل سے ثابت ہوگیا کہ یہ ثمودی دور ہی کے "اَلْحِجر" کا حصہ ہیں، اُن کے متعلق قرآن وسنت کی روشنی میں یہ فتویٰ صادر کیا کہ ان میں رہائش جائز نہیں اور زراعت بھی ناجائز ہے، اور ان کے علاوہ باقی مقامات جن کے متعلق یہ یقین حاصل نہ ہوسکا، اُن کے بارے میں کونسل کا اکثریتی فیصلہ یہ ہوا کہ وہاں رہائش اور زراعت دونوں جائز ہیں، (اگرچہ وہ موجودہ دور کے مدائن صالح (اَلْحِجر) ہی کے علاقے میں ہوں)، اور فقہ کے اس قاعدے سے استدلال کیا کہ "اصل اشیاء میں اِبَاحتْ ہے" یعنی جب تک کسی چیز کی ممانعت شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو، وہ جائز ہی رہے گی۔

چنانچہ حکومت نے اُسی وقت سے پہاڑوں سے گھرے ہوئے اس علاقے کو رہائش اور زراعت و باغبانی کے لئے ممنوع قرار دے دیا ہے[1] اور پہاڑوں کے درمیان خالی جگہوں میں خاردار تار اور دُوسری رُکاوٹیں کھڑی کرکے صرف اتنے راستے کو کھلا رکھا ہے جس سے گاڑیاں، وہاں پر موجود پہرے داروں کی چوکی سے اجازت لے کر، اندر داخل ہوسکیں، اور جگہ جگہ سائن بورڈ نصب کرکے متعلقہ ہدایات لکھ دی گئی ہیں۔

رہا مدائنِ صالح (موجودہ اَلْحِجر) کا باقی علاقہ تو حکومت نے باقاعدہ منصوبہ بندی کرکے وہاں کی قابلِ زراعت زمینوں کو مقامی باشندوں اور دُوسرے اہلِ

---

(۱) "معجم وتاریخ القُریٰ فی وادی القُریٰ" ص:۷۵ تا ۷۸، وص:۳۱۸۔

وطن میں تقسیم کر دیا ہے، اب یہاں قبیلہ "عَـنـزَہ" کے لوگ آباد ہیں، اب سے تقریباً دس سال پہلے اندازوں کے مطابق یہاں کی آبادی تقریباً چھ[۶۰۰۰] ہزار اَفراد پر مشتمل ہے، تجارت و زراعت اور گلہ بانی اِن کا ذریعۂ معاش ہے، لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ ابتدائی (پرائمری) اور متوسط (مڈل) درجے کے مدارس (اسکول) موجود ہیں، اور دیگر سرکاری ادارے قائم ہیں، ممنوعہ علاقے سمیت پورا علاقہ انتظامی طور پر شہر "العُلا" کے تابع ہے۔[۱]

اسلامی خلافت کا یادگار ریلوے اسٹیشن یہاں بھی

یہاں کا تاریخی ریلوے اسٹیشن اُس زمانے کے سب سے بڑے اسٹیشنوں میں شمار کیا گیا ہے، یہ سولہ[۱۶] عمارتوں پر مشتمل ہے، اسلامی خلافت کے آخری فرماں روا سلطان عبدالحمید ثانی، جن کا دورِ خلافت ۱۲۹۳ھ سے ۱۳۲۷ھ (۱۸۷۶ء سے ۱۹۰۹ء) تک تقریباً ۳۳ سال جاری رہا ہے، یہ اسٹیشن ان کے دور میں ۱۳۲۵ھ میں مکمل ہوا تھا، اور ۱۳۳۶ھ تک، یعنی گیارہ سال مصروفِ عمل رہا، یہاں تک کہ ترکی، شام اور اُردُن کو مدینہ منوّرہ سے ملانے والی اس عظیم ریلوے لائن کے المناک خاتمے کے ساتھ یہ اسٹیشن بھی معطل ہوکر رہ گیا، یہاں کی عمارتیں، ریلوے انجن، ریلیں، بوگیاں، ڈبے اور ریلوے کی ورکشاپ ساکت و جامد کھڑی کی کھڑی رہ گئیں، جو زبانِ حال سے اسلامی خلافت اور مسلم اِتحاد کے خلاف برطانوی استعمار کی سازشوں کی شرمناک داستان اب بھی سنا رہی ہیں، اس سازشی منصوبے کو عملی جامہ مشہور انگریز "لارنس" نے پہنایا تھا، اُس کا یہ منصوبہ "حکمتِ عملی کے پانچ ستون" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔[۲]

"مدائن صالح" کے اس عظیم الشان ریلوے اسٹیشن کے نام کا اُس زمانے کا بورڈ جو بہت بڑے پتھر کا ہے، اور جس پر اسٹیشن کے نام کے ساتھ اس کی تاریخِ تعمیر

---

(۱) حوالۂ بالا۔ (۲) حوالۂ بالا ص: ۳۱۷، ۳۱۸۔

''۱۳۲۵ھ'' بھی کندہ (کھدی ہوئی) ہے، اس کا فوٹو آپ اسی سفرنامے میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

مجھے حال ہی میں ایک عربی کتاب ''معجم وتاریخ القُری فی وادی القُریٰ'' مدینہ طیبہ سے میرے عزیز القدر بھانجے مولانا امین اشرف صاحب سلّمہٗ کے ذریعہ دستیاب ہوئی ہے، یہ اب سے دس سال قبل شائع ہوئی تھی، اس کا مصنف ''زین بن معزی بن صالح العنزی'' خود ''وادی القُریٰ'' ہی کا باشندہ ہے، اُس نے اس علاقے کی ساری بستیوں، پہاڑوں اور وادیوں میں خود گھوم پھر کر اور چھان بین کر کے بہت مفید معلومات درج کی ہیں، یہی وجہ ہے کہ مجھے اس کتاب سے اس علاقے کے بارے میں بہت سی نئی معلومات ایسی حاصل ہوئی ہیں جو تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتیں، اس میں مصنف نے ''العُلا'' اور ''مدائن صالح'' کے علاوہ ''وادی القُری'' کی دیگر کئی بستیوں میں بھی یادگار ریلوے اسٹیشنوں کا ذکر تفصیل سے کیا ہے، یہ اسٹیشن اتنے قریب قریب ہونے سے خیال ہوتا ہے کہ اس ''بین الممالک ریلوے لائن'' پر اُس زمانے میں شاید یہاں مقامی ریلیں (لوکل ٹرینیں) بھی چلتی تھیں جو اَب افسانۂ ماضی بن کر رہ گئی ہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

سعودی حکومت نے اِن پُرانی عمارتوں کی مرمت کرا کے اب ان کا استعمال مختلف مقاصد میں شروع کر دیا ہے ـــــ اس ساری صورتِ حال سے گزر کر اب میں قومِ ثمود کی اُجڑی بستی کی طرف آتا ہوں۔

''تو یہ پڑے ہیں ان کے گھر ویران''

ہم تین گاڑیوں میں پہرے کی چوکی سے اجازت لے کر لرزتے دِل کے ساتھ، اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی اور پناہ مانگتے ہوئے اس ممنوعہ علاقے میں داخل ہوئے تو ہمارے سامنے میل ہا میل تک پہاڑوں سے بنے ہوئے مکانات سے

دوراہے پر ایک بورڈ جو ''العلا'' شہر کو جانے والے راستے کی نشاندہی کر رہا ہے۔ یہ تبوک اور اردن کے راستہ پر بنے ہوئے پُل سے ۴۰۰ میٹر کے فاصلے پر ہے۔
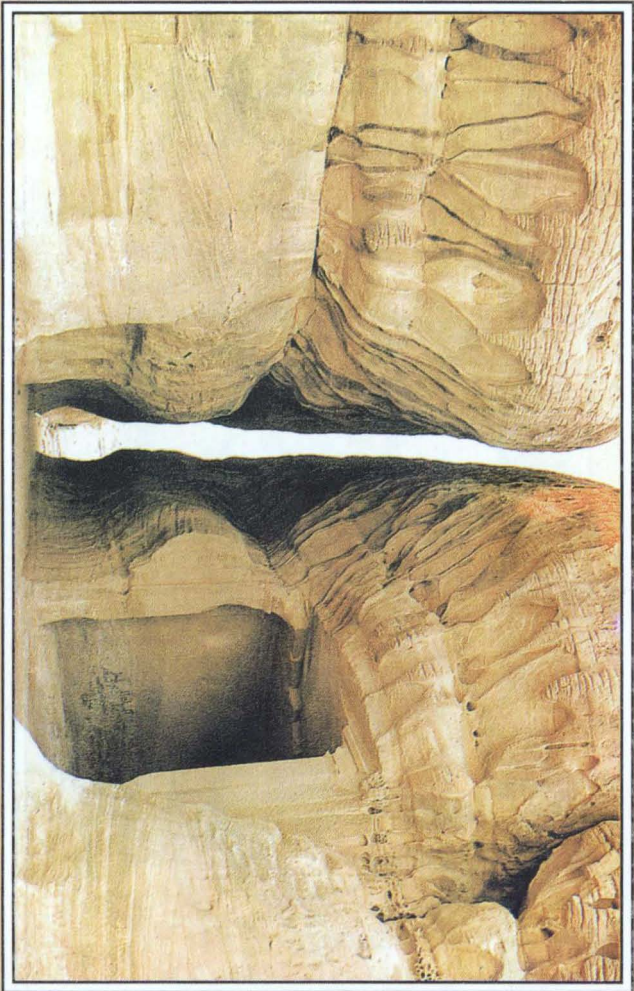
''دیوانِ ابوزید'' کے نام سے سنگ تراشی کی ایک عمارت۔ یہ نام ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے رکھا ہے، اس کا دوسرا نام مجلس السلطان ہے، یہ شاہی ایوان موسم گرما میں اپنے محل وقوع اور تعمیری خصوصیت سے معتدل موسم کی خصوصیت رکھتا تھا۔
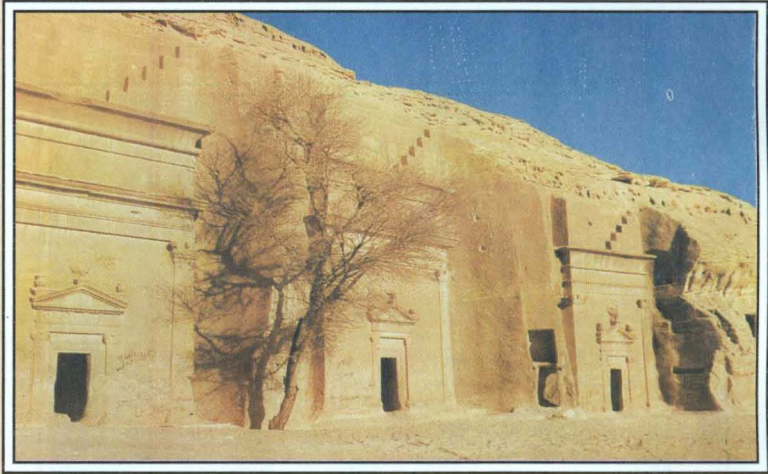
''مجموعہ قصر البنت'' کے درمیان واقع بالکل یکساں طرزِ تعمیر کے دو مکانات
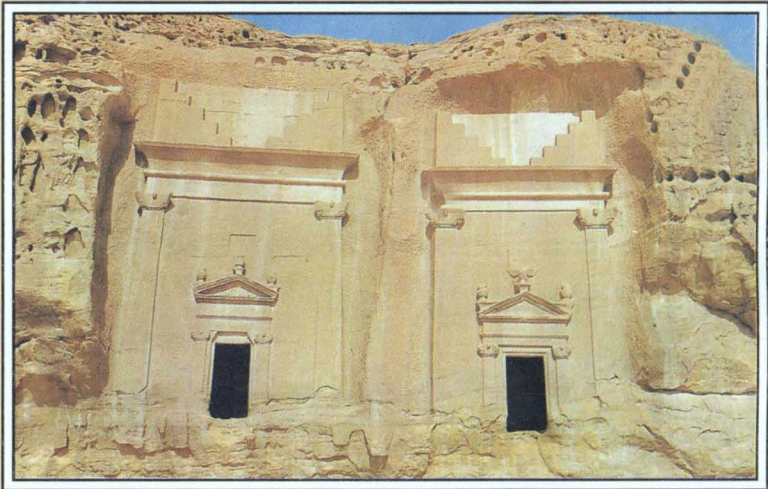
''مجموعہ قصر البنت'' (بیٹی کے محل کا مجموعہ) اس جگہ کو یہ نام آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے دیا ہے
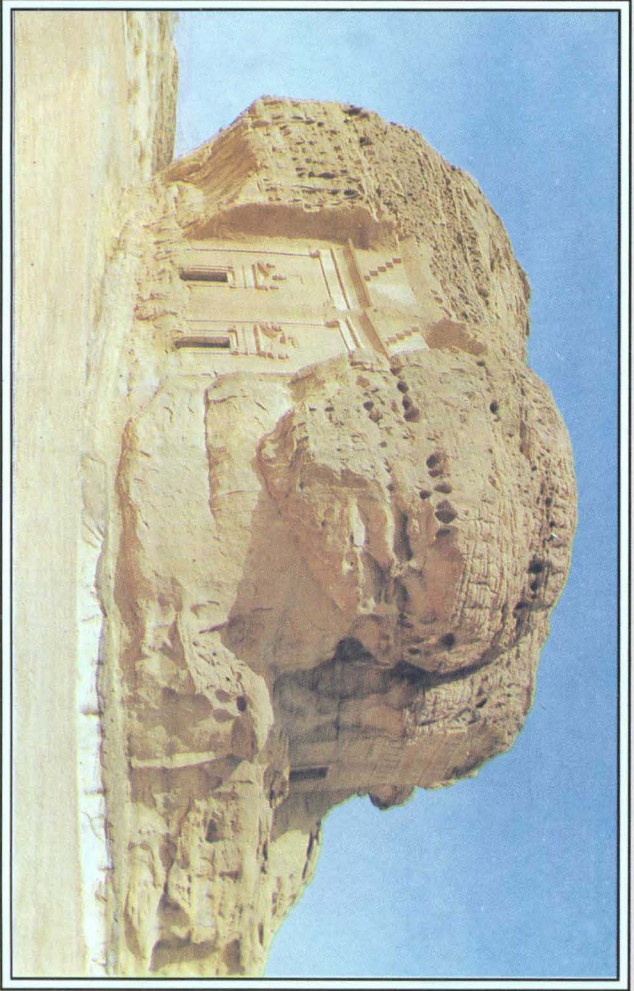
دو گھر جو سطح زمیں سے چار میٹر کی بلندی پر نظر آتے ہیں، سیلاب کے کٹاؤ نے زمین کھود ڈالی ہے

گھری ایک ویران وادی تھی، سارے مکانات، جو فنِ سنگ تراشی کے عجیب و غریب نمونے ہیں، خالی پڑے تھے، ان پر نظر پڑتے ہی قرآنِ حکیم کی یہ آیت جو ان ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، بے ساختہ زبان پر آ گئی کہ:

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ (۱)

''تو یہ پڑے ہیں ان کے گھر ویران، ان کے ظلم کی وجہ سے، بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے عقل و دانش رکھنے والوں کے لئے۔''

یہ سارے مکانات جہاں اپنے بنانے والوں کی فنِ سنگ تراشی میں حیرتناک مہارت کا، اور اُن کی جسمانی قوّت اور ظاہری شان وشوکت کا پتہ دیتے ہیں، وہیں ان کی سرکشی، تکبر اور کفر وشرک کے نتیجے میں اُن کی عبرت ناک تباہی کی دردناک داستان بھی سنانے کے لئے موجود ہیں۔

قومِ ثمود کی عبرت ناک داستان

قرآنِ حکیم نے اس قوم کی عبرت ناک داستان، اپنے خاص ناصحانہ اور معجزانہ انداز میں بائیس سورتوں میں متفرق طور پر بیان کی ہے، کہیں کسی قدر تفصیل سے، کہیں مختصر، اور کہیں بہت مختصر، وہ سورتیں یہ ہیں:-

۱- سورۃ الاعراف ۲- سورۃ التوبۃ ۳- سورۃ ھود ۴- سورۃ ابراھیم
۵- سورۃ الحجر ۶- سورۃ الاسراء ۷- سورۃ الحج ۸- سورۃ الفرقان
۹- سورۃ الشعراء ۱۰- سورۃ النمل ۱۱- سورۃ العنکبوت ۱۲- سورۃ صٓ
۱۳- سورۃ المؤمن ۱۴- سورۃ حٰم السجدۃ ۱۵- سورۃ قٓ ۱۶- سورۃ الذاریات

---

(۱) سورۃ النمل آیت:۵۲۔

۱۷-سورۃ النجم ۱۸-سورۃ القمر ۱۹-سورۃ الحآقّۃ ۲۰-سورۃ البروج
۲۱-سورۃ الفجر ۲۲-سورۃ الشمس

مگران کے شہر کا نام ''اَلْحِجْر''صرف ایک سورۃ (الحجر آیت:۸۰) میں آیا ہے، اور اسی لئے اس سورۃ کا نام بھی ''اَلْحِجْر'' ہے۔ قرآنِ حکیم میں کسی اور جگہ اس شہر کا نام ذکر نہیں فرمایا گیا۔ یہی وہ عبرت ناک اُجڑا دیار ہے جس کا ہم اِستغفار کرتے اور اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے گاڑیوں میں بیٹھے دورہ کر رہے تھے، اور کسی کسی مکان کے پاس گاڑی سے اُتر بھی جاتے تھے۔

واقعہ اس شہر کا، اور اس میں دادِ عیش دینے والی قومِ ثمود کا یہ ہوا کہ: آپ پیچھے قومِ عاد کے تذکرے میں دیکھ چکے ہیں کہ ''عاد'' اور ''ثمود'' ایک ہی دادا کی اولاد میں دو شخصوں کے نام ہیں، ان کی اولاد بھی ان کے نام سے موسوم ہوکر دو قومیں بن گئیں ایک قوم ''عاد''، دُوسری قوم ''ثمود'' کہلاتی ہے۔ ان دونوں قوموں کے واقعات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے کے ہیں۔

قومِ عاد کی طرح قومِ ثمود بھی دولت مند، طاقت ور اور بہادر قوم تھی، اس قوم کو سنگ تراشی کی صنعت اور فنِ تعمیر میں خاص مہارت دی گئی تھی، کھلی زمین میں بڑے بڑے محلات بناتے تھے، اور پہاڑوں کو تراش کر اور کھود کر ان کے شاندار گھر بناتے تھے۔

شرک و بت پرستی

دُنیا کی دولت اور مال داری کا نتیجہ عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ اگر لاپروائی کی عادت ہو تو ایسے لوگ اللہ اور آخرت سے غافل ہوکر غلط راستوں پر پڑ جاتے ہیں ــــــ قومِ ثمود کا بھی یہی حال ہوا۔

حالانکہ ان سے پہلے قومِ نوح کے عذاب کے واقعات کا تذکرہ ابھی تک

دُنیا میں موجود تھا، اور پھر ان کے بھائی قومِ عاد کی ہلاکت و بربادی کے واقعات بھی زیادہ پُرانے نہیں تھے، کیونکہ بعض مؤرّخین کے اندازوں کے مطابق ان کو تقریباً پانچ سو ۵۰۰ سال[1] ہی گزرے تھے، اور ان کا جغرافیائی فاصلہ بھی یہاں سے بہت زیادہ نہ تھا، کیونکہ آپ پیچھے دیکھ چکے ہیں کہ قومِ عاد کی بستیاں بھی جزیرہ نمائے عرب ہی میں، یمن سے لے کر حدودِ عراق تک تھیں۔

بلکہ قرآنِ کریم کی ایک آیت کے ظاہری الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قومِ ثمود کی سرزمین یعنی "اَلحِجر" (مدائنِ صالح) کا علاقہ بھی پہلے قومِ عاد کا مسکن رہ چکا تھا، سورۃ الاعراف[2] میں قومِ ثمود سے خطاب ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ.

"اور یاد کرو (اللہ کی اس نعمت کو) کہ اُس نے قومِ عاد کے بعد تم کو خلیفہ (جانشین) بنایا اور زمین پر تم کو آباد کیا۔"

چنانچہ تفسیر طبری کے بعض الفاظ سے، اور تفسیر نیشاپوری کے صریح کلام سے بھی یہی معلوم[3] ہوتا ہے، جبکہ دُوسرے مفسرین کے کلام سے اس کی نفی نہیں ہوتی، اور تفسیر معارف القرآن میں ہمارے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں[4] کہ:

---

(۱) "معجم وتاریخ القُریٰ فی وادی القُریٰ" ص:۶۳۔

(۲) آیت:۷۴۔

(۳) اِن دونوں تفسیروں کی عبارتیں "معجم وتاریخ القُریٰ فی وادی القُریٰ" میں نقل کی گئی ہیں، ملاحظہ ہو اس کا ص:۱۵۴ و ص:۱۹۸۔

(۴) تفسیر معارف القرآن سورۃ الاعراف آیت:۷۴، ج:۳ ص:۶۰۵۔

دولت وقوّت کے نشے کی خاصیت ہی یہ ہے کہ ابھی ایک شخص کی بنیاد منہدم ہوتی ہے دُوسرا اُس خاک کے ڈھیر پر اپنی تعمیر کھڑی کرلیتا ہے اور پہلے کے واقعات کو بھول جاتا ہے۔ قومِ عاد کی تباہی اور ہلاکت کے بعد قومِ ثمود اُن کے مکانات اور زمینوں کی وارث بنی اور ان ہی مقامات پر اپنے عشرت کدے تعمیر کئے جن میں ان کے بھائی ہلاک ہو چکے تھے، اور ٹھیک وہی اعمال وافعال شروع کردیئے جو قومِ عاد نے کئے تھے کہ خدا و آخرت سے غافل ہوکر شرک و بت پرستی میں لگ گئے۔

اس آیت کی مذکورہ بالا تفسیر کی روشنی میں اس قیاس کی گنجائش بھی نکلتی ہے کہ ''العُلا'' شہر کے آس پاس کے وہ ''پُراسرار'' سے پہاڑ جن کا ذکر پیچھے ہوا ہے، اور جن کا سلسلہ ''مدائنِ صالح'' کے قریب تک پہنچا ہوا ہے، اُن کی وہ عجیب وغریب شکلیں شاید آندھیوں کے اُسی خوفناک عذاب نے بنا ڈالی ہوں جس نے قومِ عاد پر آٹھ دن اور سات راتوں تک مسلط رہ کر اُن کو اور ان کی آبادیوں کو پیس ڈالا تھا۔(۱)

یہ عجیب طرح کے کھنڈر!

اس قیاس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہر ''العُلا'' اور ''مدائنِ صالح'' کے پاس ایک علاقے کا نام ''اَلْخُرَیْبَة'' ہے، یہیں ایک بڑی چٹان کو کھود کر تراشا ہوا

---

(۱) اُن آندھیوں کا حال قرآنِ کریم نے یہ بیان کیا ہے کہ: ''مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ أَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ''، یعنی جن چیزوں کو تباہ کرنے کا حکم ان آندھیوں کو دیا گیا تھا، اُن کو ایسا کر چھوڑتی تھیں جیسے کوئی چیز گل کر ریزہ ریزہ ہوجاتی ہے۔ (سورۃ الذاریات آیت:۴۲)۔
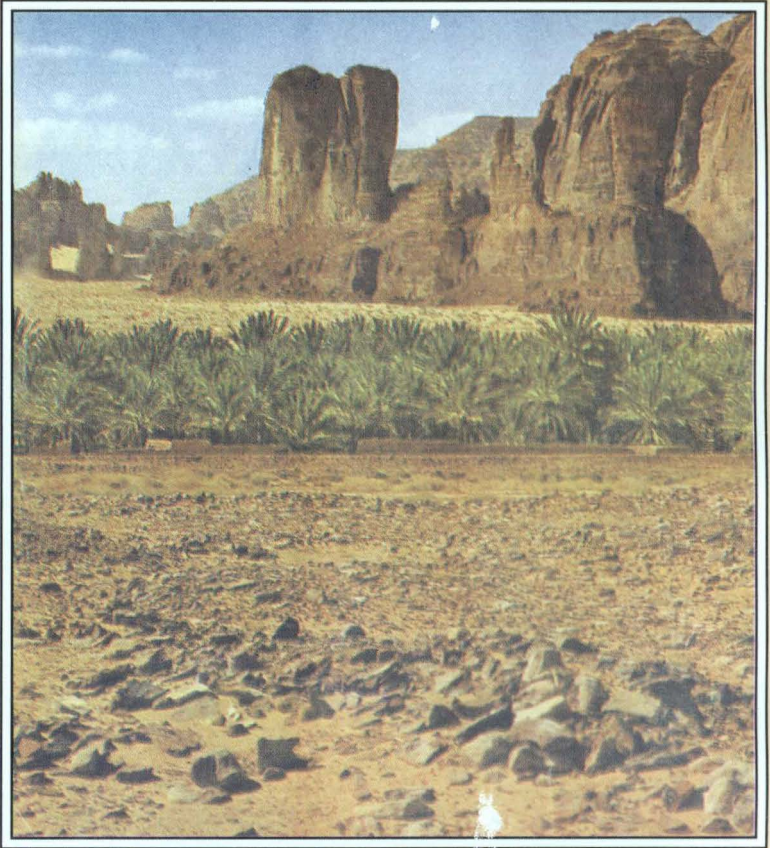
''العلا'' شہر سے ''الخریبۃ'' کا عمومی منظر
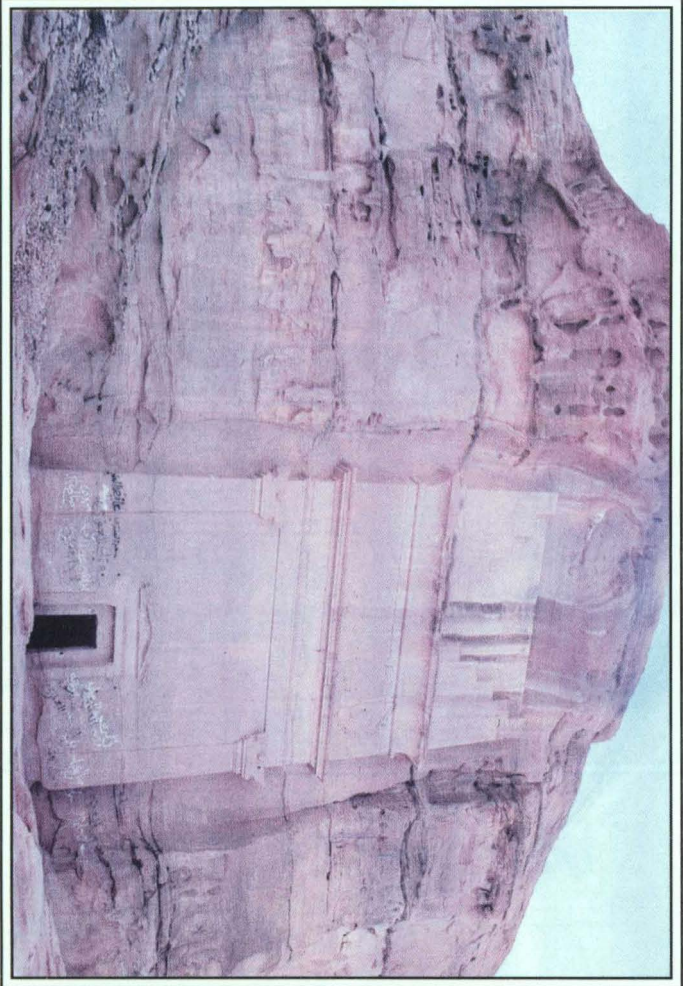
''قصر الصانع'' کا صدر دروازہ، اس عمارت کے متعلق طرح طرح کے افسانے منقول ہیں
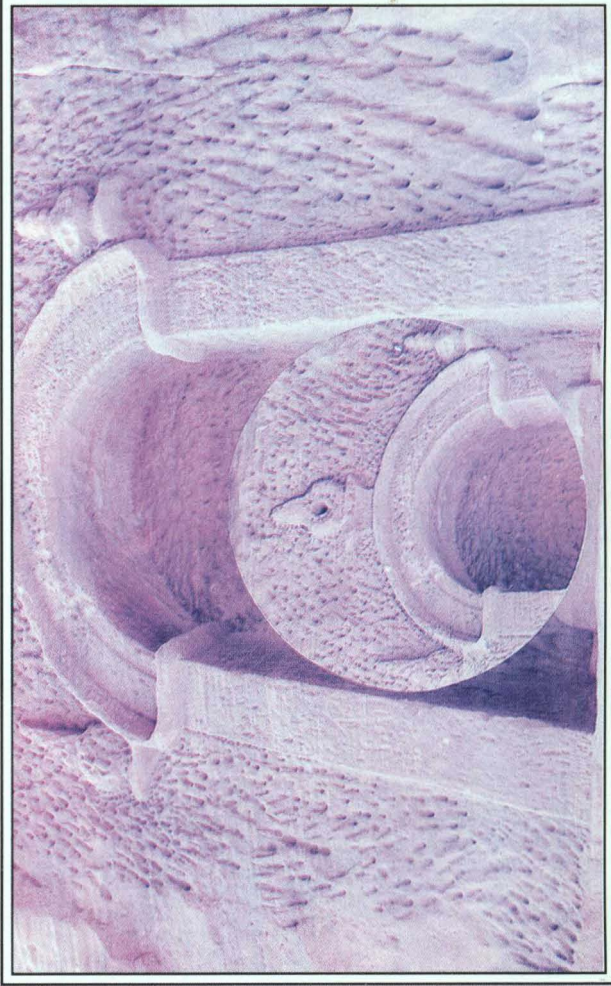
”دیوان ابوزید“ کی جنوبی گزرگاہ میں بنائی گئی محراب نما عمارت، جو دقیقہ رسی پر مبنی سنگ تراشی میں مہارت کی عبرتناک داستان سنا رہی ہے۔
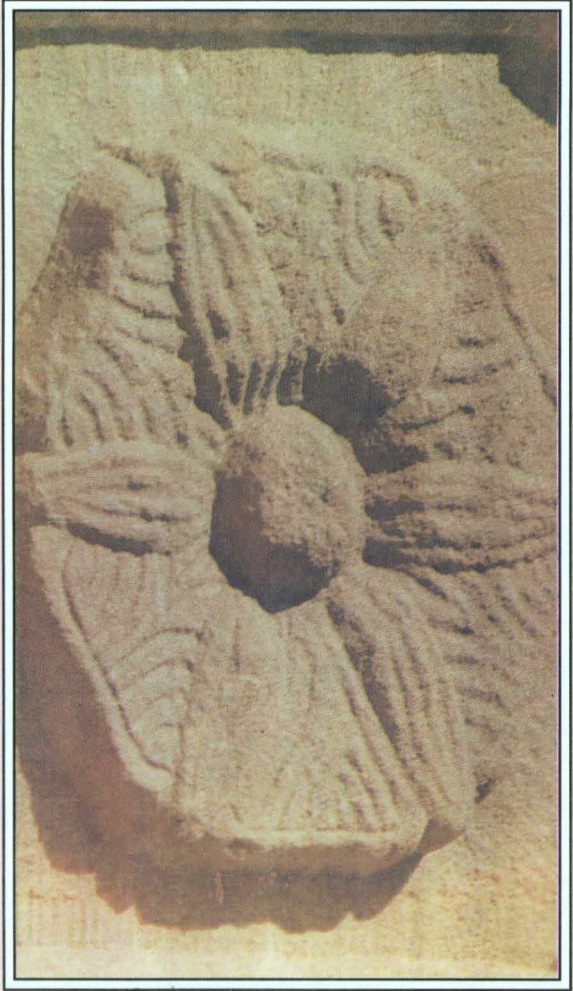
چٹان میں کھدائی کر کے چھ پتیوں کا پھول

وہ گول حوض بھی ہے جسے "مَحلِبُ النَّاقَة" کہا جاتا ہے، یعنی وہ حوض جس میں حضرت صالح علیہ السلام کی عجیب الخلقت اُونٹنی کا دُودھ، دوہ کر جمع کیا جاتا اور لوگوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس "اَلْخُرَیْبَة" میں ٹیلوں اور پہاڑوں کی شکلیں ایسی ہیں کہ کتاب "مُعجم وتاریخ القُریٰ فِی وادی القُریٰ" کا مصنف جو اسی علاقے کا باشندہ ہے، ان کے بارے میں لکھتا[1] ہے کہ:

> یہ اَلْخُرَیْبَة اُن محلات کا مجموعہ ہے جن کو گردشِ اَیام نے اس طرح برباد کیا کہ یہ ایک دُوسرے پر گرگر کر ڈھیر ہوگئے، اور ٹیلے سے بن گئے، لیکن ان کی شکلیں بتاتی ہیں کہ یہ اُن محلات کا بقایا ہیں جن میں کبھی منظّم انسانی زندگی رواں دواں تھی۔

اس قیاس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ قرآنِ حکیم نے سورۃ الشعراء (آیت:۱۲۸ و ۱۲۹) میں قومِ عاد کا یہ حال بھی بیان کیا ہے کہ:

> وہ ہر اُونچی جگہ پر (بطور) یادگار (عمارتیں) بناتے تھے، جن کا فائدہ (سوائے دِکھاوے اور نمائش کے) کچھ نہ تھا، اور محلات (ایسے مضبوط) بناتے تھے جیسے اُن میں ان کو ہمیشہ رہنا ہے۔

تو ہوسکتا ہے کہ "اَلْخُرَیْبَة" کے یہ پہاڑی کھنڈر بھی قومِ عاد کی نشاندہی کر رہے ہوں ـــــ مگر قومِ ثمود نے اِن سے بھی کوئی سبق حاصل نہ کیا، واللہ اعلم۔

حضرت صالح علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے جس طرح پچھلی اُمتوں کی ہدایت کے لئے انبیائے کرام بھیجے تھے، قومِ ثمود کی ہدایت کے لئے حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا، حضرت صالح علیہ السلام نسب اور وطن کے اعتبار سے قومِ ثمود ہی کے ایک فرد تھے، کیونکہ یہ

(۱) "معجم وتاریخ القُریٰ فی وادی القُریٰ" ص:۲۸۷۔

بھی حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے ''سام'' ہی کی اولاد میں سے ہیں، اسی لئے قرآنِ کریم میں ان کو قوم ثمود کا بھائی فرمایا ہے۔ سورۃ الاعراف میں ارشاد ہے:

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَٰلِحًا.[1]

''اور ہم نے قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا۔''

صحیح بخاری کے عظیم شارح حافظ ابنِ حجرؒ کے بیان کے مطابق:-

حضرت ہود علیہ السلام جن کو قومِ عاد کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا تھا، وہ حضرت نوح علیہ السلام کی آٹھویں نسل میں ہیں، اور حضرت صالح علیہ السلام جو قومِ ثمود کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے وہ دسویں نسل میں،[2] جس کا حاصل یہ ہے کہ قومِ ثمود کا جو واقعہ قرآنِ کریم نے بیان کیا ہے وہ قومِ عاد سے دو نسلوں کے بعد کا ہے۔

پیچھے عرض کر چکا ہوں کہ بعض مؤرخین نے دونوں قوموں کے واقعات کے درمیان اپنے اندازوں سے تقریباً پانچ سو۵۰۰ سال کا زمانہ بتایا ہے، حافظ ابنِ حجرؒ کے مذکورہ بیان سے اس اندازے کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ مفسرین[3] نے عام طور سے

---

(۱) سورۃ الاعراف آیت:۷۳۔

(۲) فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: ''وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا'' (ج:۶ ص:۳۷۶) میں حضرت ہود علیہ السلام کا نسب نامہ یوں درج ہے: ''هُوَ هود بن عبد الله[8] بن رباح[7] بن جاور[6] بن عاد[5] بن عوص[4] بن إرَم[3] بن سام[2] بن نوح[1]'' اور ذرا آگے ص:۳۷۹ پر ''باب قول اللہ تعالیٰ: وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَٰلِحًا'' کے تحت حضرت صالح علیہ السلام کا نسب نامہ یہ درج ہے: ''هُوَ صالح[10] بن عبيد[9] بن أسيف[8] بن ماشخ[7] بن عبيد[6] بن حاجر[5] بن ثمود[4] بن عابر[3] بن إرَم[2] بن سام[1] بن نوح''۔

(۳) مثلاً ملاحظہ ہو: تفسیر رُوح المعانی ج:۸ ص:۱۶۴ وتفسیر قرطبی ج:۷ ص:۲۳۹ سورۃ الاعراف۔

بیان کیا ہے کہ قومِ ثمود کی عمریں بہت زیادہ ہوتی تھیں، چنانچہ بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق قومِ ثمود کے سب سے پہلے بادشاہ[1] کا دورِ حکومت دو سو ۲۰۰ سال رہا ہے، اُس کے بعد جُندَع نے دو سو نوّے[۲۹۰] سال حکومت کی، اسی کے دورِ حکومت میں حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے،[2] حتیٰ کہ یہ بادشاہ ان پر ایمان[3] لے آیا۔ اس طرح حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے درمیان دو نسلوں کی مدّت ۴۹۰ سال بنتی ہے، جو مؤرخین کے اندازوں کی تائید کرتی ہے، واللہ اعلم۔

غرض! حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو دعوت دی وہ وہی دعوت ہے جو آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک سب انبیاء علیہم السلام دیتے چلے آئے تھے کہ: اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق و مالک مانو، اُس کے سوا کوئی معبود بنانے کے لائق نہیں۔[4]

قوم کو نصیحت اور دعوتِ توحید

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا، فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ط اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ O[5]

''اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، اُس کے سوا کوئی تمہارا

(۱،۲) اس بادشاہ کا نام ''عابر'' ہے، جو حضرت نوح علیہ السلام کی چھٹی نسل میں گزرا ہے۔ (معجم وتاریخ القریٰ فی وادی القریٰ ص:۲۶ بحوالہ ''الاصطخری'')۔

(۳) حوالۂ بالا ص:۳۴ وص:۴۱ بحوالہ ''الکامل فی التاریخ'' لعزالدین ابن الأثیر ج:۱ ص:۸۹ تا ۹۳ وبحوالہ ''البدایة والنهایة'' ج:۱ ص:۱۳۰ تا ۱۳۹۔

(۴) سورۃ الاعراف آیت:۷۳، و سورۃ ہود آیت:۶۱۔

(۵) سورۂ ہود آیت:۶۱۔

معبود نہیں، اُسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا، اور تم کو اس میں آباد کیا، تو تم اُس سے (اپنے کفر و شرک کی) معافی مانگو، اور اُس کے آگے توبہ کرو، بلاشبہ میرا ربّ قریب (بھی) ہے اور قبول کرنے والا (بھی) ہے۔"

مگر نبی کی شفقت بھری نصیحت کا جواب اس متکبر قوم نے یہ دیا کہ:

يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا أَتَنْهٰنَآ أَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ إِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ (۱)

"اے صالح! اس سے پہلے ہم تم سے اُمیدیں رکھتے تھے (جو اَب ٹوٹ گئیں)، کیا تم ہم کو اُن چیزوں کی عبادت سے منع کرتے ہو جن کی عبادت ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں؟ اور جس دِین (توحید) کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو اُس میں ہم کو تو واقعی بہت شبہ ہے۔"

یعنی "آپ کے دعوائے نبوّت، اور بت پرستی کی ممانعت کرنے سے پہلے ہم کو آپ سے بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں کہ آپ ہماری قوم کے بڑے رہبر اور رہنما ثابت ہوں گے" ـــــ قوم نے یہ بات اس لئے کہی کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیائے کرام کی پرورِش بچپن ہی سے نہایت پاکیزہ اخلاق اور اعلیٰ درجے کی عادات میں کرتے ہیں، جیسا کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اعلانِ نبوّت سے پہلے اہلِ عرب "اَمین" (امانت دار) کا خطاب دیتے تھے، اور نیک اور سچا مانتے تھے، نبوّت کے دعوے اور بت پرستی کی ممانعت کرنے پر یہ سب مخالف ہوگئے۔ (۲)

---

(۱) سورۂ ہود آیت:۶۲۔

(۱) تفسیر معارف القرآن ج:۴ ص:۶۴۳۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے کہا:[1]

''میں تمہارے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، امانت دار ہوں، تو اللہ سے ڈرو، میری بات مان لو، میں تم سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا معاوضہ (اجر وثواب) تو بس (اللہ) رَبّ العالمین ہی کے ذمہ ہے، (اور تم جو موجودہ خوش حالی کی وجہ سے اللہ سے اتنے غافل ہوگئے ہو، تو) کیا تم کو اِن ہی نعمتوں میں بے فکری سے رہنے دیا جائے گا جو یہاں (دُنیا میں تم کو ملی ہوئی) ہیں؟ (یعنی) باغوں میں، اور پانی کے چشموں میں، اور کھیتوں میں اور ان کھجوروں میں جن کے گچھے خوب بھرے ہوئے اور نرم اور لذیذ ہیں؟''

مطلب یہ کہ اگر تم نے غفلت نہ چھوڑی اور شرک و بت پرستی سے توبہ نہ کی تو یہ ساری نعمتیں تم سے چھن جائیں گی۔

قوم کی سرکشی اور انوکھا مطالبہ

مگر دولت وقوّت کے نشے میں سرشار قوم نے اس نصیحت کا بھی کوئی اثر نہ لیا، بلکہ نبیٔ برحق کی اس خیرخواہی کے جواب میں یہاں تک کہہ ڈالا کہ:

اِنَّمَآ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِيۡنَ ۝ مَآ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۚ فَاۡتِ بِاٰيَةٍ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝[2]

''تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کردیا ہے (جس کی وجہ سے

---

(۱) سورۃ الشعراء آیت:۱۴۳ تا ۱۴۸۔

(۲) سورۃ الشعراء آیت:۱۵۳و۱۵۴۔

نبوّت کا دعویٰ کرتے ہو، حالانکہ) تم تو بس ہماری طرح کے (معمولی) آدمی ہو، تو کوئی معجزہ پیش کرو اگر تم (نبوّت کے دعوے میں) سچے ہو۔"

اس سرکش قوم نے اس پر بھی بس نہیں کی، بلکہ اپنے نبی کو یہاں تک کہہ دیا کہ:

"هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ"۔۔۔۔ وہ تو بڑا جھوٹا ہے، بڑائی باز۔ (نعوذ باللہ)

مگر حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی جوانی کے زمانے سے اپنی قوم کو توحید کی جو دعوت دینا شروع کی تھی، قوم کی اس ناقدری، تکبر اور ایذا رسانیوں کے باوجود اسے صبر و استقامت اور نہایت نرمی اور شفقت سے جاری رکھا، یہاں تک کہ بڑھاپے کے آثار شروع ہوگئے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی بار بار نصیحتوں سے تنگ ہوکر ان کی قوم نے باہمی مشورے سے طے کیا کہ اِن سے ایسا مطالبہ کرو جس کو یہ پورا نہ کرسکیں اور ہمیں ان کی مخالفت کا جواز مل جائے مطالبہ یہ کیا کہ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو ہماری فلاں پہاڑی، جس کا نام "کاتبة"[1] تھا اُس کے اندر سے ایک ایسی اُونٹنی نکال دیجئے جو دس مہینے کی گابھن ہو اور طاقت ور اور تندرست ہو۔

عجیب الخلقت اُونٹنی ۔۔۔ ایک معجزہ

حضرت صالح علیہ السلام نے اوّل ان سے عہد لیا کہ اگر میں تمہارا مطالبہ اللہ تعالیٰ سے پورا کروا دُوں تو تم سب مجھ پر اور میری تعلیمات پر ایمان لے آؤ گے؟ جب سب نے معاہدہ کرلیا تو صالح علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے

---

(۱) یہ پہاڑی "اَلحِجر" (مدائنِ صالح) میں اب بھی موجود ہے، اور اب یہ "جبل الحوراة" کے نام سے معروف ہے۔ (معجم وتاریخ القُریٰ فی وادی القُریٰ ص:۱۰۲)۔ رفیع

دُعا کی کہ آپ کے لئے تو کوئی کام مشکل نہیں، اِن کا مطالبہ پورا فرمادیں۔ دُعا کرتے ہی اُس پہاڑی کے اندر حرکت ہوئی اور اس کی چٹان پھٹ کر اس میں سے ایک اُونٹنی اُسی طرح کی نکل آئی جیسا مطالبہ کیا تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام کا یہ کھلا ہوا حیرت انگیز معجزہ دیکھ کر اُن میں سے کچھ لوگ تو مسلمان ہوگئے، اور باقی ساری قوم نے بھی ارادہ کرلیا کہ ایمان لے آئیں، مگر قوم کے چند سردار جو بتوں کے خاص پجاری اور بت پرستی کے سرغنہ تھے، انہوں نے ان کو بہکا کر اسلام قبول کرنے سے روک دیا۔[1]

حضرت صالح علیہ السلام نے جب دیکھا کہ قوم نے عہد شکنی کی ہے اور خطرہ ہوا کہ اِن پر کوئی عذاب آجائے تو پیغمبرانہ شفقت کی بنا پر اُن کو یہ نصیحت فرمائی کہ:

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○[2]

''تمہارے پاس تمہارے رَبّ کی طرف سے ایک کھلی دلیل (میرے رسول ہونے کی) آ پہنچی ہے، یہ اللہ کی اُونٹنی ہے جو تمہارے لئے دلیل کے طور پر آئی ہے، بس اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرا کرے، اور اس کو بُرائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا، ورنہ تم کو دردناک عذاب آ پکڑے گا۔''

اس آیت میں جو فرمایا کہ ''اللہ کی زمین میں کھاتی پھرا کرے'' یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس اُونٹنی کے کھانے پینے میں تمہارے مال اور تمہارے گھر سے کچھ نہیں

(۱و۳) تفسیر معارف القرآن ج:۳ ص:۶۰۷ (سورۃ الاعراف آیت:۷۳)۔

(۲) سورۃ الاعراف آیت:۷۳۔

جاتا، زمین اللہ کی ہے، اُس میں چارے کا پیدا کرنے والا وہی ہے، اُس کی اُونٹنی کو اُس کی زمین میں آزاد چھوڑ دو کہ عام چراگاہوں میں کھاتی رہے۔[۱]

پانی کی تقسیم اور اُونٹنی کا دُودھ

قومِ ثمود کے پاس اگرچہ پانی کے چشموں کی کمی نہ تھی، جیسا کہ پیچھے سورۃ الشعراء کی آیات کے ترجمے سے واضح ہے، اور ایک کنواں بھی تھا جس سے وہ پانی پیتے پلاتے تھے، اُسی سے یہ اُونٹنی بھی پانی پیتی تھی، مگر یہ عجیب الخلقت اُونٹنی جب پانی پیتی تو پورے کنویں کا پانی ختم کر دیتی تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے یہ فیصلہ فرمادیا تھا کہ ایک دن یہ اُونٹنی پانی پیئے گی، اور دُوسرے دن قوم کے لوگ پانی لیں گے۔ اور جس روز یہ اُونٹنی پانی پیئے گی تو دُوسروں کو پانی کے بجائے اس عجیب وغریب اُونٹنی کا دُودھ اتنی مقدار میں مل جاتا تھا کہ وہ اپنے سارے برتن اُس سے بھر لیتے تھے۔[۲]

اس ناقہ کا حوض

پتھر سے تراشے ہوئے جس حوض میں اس اُونٹنی کا دُودھ جمع کر کے تقسیم ہوتا تھا وہ حوض اب بھی شہر ''العُلا'' اور ''مدائنِ صالح'' کے پاس ''اَلْخُرَیْبَة'' کے مقام پر موجود ہے، جیسا کہ پیچھے ''یہ عجیب قسم کے کھنڈر'' کے عنوان میں آچکا ہے، اس حوض کا فوٹو بھی اس سفرنامے میں شائع کیا جارہا ہے۔ ناقہ (اُونٹنی) کے اس حوض کا ذکر علامہ ابنِ جریر طبریؒ نے بھی اپنی تاریخ میں کیا ہے۔[۳]

اس کنویں کے پانی کی تقسیم کا جو فیصلہ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا

(۱،۲) تفسیر معارف القرآن ج:۳ ص:۶۰۷۔

(۳) ملاحظہ ہو: معجم وتاریخ القُریٰ فی وادی القُریٰ ص:۲۸، بحوالہ تاریخ الأمم والملوک ج:۱ ص:۱۱۵ تا ۱۱۹۔
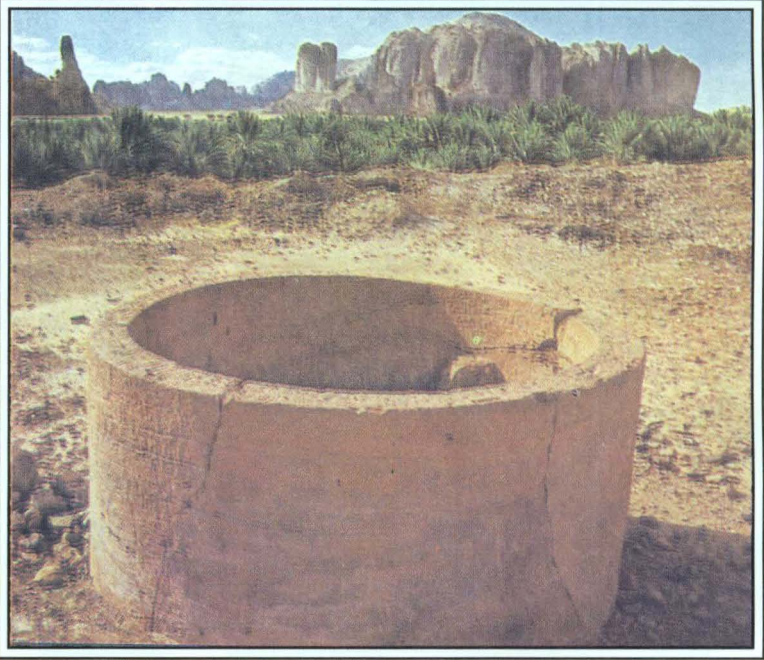
قومِ ثمود کے زمانے کا چٹان تراش کر بنایا گیا ایک حوض جس کا قطر چار میٹر اور گہرائی دو میٹر ہے۔ یہاں اس کا نام ''محلب الناقۃ'' (ناقہ کے دودھ دوہنے کی جگہ) مشہور ہے۔ غالباً حضرت صالح علیہ السلام کی عجیب الخلقت معجزاتی ناقہ (اونٹنی) کا دودھ جو پوری بستی کے لوگ پیتے تھے، اسی میں جمع کیا جاتا ہوگا۔
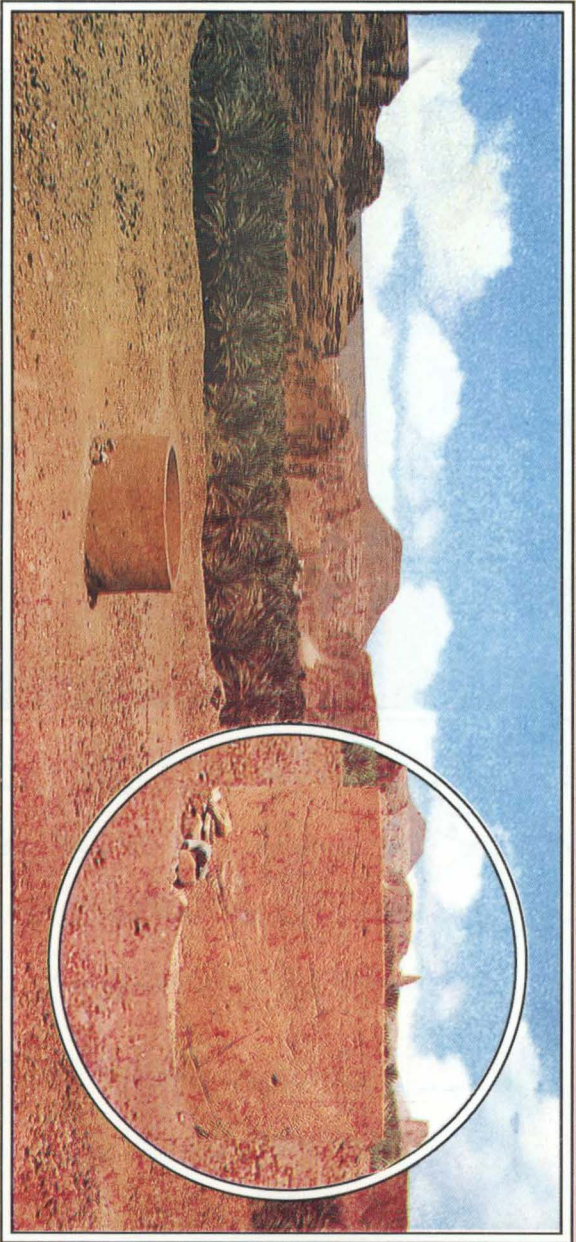
چٹان سے تراشہ ہوا ایک حوض جو شہر العلا کے پاس ''الخریبۃ'' کے علاقے میں موجود ہے۔ اس حوض کو ''محلب الناقۃ'' (اونٹنی کا دودھ دوہنے کا برتن) کہا جاتا ہے۔

تھا، قرآنِ کریم میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے کہ صالح علیہ السلام نے فرمایا:

هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ.[1]

''یہ ایک اُونٹنی ہے، پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہے، اور ایک مقرّر دِن میں ایک باری تمہاری۔''

یعنی یہ اللہ کی اُونٹنی ہے، ایک دن پانی کا حق اس کا، اور دُوسرے دن کا پانی تمہارے لئے مقرّر ہے،[2] اس تقسیم کا ذکر قرآنِ حکیم میں دُوسری جگہ اس طرح ہے:

وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ.[3]

یعنی اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ ان کو بتلا دیجئے کہ کنویں کا پانی اُن کے اور اُونٹنی کے درمیان تقسیم ہوگا، اور اس تقسیم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی نگرانی مسلط ہوگی کہ کوئی اس کے خلاف نہ کر سکے۔[4]

قوم کو عذاب سے بچانے کی فکر

نیز صالح علیہ السلام نے عہد کی خلاف ورزی کرنے والی اس سرکش قوم کو اللہ کے عذاب سے بچانے کے لئے پھر اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات یاد دِلائے کہ اب بھی یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز آجائیں، فرمایا:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ.[5]

---

(۱) سورۃ الشعراء آیت:۱۵۵۔
(۲) تفسیر معارف القرآن ج:۳ ص:۶۰۷۔
(۳) سورۃ القمر آیت:۲۸۔
(۴) حاشیہ نمبر۲ ملاحظہ فرمائیں۔
(۵) سورۃ الاعراف آیت:۷۴۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اُس نے قومِ عاد کو ہلاک کر کے اُن کی جگہ تم کو بسایا، اور تم کو یہ صنعت سکھلادی کہ کھلی زمین میں بڑے بڑے محلات بنالیتے ہو، اور پہاڑوں کو تراش کر اُن میں کمرے اور مکانات بنالیتے ہو، تو اللہ کی (یہ اور دُوسری) نعمتیں یاد کرو، اُس کا احسان مانو، اسی کی عبادت کرو، اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔

دو فریق ہو گئے

مگر بجائے اس کے کہ یہ سب ایمان لے آتے، ہوا وہ جو قرآنِ کریم نے دُوسری جگہ بتایا کہ:

فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ.(۱)

''دیکھتے ہی دیکھتے اُن میں دو فریق ہو گئے جو آپس میں جھگڑنے لگے۔''

یعنی ایک فریق تو ایمان لے آیا، دُوسرا تکبر کی وجہ سے اپنے کفر پر جما رہا، اب اِن میں جو جھگڑا یعنی بحث مباحثہ ہوا اس کا کچھ حصہ قرآنِ حکیم نے سورۃ الاعراف میں بیان کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ: قوم میں جو متکبر سردار تھے اور ایمان نہیں لائے تھے، انہوں نے اُن لوگوں سے کہا جن کو حقیر اور کمزور سمجھا جاتا تھا اور وہ ایمان لاچکے تھے، کہ کیا تم واقعی یہ جانتے ہو کہ صالح (علیہ السلام) اپنے ربّ کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول ہیں؟

مؤمنین نے اُن کو جو نہایت بلیغ جواب دیا اُس کا حاصل یہ ہے کہ ہم صالح علیہ السلام کے رسول ہونے کو صرف جانتے نہیں بلکہ دِل سے مانتے بھی ہیں، بلکہ ہم

---

(۱) سورۃ النمل آیت:۴۵۔

تو اُن ساری ہدایات پر بھی ایمان لاچکے ہیں جو ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہیں۔[۱]

مگر اس بھرپور جواب پر بھی اِن متکبروں نے یہی کہا کہ:

اِنَّا بِالَّذِیْ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ.[۲]

''جس پر تم ایمان لائے ہو ہم اُس کو نہیں مانتے۔''

اور سورۃ النمل میں ہے کہ ان بدنصیبوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ بھی کہا کہ:

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ.[۳]

''ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔''

حضرت صالح علیہ السلام نے جواب دیا کہ:

طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ.[۴]

''تمہاری نحوست (کا سبب یعنی کفر و شرک) اللہ کو معلوم ہے، بلکہ تم تو ایسی قوم ہو جس کی آزمائش ہو رہی ہے (اس لئے اللہ کے عذاب سے ڈرو)۔''

اور جب ان لوگوں کو حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو وہ کہنے لگے: ''لاؤ وہ عذاب جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو، اگر تم واقعی رسول ہو''۔[۵]

حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو پھر شفقت سے سمجھایا کہ:

یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْ لَا

---

(۱) سورۃ الاعراف آیت: ۷۵۔

(۲) سورۃ الاعراف آیت: ۷۶۔

(۳،۴) سورۃ النمل آیت: ۴۷۔

(۵) سورۃ الاعراف آیت: ۷۷۔

تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ.[1]

"اے میری قوم! تم نیک کام (یعنی توبہ و ایمان) سے پہلے عذاب کیوں جلدی مانگتے ہو؟ تم لوگ اللہ کے سامنے (کفر) سے معافی کیوں نہیں مانگ لیتے، تاکہ تم پر اللہ کا رحم ہوجائے (اور عذاب سے بچ جاؤ)۔"

"نَاقَۃُ اللّٰہ" کے قتل کا منصوبہ ــــــ دو عورتیں!

پیچھے آچکا ہے کہ قومِ ثمود کے پاس پانی کے چشموں کی کمی نہ تھی، مگر جس کنویں سے حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹنی (ناقہ) پانی پیتی تھی، صرف اُس میں حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ طے فرمادیا تھا کہ اس سے ایک دن یہ اُونٹنی پانی پیئے گی اور دُوسرے دن قوم کے لوگ پانی پی سکیں گے اور اپنے جانوروں کو بھی پلاسکیں گے، اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ احسان بھی فرمایا تھا کہ جس دن ان کو اس کنویں کا پانی نہیں ملتا تھا اُس دن اس معجزاتی اُونٹنی کا دُودھ ان کو اتنی مقدار میں مل جاتا تھا کہ وہ اپنے سارے برتن اُس سے بھر لیتے تھے۔

مگر جب کسی قوم کی شامت آجاتی ہے تو وہ عقل و ہوش کے بجائے ضد، ہٹ دھرمی اور ناشکری کی طرف چل پڑتی ہے، وہ پانی کی اس تقسیم پر ناراض تھے، اور ناقہ کے جانی دُشمن ہوگئے تھے، مگر اُسے خود قتل کرنے سے ڈرتے تھے کہ اللہ کا عذاب آجائے گا۔

شیطان کی سب سے بڑی چال جس میں پھنس کر انسان اپنی عقل و ہوش، عام طور سے کھو بیٹھتا ہے، وہ مرد کو عورت کا لالچ ہے۔ قوم کی دو حسین وجمیل عورتوں

---

(۱) سورۃ النمل آیت:۴۶۔

نے یہ بازی لگادی کہ جو شخص اس ناقہ کو قتل کردے گا، ہم اور ہماری لڑکیوں میں سے جس کو چاہے وہ اُس کی ہے۔[1]

اُونٹنی کا قتل

قوم کے دو بدقسمت نوجوان "مِصدَع" اور "قَدار" اس لالچ میں مدہوش ہوکر ناقہ (اُونٹنی) کو قتل کرنے کے لئے نکل پڑے، اور ناقہ کے راستے میں ایک پتھر کی چٹان کے نیچے چھپ کر بیٹھ گئے، ناقہ جب سامنے آئی تو مِصدَع نے تیر کا وار کیا، اور قَدار نے تلوار سے اُس کے پاؤں کاٹ کر قتل کرڈالا۔[2]

قرآنِ کریم نے اسی کو قومِ ثمود کا سب سے بڑا بدبخت قرار دیا ہے، ارشاد ہے:-

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰهَا. اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا.[3]

"یعنی قومِ ثمود نے اپنی شرارت سے (نبی کو) جھٹلایا، جبکہ اس قوم کا سب سے زیادہ بدبخت (آدمی) اُونٹنی کو قتل کرنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔"

اس ہولناک واقعہ کا علم حضرت صالح علیہ السلام کو ہوا تو اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے قوم کو بتلادیا کہ اب تمہاری زندگی کے صرف تین دن باقی ہیں:

تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ، ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ.[4]

"تم تین دن اپنے گھروں میں اور آرام کرلو (اس کے بعد اللہ

(۱،۲) تفسیر معارف القرآن ج:۳ ص:۶۱۱۔

(۳) سورۃ الشمس آیت:۱۱،۱۲۔

(۴) سورۃ ہود آیت:۶۵۔

کا عذاب آنے والا ہے) یہ وعدہ سچا ہے (اس کے خلاف کا امکان نہیں)۔"

مگر جس قوم کا وقت خراب آجاتا ہے اُس کے لئے کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوتی، حضرت صالح علیہ السلام کے اس ارشاد پر بھی اِن بدبخت لوگوں نے مذاق اُڑانا شروع کردیا، اور کہنے لگے کہ وہ عذاب کس طرح اور کہاں سے آئے گا؟ اور اس کی علامت کیا ہوگی؟

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ لو عذاب کی علامات بھی سن لو، کل جمعرات کے روز تم سب کے چہرے سخت پیلے (زرد) ہوجائیں گے، مرد و عورت، بچہ بوڑھا کوئی اس سے نہ بچ سکے گا، پھر پرسوں جمعہ کے روز سب کے چہرے بالکل سرخ ہوجائیں گے، اور ترسوں ہفتہ کے روز سب کے چہرے بالکل سیاہ ہوجائیں گے، اور یہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔

بدنصیب قوم یہ سن کر بھی بجائے اس کے کہ توبہ و اِستغفار کی طرف متوجہ ہوجاتی، یہ فیصلہ کر بیٹھی کہ صالح علیہ السلام ہی کو قتل کردیا جائے، کیونکہ اگر یہ سچے ہیں اور ہم پر عذاب آنا ہی ہے تو ہم اپنے سے پہلے ان کا کام کیوں تمام نہ کردیں، اور اگر جھوٹے ہیں تو اپنے جھوٹ کا خمیازہ بھگتیں۔[1]

نو ۹ فسادیوں کا ٹولہ، نبی کے قتل کی سازش

یوں تو کافر اس قوم میں بہت تھے، مگر نو فسادیوں کا ایک ٹولہ ان کا سرغنہ تھا، مال دار اور بااثر تھا، انہوں نے قوم کے متفقہ فیصلے کے تحت حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کی جو سازش کی وہ قرآنِ حکیم نے اس طرح بیان کی ہے:

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ وَلَا

---

(۱) تفسیر معارف القرآن ج:۳ ص:۶۱۱۔

يُصْلِحُونَ O قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصٰدِقُونَ O (۱)

''یعنی شہر (حجر) میں نو سرغنے ایسے تھے جو اس سرزمین میں فساد ہی پھیلایا کرتے تھے اور کبھی اصلاح کا کام نہ کرتے تھے، اُنہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ آؤ سب مل کر اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم رات کو صالح اور ان کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے (اور سب کو قتل کر ڈالیں گے) پھر جب تحقیق کی نوبت آئے گی تو ہم اُن کے وارثوں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو ان کی ہلاکت کے موقع پر موجود ہی نہیں تھے، اور ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں۔''

اس منصوبے کے تحت یہ لوگ رات کو حضرت صالح علیہ السلام کو ان کے مکان پر قتل کرنے کے ارادے سے روانہ ہوگئے، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہاڑ کی ایک چٹان ان کے اُوپر لڑھک کر آگری، جس نے اُن سب کو کچل ڈالا،(۲) ان نو۹ میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا۔ اسی واقعے کو قرآنِ حکیم نے اپنے خاص انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:

وَمَكَرُوا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ O فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ O (۳)

''ایک خفیہ تدبیر انہوں نے کی، اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے اس طرح کی کہ ان کو خبر بھی نہ ہوئی، تو دیکھو ان کی شرارت کا انجام

---

(۱) سورۃ النمل آیت: ۴۸ و ۴۹۔

(۲) تفسیر معارف القرآن ج:۳ ص:۶۱۱، و ج:۶ ص:۵۷۸۔

(۳) سورۃ النمل آیت: ۵۰ و ۵۱۔

کہ ہم نے ان کو (تو فوراً ہی) اور ان کی قوم کو (تین دن بعد) سب کو ہلاک کر ڈالا۔‘‘

عذابِ الٰہی، زلزلہ اور چنگھاڑ

جمعرات کی صبح ہوئی تو صالح علیہ السلام کی پیشگی خبر کے مطابق سب کے چہرے ایسے زرد (پیلے) ہوگئے جیسے گہرا زرد رنگ پھیر دیا گیا ہو۔

عذاب کی پہلی علامت بالکل سچی ظاہر ہوجانے کے بعد بھی ظالموں کی آنکھیں نہ کھلیں کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آتے اور اپنی غلط کاریوں سے باز آجاتے، بلکہ ان کا غیظ و غضب حضرت صالح علیہ السلام پر اور بڑھ گیا، اور پوری قوم اِن کے قتل کی فکر میں پھرنے لگی۔ اللہ تعالیٰ اپنے قہر سے بچائے کہ متکبروں اور سرکشوں کے دِل و دِماغ اندھے ہوجاتے ہیں، نفع کو نقصان اور نقصان کو نفع، اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔

بالآخر دُوسرا دن آیا تو پیش گوئی کے مطابق سب کے چہرے سرخ ہوگئے، اور تیسرے دن سخت سیاہ ہوگئے، اب تو یہ سب زندگی سے مایوس ہوکر انتظار کرنے لگے کہ عذاب کس طرف سے، کس طرح آتا ہے۔[1]

اسی حال میں زمین سے ایک سخت زلزلہ آیا، اور اُوپر سے انتہائی ہیبت ناک چنگھاڑ آئی، جس سے سب کے سب بیٹھے بیٹھے اوندھے گر کر مر گئے۔

اس عذاب کی عبرت ناک تفصیل

قرآنِ حکیم نے اس عبرت ناک عذاب کو مختلف مقامات پر بیان کیا ہے، جس سے اس کی عبرت ناک تفصیل سامنے آتی ہے۔

---

(۱) تفسیر معارف القرآن ج:۳ ص:۶۱۲ (سورۃ الاعراف)۔

سورۃ الاعراف[۱] میں ارشاد ہے:

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ.

''تو آپکڑا ان کو زلزلے نے، اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (جو جس حال میں تھا وہیں ڈھیر ہوگیا)۔''

سورۂ ہود[۲] میں ہے:

وَأَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ كَأَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا.

''اور پکڑ لیا ان ظالموں کو چنگھاڑ (ہولناک آواز) نے اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے، جیسے وہ اِن گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔''

معلوم ہوا کہ دونوں ہی عذاب آئے تھے، زلزلہ بھی اور چنگھاڑ بھی۔

سورۃ الحجر[۳] میں ہے:

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ O فَمَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ.

''پس آپکڑا اُن کو صبح کے وقت چنگھاڑ نے، اور اُن کے ہنر (فنِ تعمیر اور سنگ تراشی) اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے۔''

سورۃ الشعراء[۴] میں ارشاد ہے:

فَعَقَرُوْهَا فَأَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ O فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً.

''پھر اُنہوں نے اُونٹنی کو مار ڈالا اور پچھتاتے رہ گئے، پھر ان کو

---

(۱) آیت: ۷۸۔
(۲) آیت: ۶۷ و ۶۸۔
(۳) آیت: ۸۳ و ۸۴۔
(۴) آیت: ۵۱ تا ۵۳۔

عذاب نے آپکڑا، بلاشبہ اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے۔''

سورۃ النمل(۱) میں ارشاد ہے:

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ O فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ O وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ.

''تو دیکھ لو اُن کی شرارت کا انجام کہ ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو ہلاک کر ڈالا، تو یہ پڑے ہیں ان کے گھر ویران، اُن کے ظلم کی وجہ سے، واقعی اس میں بڑی عبرت ہے عقل والوں کے لئے۔ اور ہم نے ایمان اور تقویٰ والوں کو بچائے رکھا (کہ ان کے خلاف قتل کی سازش کامیابی ہوئی نہ اُن پر عذاب آیا)۔''

سورۃ حٰمٓ السجدۃ(۲) میں ہے:

فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ O وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَO

''تو اُن کو اُن کی بدکرداریوں کی وجہ سے سخت ذِلت کے عذاب کی کڑک نے آپکڑا، اور ہم نے ان لوگوں کو بچالیا جو ایمان لا چکے تھے اور گناہوں سے بچتے تھے۔''

سورۃ الذّٰرِیٰتِ(۳) میں ارشاد ہے:

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ. فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ.

''تو ان کو کڑک کے عذاب نے آدبایا اس طرح کہ وہ اس عذاب کو دیکھ رہے تھے، بس وہ نہ تو کھڑے ہی ہوسکے (بلکہ

---

(۱) آیات: ۵۱ تا ۵۳۔ (۲) آیات: ۱۷ و ۱۸۔ (۳) آیات: ۴۴ و ۴۵۔

اوندھے منہ گر گئے) اور نہ وہ اس کا (کسی سے) بدلہ لے سکے۔"

سورۃ القمر[۱] میں ارشاد ہے:

إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ.

"ہم نے اُن کے اُوپر ایک چنگھاڑ بھیج دی جس سے وہ کانٹوں کی اُس باڑھ کی طرح ہوگئے جو سوکھ کر چورا چورا ہوگئی ہو۔"

سورۃ الحاقّۃ[۲] میں ہے کہ:

كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ O فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِO وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍO

"قومِ ثمود اور قومِ عاد نے قیامت کو جھٹلایا، پھر قومِ ثمود کو تو اُس زبردست آواز سے ہلاک کیا گیا جو دُنیا بھر کی ساری آوازوں کی حد سے بڑھی ہوئی تھی (جس سے ان کے دِل پھٹ گئے)، اور وہ جو قومِ عاد تھی تو اُسے ایک ایسی تند و تیز آندھی سے ہلاک کیا گیا جو بہت سرد اور سخت ٹھنڈی تھی"۔[۳]

سورۃ الشّمس[۴] میں ارشاد ہے:

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنبِهِمْ فَسَوّٰهَا.

"چنانچہ اُن کے ربّ نے اُن پر ایسا عذاب مسلط کیا جس نے ان کو فنا کے گھاٹ اُتار کر سب کو برابر کر ڈالا (یعنی کسی مرد و عورت یا بڑے چھوٹے کو زندہ نہیں چھوڑا)۔"

---

(۱) آیت: ۳۱۔ (۲) آیات: ۴ تا ۶۔
(۳) تفسیر معارف القرآن ج: ۶ ص: ۵۴۵۔ (۴) آیت: ۱۴۔

موجودہ صورتِ حال

پیچھے سورۃ الاعراف اور سورۃ الشعراء کے حوالے سے آچکا ہے کہ اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے پانی کے چشموں، کھیتوں اور باغات کی دولت سے مالا مال کیا تھا، انہوں نے کھلی زمین میں عالی شان محلات تعمیر کئے تھے اور پہاڑوں میں گھر تراشے تھے مگر ـــــ آج اس پوری وادی میں کوئی باغ نظر آتا ہے نہ کھیت، نہ کوئی چشمہ بہتا دِکھائی دیتا ہے، نہ کسی محل کا نام و نشان باقی ہے، بس ایک ریگستان سا ہے جس کے اندر اور اس کے اِردگرد فاصلے فاصلے سے پہاڑوں کے تراشے ہوئے مکانات ویران پڑے ہیں، اور اپنے مکینوں اور بنانے والوں کی بدنصیبی کا ماتم کر رہے ہیں ـــــ اس بستی کی پوری فضاء میں بس قرآنِ کریم کی یہ آیت یوں لگتا ہے کہ بس کر رہ گئی ہے:

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ O[1]

"تو یہ پڑے ہیں ان کے گھر ویران، ان کے ظلم کی وجہ سے،
بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے عقل والوں کے لئے۔"

ان مکانات کو ہمیں تفصیل سے دیکھنے کی تو ہمت نہ ہوئی، البتہ دروازوں کے سائز اور چھتوں کی اُونچائی بتاتی ہے کہ اِن لوگوں کے قد و قامت موجودہ دور کے لوگوں سے مختلف نہ تھے، دروازوں کی اُونچائی سات آٹھ فٹ سے زیادہ نہیں۔ چنانچہ قرآنِ حکیم نے قومِ عاد کے جسمانی ڈیل ڈول اور غیر معمولی قد و قامت کا تو خاص طور سے ذکر کیا ہے،[2] جبکہ قومِ ثمود کے بارے میں ایسی کوئی بات ارشاد نہیں فرمائی۔

ان ویران پہاڑی گھروں کی تصویریں مجھے مدینہ منوّرہ کے ایک کرم فرما

---

(۱) سورۃ النمل آیت:۵۲۔

(۲) سورۃ الفجر آیت:۷و۸، و سورۃ الاعراف آیت:۶۹۔

دوست سے ملی ہیں، کچھ کو اس سفرنامے کا جزو بنا رہا ہوں، اِن تصویروں میں آپ کو ان مکانات پر کھدے ہوئے نقش و نگار اور طرح طرح کی شکلیں بھی دیکھنے کو ملیں گی، جو فنِ سنگ تراشی میں ان کی غیر معمولی مہارت کی داستانیں سنا رہی ہیں۔

ابو رُغال کا انجام

بعض روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ قومِ ثمود پر جب عذاب آیا تو ان میں سوائے ایک شخص ''ابو رُغال'' کے کوئی نہیں بچا، یہ شخص اُس وقت حرمِ مکہ میں پہنچا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے حرمِ مکہ کے احترام میں اُس وقت اس کو عذاب سے بچائے رکھا، بالآخر جب وہ حرم سے نکلا تو وہی عذاب جو اُس کی قوم پر آیا تھا اس پر بھی آیا اور یہیں ہلاک ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مکہ مکرّمہ سے باہر ''ابو رُغال'' کی قبر کا نشان بھی دِکھلایا، اور یہ بھی فرمایا کہ اُس کے ساتھ سونے کی ایک چھڑی بھی دفن ہوگئی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے قبر کھولی تو سونے کی چھڑی مل گئی، وہ نکال لی گئی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ طائف کے باشندے ''بنو ثقیف'' اسی ابو رُغال کی اولاد ہیں۔[1]

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھی

قوم پر عذاب نازل ہونے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مؤمنین بھی اس جگہ کو چھوڑ کر کسی دُوسری جگہ ہجرت کر گئے، بعض روایات میں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ چار ہزار مؤمنین تھے، اِن سب کو لے کر یمن کے علاقے ''حَضرَمُوت'' میں چلے گئے، اور وہیں حضرت صالح علیہ

---

(۱) تفسیر معارف القرآن ج:۳ ص:۶۱۳ (سورۃ الاعراف) بحوالہ تفسیر مظہری۔

السلام کی وفات ہوئی، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ معظّمہ چلے گئے تھے اور وہیں وفات ہوئی۔

۱۹۸۵ء کے ماہِ اپریل کی بات ہے کہ میں آٹھ روزہ دورے پر ایک بین الاقوامی کانفرنس کے سلسلے میں عراق گیا تھا، اصل قیام تو بغداد میں تھا، مگر دُوسرے شہروں میں بھی جانا ہوا تھا، نجف کے قبرستان میں حاضری ہوئی تو وہاں ایک سبز رنگ کے قبے (گنبد) کے بارے میں بتایا گیا کہ اس میں حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام ایک ہی قبر میں مدفون ہیں۔ اور یہ بات وہاں خاصی مشہور و معروف تھی، الحمدللہ اُس قبر کی زیارت اور دُعا کرنے کی سعادت ملی۔ مگر روایات کے اِن اختلافات کی وجہ سے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت صالح علیہ السلام واقعی کہاں آرام فرما ہیں، والعلم عند اللہ۔

جملہ معترضہ

نجف کے اس قبرستان کا ذکر آہی گیا ہے تو یہاں ایک قبر پر لگا ہوا سبق آموز کتبہ بھی آپ کو دِکھاتا چلوں، اس پر لکھا تھا:-

یَا قَارِیٔ کِتَابِیْ ..... أَبْکِیْ عَلَی الشَّبَابِیْ

بِالْأَمْسِ کُنْتُ حَیًّا ..... وَالْاٰنَ فِی التُّرَابِیْ

''میری اس تحریر کو پڑھنے والو! میں اپنی جوانی پر رو رہا ہوں، کل میں زندہ تھا اور اَب مٹی میں ہوں۔''

بہرحال! یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا، بات قومِ ثمود کی اُجاڑ بستی ''اَلْحِجر'' کی ہو رہی تھی ...... یہاں سے ہم اِستغفار پڑھتے اور اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے ظہر سے پہلے ہی نکل گئے۔ عبدالوحید صاحب اور ان کے رُفقاء ہم سے رُخصت ہوکر ''العُلا'' کو روانہ ہوگئے۔

ثمودی نقوش اور تحریریں

قومِ ثمود کے ان پہاڑی گھروں کی پیشانی پر اور ان کے دائیں بائیں طرح طرح کے ڈیزائن، نقش و نگار اور تصویریں بھی تراشی گئی ہیں، بہت سے گھروں پر شاہین کی تصویر ہے، شاید اس جانور سے ان کو خاص تعلق تھا، کئی گھروں کے اُوپر اُونچی اُونچی پانچ سیڑھیاں دائیں طرف اور ایسی ہی پانچ سیڑھیاں بائیں طرف تراشی ہوئی ہیں، شاید یہ ان کا کوئی مذہبی نشان ہوگا۔

اس کے علاوہ ثمودی نقش و نگار اور تحریریں نہ صرف یہاں بلکہ سعودی عرب کے بہت سے علاقوں میں بھی دریافت ہوئی ہیں، یعنی مکہ مکرّمہ، مدینہ منوّرہ، تیماء، طائف، حائل، خیبر، تبوک، العُلا، قصیم، جدہ، نجران اور ریاض کے اطراف میں، نیز اُردُن اور مصر کے بعض علاقوں میں بھی ان کے نقوش اور تحریریں پہاڑوں، چٹانوں پر کھدی ہوئی ملی ہیں، ان میں زراعت کے آلات، پالتو جانوروں، گھوڑوں اور اُونٹوں کی تصاویر بھی ہیں، اور عورتوں اور مردوں کی تصاویر بھی۔

ثمودی تحریریں جو پہاڑوں اور چٹانوں وغیرہ پر تراشی یا کھودی گئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم لکھنے پڑھنے کی بھی اچھی صلاحیت رکھتی تھی، متعدّد نقوش اور تحریروں کے ساتھ اُن کے بنانے والوں کے نام بھی کھدے ہوئے دریافت ہوئے ہیں۔[1]

لیکن ان دریافتوں نے ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے سامنے ایک سوالیہ نشان بھی کھڑا کردیا ہے۔ وہ یہ کہ قومِ ثمود جس پر اللہ کا عذاب آیا وہ تو "اَلْحِجر" (مدائن صالح) میں تھی، پھر ان کے یہ نقوش سعودی عرب کے دیگر مذکورہ بالا مقامات اور اُردُن و مصر کے بعض علاقوں میں کس طرح پہنچ گئے؟

---

(۱) معجم وتاریخ القُریٰ فی وادی القُریٰ ص:۶۳ تا ۶۶۔

اس سوال کا کوئی حتمی جواب تو وہ نہ دے سکے، البتہ ایک خیال یہ ظاہر کیا ہے کہ اس قوم کے کچھ لوگ تجارت یا دُوسرے معاشی مقاصد سے اِن علاقوں میں بھی گئے ہوں گے، انہوں نے وہاں یہ نقوش بناڈالے، جیسا کہ آج بھی بہت سے لوگ سیاحت وغیرہ کے لئے کہیں جاتے ہیں تو وہاں اپنا نام یا طرح طرح کی عبارتیں لکھ آتے ہیں۔

دُوسرا خیال یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قومِ ثمود میں چونکہ لکھنے پڑھنے کا رواج تھا، تو دُوسرے علاقوں کے لوگوں نے بھی ان سے کتابت سیکھ لی ہوگی، اور یہ کتابت ان کے یہاں بھی رواج پاگئی ہوگی، انہوں نے یہ تحریریں پہاڑوں اور چٹانوں وغیرہ پر کھود ڈالی ہیں۔

تیسرا خیال یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قومِ ثمود جس کا دورِ حکومت تقریباً پانچ سو سال پر پھیلا ہوا ہے، اس کے کچھ حصے کسی زمانے میں شاید ان علاقوں میں بھی آباد رہے ہوں،[1] مگر یہ سب قیاسات ہیں، ان میں سے کوئی بات بھی یقینی نہیں ہے، پورا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔

نبطی قوم کی تحریریں ...دُوسرا سوالیہ نشان

اَلْحِجْر (مدائن صالح) میں پائے جانے والی تحریروں نے ایک بڑا سوالیہ نشان ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے سامنے یہ کھڑا کیا ہے کہ ان کی تحقیق کے مطابق یہاں پائی جانے والی اکثر تحریریں "نبطی" زبان کی ہیں، ثمودی لغت کی تحریریں مدائن صالح میں بہت کم ہیں۔

نبطی قوم (الأنباط) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہے، اور یہ قومِ ثمود کے بہت بعد کے لوگ ہیں، کیونکہ قومِ ثمود کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: معجم وتاریخ القُریٰ فی وادی القُریٰ ص:٦١ تا ٦٦۔
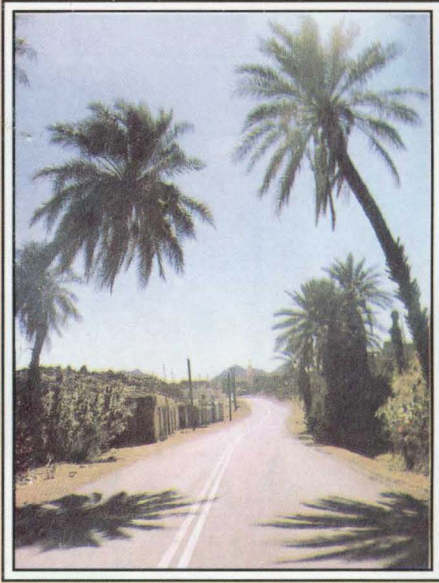
قدیم خیبر کا ایک منظر
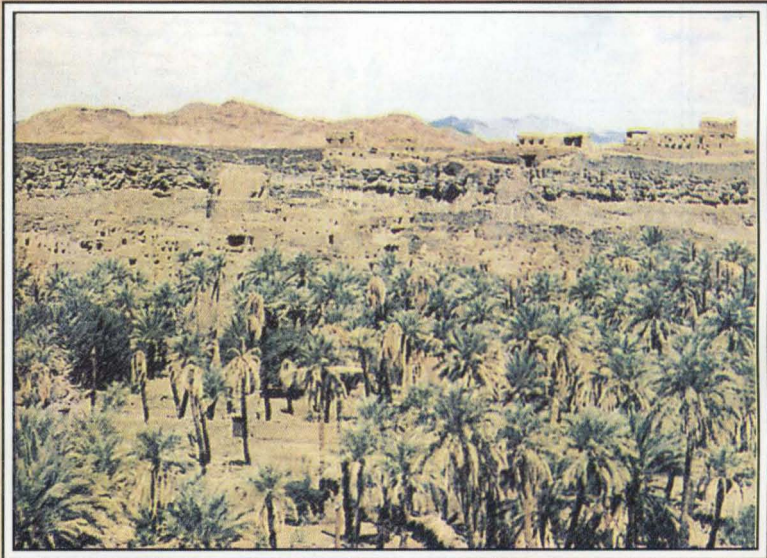
قدیم خیبر کا ایک منظر
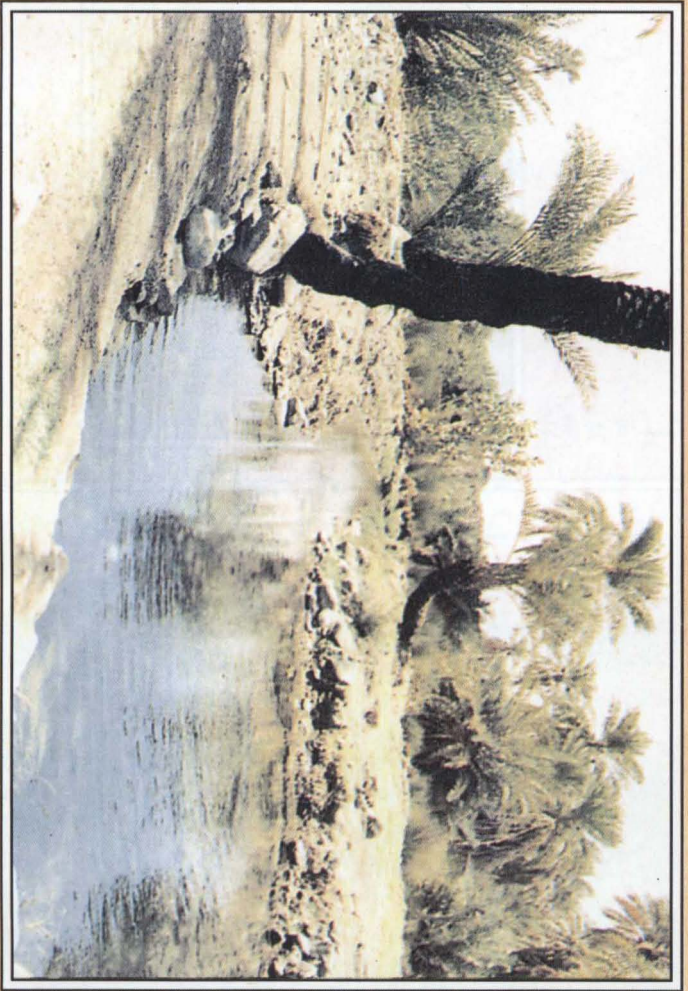
عین الهامه نامی خیبر کا چشمہ

خیبر کی مرکزی سڑک، بائیں جانب بلدیہ خیبر کی عمارت کا ایک حصہ نظر آرہا ہے
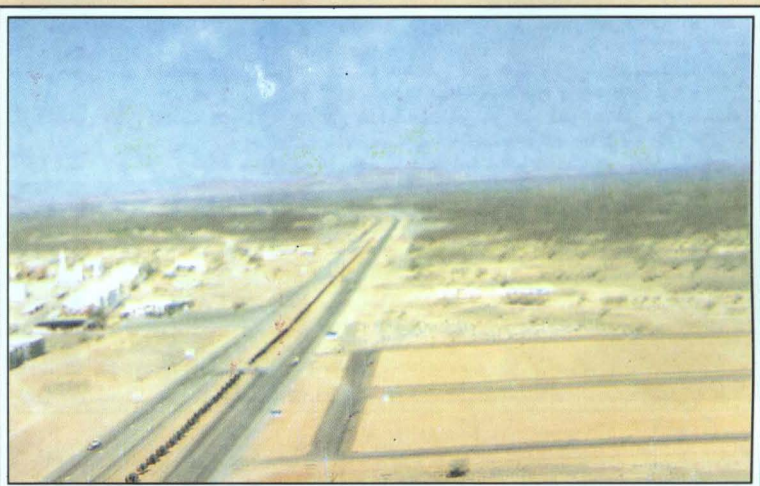
تبوک کو جانے والا ہائی وے جو خیبر سے گزرتا ہے
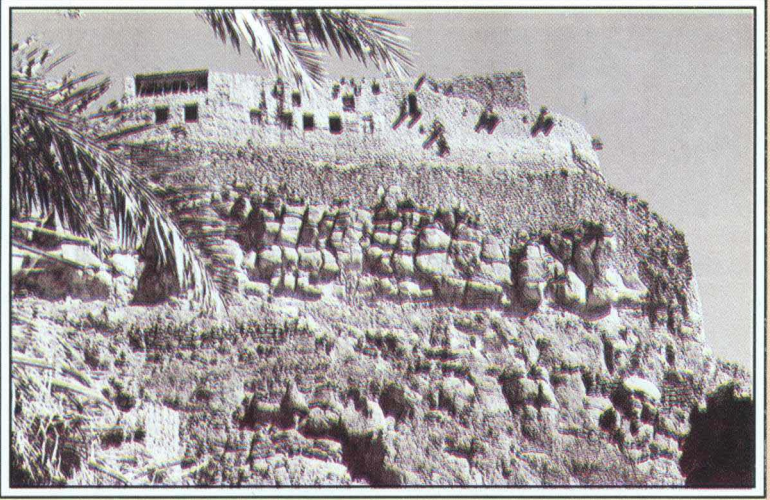
یہودیوں کے زمانے کا ''قصر مرحب'' جو خیبر میں واقع ہے
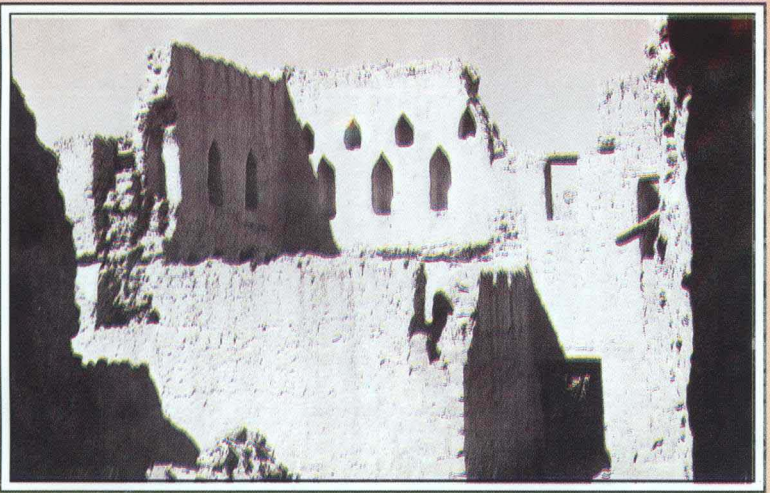
قدیم اسلامی فنِ تعمیر کا ایک نمونہ جو خیبر میں ''قصر مرحب'' کے نیچے فتح خیبر کے بہت بعد کبھی بنایا گیا تھا۔

پہلے کا ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اَلْحِجْر میں قومِ ثمود کے پہاڑوں سے تراشے ہوئے ان گھروں پر نبطی قوم کی یہ تحریریں کیسے آ گئیں؟

اس کا بھی کوئی جواب سوائے اس کے نہیں دیا جاسکا کہ غالباً قومِ ثمود کے بعد اس علاقے میں اور ان گھروں میں نبطی قوم آکر آباد ہوگئی تھی، یہ بھی بت پرست تھی اور اُس نے ان مکانوں پر یہ تحریریں کھود ڈالی ہیں۔ جیسا کہ اب بھی بہت سے لوگ یہ کرتے ہیں کہ کسی کا بنایا ہوا مکان خریدا اور اُس پر اپنا نام یا دُوسری عبارتیں لکھ دیں، اور طویل عرصے بعد میں آنے والوں کے سامنے وہی سوال کھڑا کردیا، جس کا سامنا یہاں آثارِ قدیمہ کے ماہرین کر رہے ہیں۔[1] واللہ اعلم

بہرحال! ہم اَلْحِجْر (مدائن صالح) کے اس ممنوع علاقے سے ظہر سے پہلے ہی نکل گئے اور ظہر کی نماز باہر پڑھی۔ اور پھر اُسی لق و دق صحراء کو عبور کرکے عصر کی نماز خیبر میں جاکر ایک مسجد میں ادا کی۔

خیبر میں

خیبر کو دیکھنے کا عرصۂ دراز سے شوق تھا، مغرب تک ہم یہیں دو گاڑیوں میں اَٹکل پچو گھومتے رہے، خیبر شہر کی موجودہ آبادی اب نئے طرز کے پختہ مکانات پر مشتمل ہے، بتایا گیا کہ قدیم زمانے کا اصل خیبر شہر- جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہودیوں کا شہر تھا، اور فتح ہوجانے کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو یہاں رہنے دیا تھا- اس سے ذرا آگے ہے، پختہ سڑک وہاں بھی جاتی ہے، وہاں پہنچ کر دیکھا تو یہودیوں کا وہ شہر کھنڈروں کا مجموعہ ہے اور ویران پڑا ہے، اُونچے

---

(۱) نبطی قوم (الانباط) کے بارے میں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: معجم وتاریخ القُریٰ فی وادی القُریٰ ص:۶۷ تا ۷۲۔ نیز علامہ سیّد سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب تاریخ اَرض القرآن ص:۲۹۲ تا ۳۰۷۔

نیچے ٹیلوں پر بہت سے مکان انتہائی بوسیدہ حالت میں اپنی قدامت کی داستان سناتے دِکھائی دیتے ہیں، شاید ان میں بہت سے مکانات یہودیوں کے زمانے کے ہیں۔ ایک بہت پُرانا قلعہ بھی ایک بڑے ٹیلے پر نظر آیا، بتایا گیا کہ یہ یہودیوں کے اُن قلعوں میں سے ایک ہے، جنھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے موقع پر فتح کیا تھا، مگر اُس کے اِردگرد دُور تک اُونچے نیچے ٹیلوں پر گھنا جنگل، کھجوروں کے لاتعداد درخت اور طرح طرح کے کھنڈر ہیں، قلعہ تک پہنچنے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ مدینہ منوّرہ کے جو رُفقاء ہمارے ساتھ تھے انہوں نے بتایا کہ قلعہ تک پہنچ بھی جائیں تو حکومت کی طرف سے اندر جانے کی سخت ممانعت ہے، کیونکہ اُس کی ٹوٹی پھوٹی عمارتیں اتنی بوسیدہ ہیں کہ کسی وقت بھی گر کر جان کے لئے خطرہ بن سکتی ہیں۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ ایک جیپ میں سعودی پولیس کے لوگ آگئے اور انہوں نے آگے جانے سے منع کر دیا۔

خلاصہ یہ کہ یہ تمنا پوری نہ ہوسکی کہ ''غزوۂ خیبر'' کے واقعات کی روشنی میں اس قدیم شہر کا تفصیلی دورہ کیا جاسکے۔ یہ تمنا اگلے سال پوری ہوئی، اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو کسی وقت اُس کی رُوئیداد بھی قلم بند کرنے کی کوشش کروں گا، فی الحال ''انبیاء کی سرزمین'' کا یہ سفرنامہ یہیں ختم کر رہا ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مقدس تاریخی مقامات اور اسلامی ورثے کا تحفظ

روزنامہ ''جنگ'' کا
حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم سے انٹرویو

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم نامور عالمِ دِین، مذہبی اسکالر، محقق اور مصنف ہیں۔ وہ ''مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کے صاحبزادے ہیں، علومِ دِینیہ کی مشہور درس گاہ ''جامعہ دارالعلوم کراچی'' کے، جس کا قیام ۱۹۵۱ء میں عمل میں آیا، رئیس اور مفتیٔ اعظم کے منصب پر فائز ہیں۔ وہ اسلامی نظریاتی کونسل، قومی کمیشن برائے تعلیم کی اسلامی تشکیل کے علاوہ ملکی سطح پر تشکیل دی گئی کئی اہم کمیٹیوں اور کمیشنوں کے رکن رہے ہیں۔ علاوہ ازیں اسلامی دُنیا کے متعدّد تعلیمی اور فقہی اداروں کے سرپرست اور ممبر ہیں۔

گزشتہ دنوں انہوں نے سعودی حکومت کی دعوت پر شاہی مہمان کی حیثیت سے حرمین شریفین، سعودی عرب کے دیگر شہروں کا دورہ اور مقدس تاریخی مقامات کی زیارت کی۔ علمی اور ثقافتی مراکز کا دورہ کیا، بالخصوص تاریخی اور مقدس مقامات اور اسلام کے ثقافتی ورثے کے تحفظ کے لئے سعودی حکومت کی جانب سے کئے گئے اقدامات کا مشاہدہ کیا۔ اُن کا یہ مطالعاتی دورہ تقریباً ایک ماہ پر مشتمل تھا۔ اس حوالے سے ''جنگ'' کی جانب سے کیا گیا خصوصی انٹرویو اور مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کے مشاہدات وتأثرات پر مبنی رپورٹ قارئین کی نذر ہے۔

❊..... گزشتہ دنوں سعودی حکومت کی خصوصی دعوت پر آپ نے حرمین شریفین کی زیارت، وہاں کے مقدس تاریخی، دِینی اور علمی مراکز و مقامات کا مطالعاتی

دورہ کیا، اس کی کیا نوعیت تھی اور یہ دورہ کس سلسلے میں تھا؟

*…… یہ دورہ ۲۵ دنوں پر مشتمل تھا، اس دورے کا پس منظر یہ ہے کہ گزشتہ سال میں نے سعودی قونصل جنرل ڈاکٹر عبدالرشید عطار کو پیغام بھجوایا کہ میں اور میری اہلیہ عمرے کی ادائیگی کے ساتھ مملکتِ سعودی عربیہ میں تاریخی مقامات اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت بھی کرنا چاہتے ہیں، اس کے لئے ویزا مطلوب ہے۔ مگر اس وقت اس طرح کا ویزا ملنے میں کچھ رُکاوٹیں حائل تھیں، تو ہم عمرے کا عام ویزا لے کر وہاں چلے گئے۔ جب اس سال موسمِ حج کے فوراً بعد ہم نے ارادہ کیا کہ اطمینان سے حرمین شریفین میں حاضری دیں، تو میں نے پھر صرف عمرے کے ویزے کے لئے پیغام بھیجا، انہوں نے جواب دیا کہ پچھلے سال آپ نے جو درخواست دی تھی اس کی منظوری آ گئی ہے، آپ کے لئے اور آپ کی اہلیہ کے لئے زیارت کا ویزا تیار ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ آپ وہاں شاہی مہمان ہوں گے۔ اس طرح ہمارا یہ سفر اللہ تعالیٰ نے جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے، میری طلب کے بغیر ہی شاہی مہمان کے طور پر مطالعاتی دورے کے انداز میں کرادیا۔

*…… کیا اس مطالعاتی دورے میں ملک کے دیگر اداروں سے وابستہ حضرات اور علمائے کرام بھی مدعو تھے؟

*…… نہیں، کیونکہ میں نے تو اپنے طور پر یہ درخواست دی تھی۔

*…… آپ نے اس مطالعاتی دورے میں کن کن مقامات کی زیارت کی، کن شہروں کا دورہ کیا اور آپ کی رائے میں اس دورے کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟

*…… ہم نے مکہ مکرّمہ، مدینہ منوّرہ، جدہ، خیبر، حقل، تبوک، ریاض اور دمام وغیرہ کا دورہ کیا، اس دورے کے بہت مفید اثرات میں نے محسوس کئے۔ لیکن ایک چیز کی حسرت رہی کہ حرمین شریفین میں میرا قیام صرف ایک ہفتے رہا۔ کیونکہ یہ سفر مطالعاتی دورے کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ اس سلسلے میں وہاں کی حکومت اور کئی

وزارتوں نے مشترکہ پروگرام تشکیل دیا تھا، تاہم اس دوران بہت سے شہروں اور مقدس تاریخی مقامات کی زیارت اور مختلف شخصیات سے ملاقات میرے لئے باعثِ مسرّت و انبساط ہوئی۔ بہت سی نئی باتیں میرے علم میں آئیں، میری معلومات میں اضافہ ہوا۔

اس مطالعاتی دورے کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لئے خادم الحرمین الشریفین ملک فہد بن عبدالعزیز کی حکومت نے غیر معمولی انتظامات کئے تھے، ہم جس شہر میں جاتے وہاں ہمارے لئے شاہی پروٹوکول کا خاص انتظام ہوتا تھا، ایک سرکاری پروٹوکول آفیسر ابراہیم نشوان، جو وزارتِ شؤونِ اسلامیہ کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیں، اس پورے سفر میں میرے ساتھ رہے، اور جس محبت و اِکرام سے میریٔ راحت رسانی میں لگے رہے، اس کا دِل پر گہرا نقش ہے۔ جس جگہ ہمارا قیام ہوتا، قریب ہی کسی کمرے میں یہ بھی مقیم ہوتے۔ اس کے علاوہ سعودی حکومت نے اس طرح کے انتظامات کئے تھے کہ جس شہر میں جانا ہوتا، اس شہر کے تاریخی مقامات اور دیگر مقاماتِ مقدسہ کے ماہرین ہمارے منتظر ہوتے اور ان میں سے ہر ایک ہمارے معاون اور رفیق کا کردار ادا کرتا تھا، جن اداروں میں مجھے لے جایا گیا، وہاں کی تفصیلات اور معلومات فراہم کرنے کے لئے ان اداروں کے سربراہان ہمارے منتظر ہوتے تھے۔ کئی وزارتوں نے مل کر یہ کام انجام دیا، جن میں سرِفہرست وزارتِ شؤونِ اسلامیہ اور شاہی پروٹوکول کا ادارہ ہے۔ نیز وزارتِ تعلیم، وزارتِ داخلہ، وزارتِ خارجہ اور وزارتِ سیاحت کے نمائندہ افراد ان انتظامات میں شریک تھے۔

کیا معلومات میرے علم میں آئیں؟ اس سلسلے میں بتانا چاہتا ہوں، کچھ معلومات تاریخی حوالوں سے ہیں اور کچھ نئی معلومات سعودی حکومت کی موجودہ ترقیاتی کارگزاری سے متعلق ہیں۔ میں سب سے پہلے تاریخی نوعیت کے بارے میں عرض کروں گا۔ اس مرتبہ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ موجودہ سعودی حکومت آثارِ قدیمہ،

تاریخی مقامات اور مقاماتِ مقدسہ کے تحفظ کے سلسلے میں پیش رفت کر رہی ہے۔ ماضی میں جب سعودی حکومت کا قیام ہوا، تو مقاماتِ مقدسہ اور تاریخی مقامات پر طرح طرح کی بدعتیں لوگوں نے رائج کر رکھی تھیں، سعودی حکومت نے جہاں ان بدعات کا خاتمہ بڑی قوت سے کیا، اس کے ساتھ ایک عام تأثر یہ بھی پایا جاتا تھا اور پایا جاتا ہے کہ رَدِّ بدعات کے مقصد کو حاصل تو کیا گیا ہے، لیکن اس میں بہت سے تاریخی مقامات بھی زَد میں آگئے ہیں، اب ان کی کوئی زیارت کرنا چاہے تو یہ، یا تو ممکن نہیں رہا، یا بہت مشکل ہوگیا ہے۔

اس دورے میں جو نئی بات سامنے آئی، وہ یہ ہے کہ موجودہ حکومت نے اس قسم کی یادگاروں کو محفوظ کرنے کے لئے "المتاحف" یعنی تاریخی عجائب گھر کئی جگہ قائم کئے ہیں، اور مزید قائم کرنے کا منصوبہ ہے، جس کا مقصد اسلامی تاریخی ورثے کو تحفظ فراہم کرنا ہے، چنانچہ خاص مکۃ المکرّمہ کے مقدس شہر میں ایک بہت بڑا ادارہ "متحف المسجد الحرام" قائم کیا گیا ہے، جس میں مسجدِ حرام سے متعلق قدیم اشیاء و تاریخی نوادرات کو موجودہ حکومت نے محفوظ کیا ہے۔ حرم شریف کے صدیوں پہلے کچھ تعمیراتی حصے، بیت اللہ شریف میں استعمال شدہ مختلف زمانوں کے رسم الخط اور تحریریں وہاں محفوظ ہیں، اسی طرح "مقامِ ابراہیم" پہلے جس قسم کے قبے میں رکھا جاتا تھا، اس کو بھی محفوظ کیا گیا ہے، ہمیں وہ تمام چیزیں بہت تفصیل سے دِکھائی گئیں۔

اسی طرح مدینہ منوّرہ میں ایک بہت بڑا علاقہ جسے "سکۃ الحدید" یعنی ریلوے لائن کہا جاتا ہے، موجودہ حکومت نے اسے "المُتحَف" یعنی تاریخی عجائب گھر کے طور پر محفوظ کرلیا ہے، اور اس میں زیادہ سے زیادہ قدیم تاریخی یادگاروں کو محفوظ کرنے کا پروگرام ہے۔ اس احاطے کے اندر "مسجد سُقیا" کو بھی محفوظ کرلیا گیا ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں غزوۂ بدر کے لئے جاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، بعد میں یہاں مسجد تعمیر کی گئی۔ نیز اس احاطے میں ان یادگاروں کو بھی محفوظ

کیا گیا ہے جو خلافتِ عثمانیہ کے زمانے کی اس ریلوے لائن سے متعلق ہیں، جو امیر المؤمنین نے استنبول سے لے کر شام، اُردن اور تبوک کے راستے سے مدینہ طیبہ تک بچھائی ہوئی تھی، اس ریلوے لائن پر برسوں استنبول اور مدینہ منورہ کے درمیان ریلیں رواں دواں رہی ہیں، اُس وقت کی مدینہ منوّرہ کی ریلوے لائن اسی احاطے میں موجود ہے۔ ریلوے کے دو انجن بھی صحیح حالت میں کھڑے ہیں، حالانکہ یہ تقریباً ۱۲۵ سال پُرانے ہیں۔ ادارے کے ذمہ داروں نے بتایا کہ اب بھی ہم ان کو احاطے میں چلاتے ہیں اور ان کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ یہ ریل کا انجن اور بوگیاں استنبول تک سفر کرسکتی ہیں۔ ریل کے مسافروں کے ڈَبے، کھانے پینے کے سامان اور ریسٹورنٹ کے ڈَبے اور کوئلہ جس سے بھاپ تیار کرکے انجن چلایا جاتا تھا اس کو ذخیرہ کرنے والے ڈَبے، یہ تمام چیزیں ابھی تک محفوظ ہیں۔ سعودی حکومت کا منصوبہ یہ ہے کہ یہ اور اس جیسے اقدامات صرف ریلوے کی یادگار کے طور پر نہیں، بلکہ دیگر اسلامی ورثے کی حفاظت کے لئے بھی اسی طویل وعریض احاطے میں ہوں گے اور اسے عام لوگوں کے مشاہدے کے لئے کھولا جائے گا۔ اس سلسلے کا ایک "مُتْحَف" ریاض میں "مُتْحَف الملک عبدالعزیز التاریخی" کے نام سے ہے، مگر یہ صرف سعودی حکومت کے بانی، ملک عبدالعزیز مرحوم کے رہائشی محل اور ان کے سرکاری دفاتر وغیرہ سے متعلق ہے، جو دِلچسپی سے خالی نہیں۔

*..... اسلام کے تاریخی اور ثقافتی ورثے کے تحفظ کے لئے سعودی حکومت اور کیا کیا اقدامات کر رہی ہے؟

*..... اسلامی تاریخی ورثے کی حفاظت کے لئے موجودہ سعودی حکومت کا ایک عظیم کارنامہ یہ ہے کہ یہاں کے علمی اور تعلیمی اداروں میں قدیم ترین علمی اور فنی مخطوطات کی حفاظت کا تکنیکی بنیادوں پر خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ جن جامعات اور اداروں میں میرا جانا ہوا، ان میں سے ایک بڑا ادارہ ریاض میں "مؤسسة الملک

فیصل الخیریۃ'' کے نام سے موسوم ہے، یہ فاؤنڈیشن عظیم الشان رقبے پر مشتمل ہے اور خود ایک جہان ہے۔ مجھے اس کے متعلق تفصیلی معلومات فراہم کی گئیں اور اس میں جو شعبے قائم ہیں، ان کے سربراہوں نے اپنے اپنے شعبے تفصیل سے دِکھانے کی کوشش کی۔ شعبۂ مخطوطات سے مجھے خاص دِلچسپی تھی، اس میں علمی اور فنی مخطوطات کی حفاظت، ان کی ترتیب اور ان کو قابلِ استفادہ بنانے کے لئے جدید ترین تکنیک کو جس خوبی سے استعمال کیا گیا ہے، وہ میرے لئے باعثِ مسرّت تھی، لیکن یہاں اس سلسلے کی ایک جدید ٹیکنالوجی ایسی تھی جو پہلے کہیں نہیں دیکھی تھی، مخطوطات کے بوسیدہ اوراق کو کیڑے مکوڑوں کے اثرات سے پاک کرنا، آئندہ کے لئے ان کی حفاظت کرنا، خاص خاص کیمیکل اور تکنیک سے ان کی مرمت کرنا اور جدید ترین انداز میں ترتیب دینا، یہ خود بڑا سائنٹفک عمل ہے، اور پہلے سے معروف ہے، جس سے ان مخطوطات کو گزارا جاتا ہے، یہاں اب تک بھی میرے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ یہ ادارہ اگرچہ مخطوطات کے لئے تعمیر نہیں ہوا، اس کا اصل مقصد فلاحی کام انجام دینا ہے جو اُس کی طرف سے پوری دُنیا میں جاری ہے۔ مخطوطات کا شعبہ صرف ایک ضمنی شعبہ ہے، اس شعبے کے نوجوان سربراہ اور اس کے رُوحِ رواں ڈاکٹر عبدالعزیز بن فیصل الراجحی ہیں، انہوں نے بڑی تفصیل سے اس شعبے کا دورہ کرایا۔ شیخ محمد عابد سندھیؒ کی مشہور کتاب ''طوالع الأنوار'' ہے، جو آج تک شائع نہیں ہوئی، میں نے اس کے بارے میں معلومات چاہیں، تو انہوں نے کمپیوٹر کے ذریعے چند ہی منٹ میں یہ تفصیل کہ اس کے مخطوطات دُنیا بھر کی کون کون سی لائبریریوں میں محفوظ ہیں اور انہیں وہاں کن کن نمبروں سے درج کیا گیا ہے، فراہم کردیں، یہ بھی میرے لئے کوئی نئی تکنیک نہیں تھی، لیکن ان مخطوطات سے محققین اور مصنّفین کو استفادہ کرنے کے لئے یہاں جو نئی تکنیک متعارف کرائی گئی، وہ حیران کن اور باعثِ مسرّت تھی کہ محققین اور مصنف حضرات کے لئے اُوپر کی منزل میں پڑھنے اور لکھنے کے لئے خاطر خواہ انتظامات کئے

گئے ہیں، اگر دورانِ تحقیق وتصنیف کسی محقق یا مصنف کو کسی مخطوطے سے مراجعت کی ضرورت پیش آئے تو وہ برابر ہی کے کاؤنٹر پر اس مخطوطے کا نام بتادے، چند ہی منٹ میں وہ مخطوطہ اس کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ یہ بھی کوئی نئی بات نہیں تھی، نیچے کی منزل میں سارے مخطوطات محفوظ ہیں، ان کی تعداد کل ۲۷ ہزار ہے۔ ہر مخطوطے کا ایک خاص نمبر مقرّر ہے، کاؤنٹر پر موجود شخص اس نام کے مخطوطے کا بٹن دباتا ہے، تو نیچے کی منزل میں اس مخطوطے کا نمبر جلی ہندسوں میں بجلی سے روشن ہوجاتا ہے، وہ مخطوطے بہت سے ریکوں میں ترتیب سے رکھے ہوئے ہیں، اور یہ سارے ریک ایک دُوسرے سے بالکل ملے ہوئے کھڑے ہیں، کیونکہ ان کے لئے مخصوص جگہ بہت کم ہے، جیسے ہی وہ نمبر روشن ہوتا ہے، سارے ریک خود بخود چلتے ہیں، صرف وہ ریک الگ ہوکر چمکتے ہوئے نمبر کے سامنے آجاتا ہے جس میں وہ مخطوطہ رکھا ہوا ہے۔ چند ہی منٹ کے اندر وہ مخطوطہ متعلقہ شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ جدید ترین ٹیکنالوجی کو انہوں نے اسلامی ورثے کی حفاظت کے لئے بڑی خوبی سے استعمال کیا ہے، اس کے لئے ماہرین تیار کئے ہیں، میرے خیال میں یہ ابتدا ہے، اُمید ہے یہ سلسلہ اِن شاء اللہ اور ترقی کرے گا۔

آثارِ قدیمہ کے تحفظ کے لئے موجودہ حکومت کے دور میں یونیورسٹیوں میں قابلِ ذکر تعداد محققین کی تیار ہوئی ہے، جو آثارِ قدیمہ پر کام کر رہے ہیں، چنانچہ ایک ایسے ماہر ڈاکٹر اسکوبی جو مدینہ منوّرہ میں خاص ہمارے لئے مدعو کئے گئے تھے، وہ مدینہ منوّرہ اور اس کے گرد و پیش کے آثارِ قدیمہ کے ماہر ہیں، لیکن ان کا موضوع تاریخ کے بجائے فنی اور مادّی معلومات فراہم کرنا تھا، وہ پتھروں پر کندہ نقوش اور تحریروں کے ماہر ہیں۔ عربی کے ساتھ ساتھ دیگر قدیم زبانوں پر بھی انہیں عبور حاصل ہے، اسی طرح ایک اور ماہرِ آثارِ قدیمہ تبوک اور اس سے ملحقہ علاقوں میں تحقیق کا کام انجام دے رہے ہیں، ایسے بہت سے ماہرین تیار کئے جارہے ہیں، جو پچھلی قوموں کی

زبانوں کو ان کے رسم الخط سے اور اُن کی یادگاروں کو مادّی آثار و دلائل کی بنیاد پر محفوظ کر کے نتائج مرتب کر رہے ہیں۔

حرمین شریفین، حجاج اور زائرین کی خدمت اور اُن کی سہولتوں کے لئے موجودہ سعودی حکومت نے جو بے مثال کام کئے ہیں، ان سے تقریباً پورا عالمِ اسلام واقف ہے، اور اس عظیم مقصد کے لئے جدید ترین ٹیکنالوجی کو انتہائی مہارت اور نہایت فراخ دِلی کے ساتھ استعمال کیا جارہا ہے، اس سے حجاج، زائرین اور عمرہ کرنے والے بھرپور استفادہ کر رہے ہیں۔

یہ بات حوصلہ افزا اور اُمید افزا ہے کہ سعودی حکومت نے ملک کو زراعت میں خودکفیل بنانے کی طرف بھی اچھی پیش رفت کی ہے، پچھلے کئی برسوں سے سعودی عرب سے گندم برآمد کی جارہی ہے، تبوک وغیرہ کے علاقوں کے دورے سے یہ بات مشاہدے میں آئی کہ وہاں سبزیوں، پھلوں اور پھولوں کی پیداوار میں بھی جدید ٹیکنالوجی کو بڑی خوبی سے استعمال کیا جارہا ہے، تبوک میں یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ یہاں سے ٹماٹر اور کھیرا پورے ملک میں بھیجا جاتا ہے، متعدّد زرعی فارمز کئی کئی کلومیٹر کے رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں، اور طرح طرح کی سبزیاں اور پھل پیدا کرنے کے علاوہ ایک بڑا فارم پھولوں کی پیداوار کے لئے مختص ہے، جو میلوں میں پھیلا ہوا ہے، اس میں بھی جدید ترین ٹیکنالوجی کے ذریعے پھولوں کی پیداوار، ان کی افزائش اور دیکھ بھال کی جارہی ہے، بعد ازاں انہیں یورپ کے مختلف ممالک میں برآمد کیا جاتا ہے۔

اس فارم سے وابستہ افراد نے مجھے ایک گلدستہ پیش کیا، اس میں ۲۰ قسم کے اعلیٰ درجے کے پھول تھے، بعض پھول ایسے تھے جو میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے، ان میں ایک پھول کو ''عصافیر الجنۃ'' (جنت کی چڑیاں) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، واقعتاً اس پھول کی خوبصورت چڑیوں سے بہت مشابہت ہے۔ ان پھولوں سے تیار

کردہ گلدستے کی قیمت تقریباً دو ریال ہے۔ ایک محتاط تخمینے کے مطابق روزانہ دس ہزار گلدستے ایئر کنڈیشنڈ کنٹینروں کے ذریعے برآمد کئے جا رہے ہیں۔

اسی طرح مصنوعات کے حوالے سے متعدّد کارخانوں کے قیام سے خوشی ہوئی، مثلاً سیمنٹ کے کارخانے کام کر رہے ہیں۔

۲۵ سال قبل وہاں کھانے پینے کی تقریباً ہر چیز باہر سے درآمد ہوتی تھی، لیکن اب بڑی حد تک تقریباً تمام چیزیں مقامی پیداوار سے حاصل ہو رہی ہیں، دُودھ کی پیداوار کے لئے میلوں پر پھیلے ہوئے جدید ترین ڈیری فارمز ہیں، چنانچہ پورے ملک میں کھانے پینے کی تمام اشیاء کی قیمتیں بھی کم مقرّر کی گئی ہیں، جو قیمتیں ۲۰ یا ۲۵ سال پہلے تھیں، وہی اب بھی ہیں۔

علمی میدان میں بڑے پیمانے پر اُمید افزا تبدیلی رُونما ہو رہی ہے، وہاں کے تعلیمی ادارے علم کے معیار کو جدید ترین تقاضوں سے ہم آہنگ کرکے ترقی دے رہے ہیں۔ ذریعۂ تعلیم عربی ہے اور اپنی قومی زبان پر انہیں فخر ہے، سرکاری سطح پر عربی زبان رائج ہے۔ نصابِ تعلیم کو اس انداز میں مرتب کیا گیا ہے کہ جدید ترین علوم و فنون کے ماہرین خواہ وہ ڈاکٹر ہوں یا انجینئر، سائنس دان ہوں یا ریاضی کے ماہرین، غرض ان کا کسی بھی علم یا شعبے سے تعلق ہو، وہ قرآن و سنت کی بنیادی تعلیمات سے آراستہ ہوتے ہیں۔

نماز کا اہتمام زیادہ مؤثر انداز میں ہو رہا ہے، نماز کے اوقات میں ہر شہر میں یوں لگتا ہے جیسے کرفیو لگ گیا ہو، تمام مرد مسجدوں میں اور عورتیں گھروں میں نماز پڑھتی ہیں، وہاں تقریباً سو فیصد مسلمان نماز کے عادی ہیں، سب مرد نماز باجماعت ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میں نے ریاض سے دمام کا سفر بذریعہ ریل کیا، ریل میں بھی مسافروں کے لئے نماز کے لئے علیحدہ جگہ مخصوص ہے، جس میں مسافر حضرات نماز باجماعت ادا

کرسکتے ہیں۔ ریل کے اندر وضو کا معقول انتظام ہے، اسی طرح ہوائی جہاز کی ہر فلائٹ میں بھی نماز کے لئے جگہ مختص کی گئی ہے، جہاں آٹومیٹک طور پر قبلے کی نشاندہی اور سمت کا تعین ہوتا ہے۔ وضو کرنے کے لئے ہوائی جہازوں میں خصوصی انتظامات کئے گئے ہیں، تمام سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں نماز کا اہتمام ہوتا ہے۔

یونیورسٹیوں، لائبریریوں اور علمی اداروں کے ذمہ دار علمائے کرام سے ملاقاتوں میں اور تبادلۂ خیالات کے دوران اس مرتبہ یہ بات بھی اُمید افزا نظر آئی کہ وہاں فقہی اختلافات کے سلسلے میں میانہ روی کی سوچ شروع ہوئی ہے، قرآن وسنت کی تعلیمات پر مبنی چاروں فقہ کے بارے میں فکری اعتدال، افہام وتفہیم اور باہمی احترام کا رُجحان پیدا ہو رہا ہے، جبکہ پچھلی دہائیوں میں ہندوستان کے بعض فتنہ پرداز لوگ یہاں آآ کر فقہی اختلافات کو ہوا دیتے رہے، انہوں نے سرکاری حلقوں میں اثر ورُسوخ حاصل کرکے ائمہ اَربعہ اور ان کے فقہ کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا کیں، اور سرکاری حلقوں کو اُن کے خلاف اُبھارنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ اس سفر میں ناچیز کو ان ملاقاتوں وغیرہ میں اندازہ ہوا کہ یہاں حکومتی سطح پر اب یہ محسوس کیا جانے لگا ہے کہ اُن فتنہ پردازوں کی وجہ سے خود سعودی حکومت پر بدنامی آرہی ہے، چنانچہ اب وہاں کے علمی سنجیدہ حلقے اس کا ازالہ کرنے کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عالمِ اسلام کو اس قسم کے فتنوں سے نجات عطا فرمائے۔ آمین

یہ وہ مثبت اور لائقِ تحسین پہلو ہیں، جن کا اس سفر کے دوران مشاہدہ ہوا، پاکستان میں سعودی قونصل جنرل ڈاکٹر حسن عبدالرشید عطار کی خصوصی کوشش سے اس مطالعاتی دورے کا انتظام کیا گیا، سعودی عرب کی وزارت "الشؤون الاسلامیة" اور شاہی مہمان نوازی کے ادارے "المراسم الملکیة" کی مہمان نوازی عرب روایات کے عین مطابق ناقابلِ فراموش تھی۔

سعودی حکومت کے بانی ملک عبدالعزیز مرحوم کی غیر معمولی شخصیت، ان کی فراست اور قانون کی حکمرانی سے یہ ملک ایک مضبوط اور متحدہ حکومت کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ ملک عبدالعزیز مرحوم کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے طوائف الملوکی کا خاتمہ کر کے ایک متحدہ حکومت قائم کی، ان کے جو جانشین برسرِ اقتدار آئے، ان کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہر فرماں روا کو پچھلے سے زیادہ بہتر کام کرنے کی توفیق عطا ہوئی، جو بھی نیا حکمران آیا، اس نے ملک کی دِینی، دُنیوی، علمی اور مادّی ترقی میں چار چاند لگائے، خصوصاً خادم الحرمین الشریفین ملک فہد بن عبدالعزیز (مرحوم) اور ولی عہد شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز کو اللہ تعالیٰ نے طویل دور عطا فرمایا، اس طویل دورِ حکومت کو انہوں نے اپنی بہترین صلاحیتوں سے جس انداز میں استعمال کیا، وہ لائقِ ستائش اور آنے والوں کے لئے قابلِ تقلید ہے۔ اُمتِ مسلمہ کے لئے اس میں اُمید کا پیغام ہے۔

*..... کیا سعودی عرب کی جامعات میں رائج نصابِ تعلیم کو پاکستان کے دِینی اداروں میں رائج کیا جاسکتا ہے؟

*..... جی ہاں، پاکستان کے معروضی حالات کو سامنے رکھ کر وہاں کے نصاب سے بہت کچھ استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

*..... سعودی عرب کا اسلامی دُنیا کے حوالے سے جو قائدانہ کردار ہونا چاہئے، وہ آپ کی رائے میں کیا ہے؟

*..... سعودی عرب کا قائدانہ کردار دراصل اسلامی روایات کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے، تو وہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ پورے عالمِ اسلام کا مذہبی پیشوا بنتا اور سیاسی قائد بھی ہوتا، یعنی خلافتِ اسلامیہ کا مرکز ہوتا، لیکن خلافت کے ٹکڑے ٹکڑے پچھلی صدی میں دُشمنانِ اسلام نے کر ڈالے، مسلمانوں کا بھی وہ اسلامی کردار باقی نہ رہا، جس نے ان کو دُنیا کی سپر طاقت بنایا تھا، سیاسی اعتبار سے اس وقت پورا عالمِ اسلام

دُشمنانِ اسلام کے جس دباؤ میں ہے، وہ دباؤ وہاں بھی شدّت کے ساتھ موجود ہے۔

موجودہ حالات میں کسی اسلامی ملک کے پاس ایسی قدرت اور طاقت نہیں کہ وہ عالمِ اسلام کی قیادت سنبھال سکے، یعنی خلافتِ اسلامیہ قائم ہو سکے، لیکن اسلامی کردار، طویل منصوبہ بندی، مکمل اِتحاد و اتفاق اور مسلسل اجتماعی جدوجہد سے اللہ تعالیٰ یہ کام بھی کراسکتا ہے۔

*.....مسلم دُنیا میں سعودی عرب نے جو دِینی اور رفاہی خدمات انجام دی ہیں، اس بارے میں آپ کیا رائے ہے؟

*.....سعودی حکومت کی جدوجہد اور کوششوں سے دُنیا بھر میں رفاہی اور اسلامی تحریکات کو غیر معمولی تعاون ملا، خاص طور پر جو علمی ادارے بڑے پیمانے پر قائم ہوئے، ان میں سعودی حکومت کا مالی تعاون بھی شامل رہا ہے۔ پاکستان کو بھی سعودی حکومت کا جلیل القدر تعاون ملا ہے، اب سارے عالمِ اسلام پر ایک دباؤ ہے، میں نہیں کہہ سکتا کہ سعودی حکومت اب بھی اس پوزیشن میں ہے یا نہیں۔

*.....سعودی عرب میں رائج اسلامی قوانین کے آپ نے کیا اثرات مشاہدہ کئے؟

*.....سعودی عرب میں اسلامی قوانین کے رائج ہونے کے بے مثال فوائد میں نے محسوس کئے، بلکہ وہاں کے پورے ماحول میں ہر انسان انہیں محسوس کرسکتا ہے، وہاں امن و امان اور عدل و انصاف کا نفاذ نظر آتا ہے، وہاں کی عدالتیں اسلامی عدل و انصاف کی بنیاد پر فیصلے کرتی ہیں، ان کا عدالتی نظام بہت سادہ اور سہل ہے جو قرآن و سنت کے عین مطابق ہے۔ اس کی وجہ سے عدالتی فیصلوں میں غیرضروری تاخیر نہیں ہوتی، فوجداری مقدمات جلد نمٹ جاتے ہیں، جبکہ دیوانی مقدمات بھی چند مہینوں یا ہفتوں میں حل ہوجاتے ہیں۔ یتیموں اور دماغی مریضوں کی املاک کی حفاظت اور عورتوں کے حقوق کے تحفظ کا ایک خاص نظام ہے، عدلیہ کے ذریعے ان کی مکمل نگرانی

کی جاتی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے اثرات پورے ملک میں نظر آتے ہیں، امن و امان کی یہ صورتِ حال ہے کہ چوری یا ڈاکے کے واقعات نہ ہونے کے برابر ہیں، عام طور پر گھروں کے دروازے کھلے رہتے ہیں، راتوں کو بھی عموماً لوگ گھروں کو تالے نہیں لگاتے۔ اگر جرائم کے حوالے سے دیکھا جائے، تو دُنیا بھر میں جرائم کی سب سے کم شرح سعودی عرب میں ہے، وہاں کے عوام اپنی حکومت پر اعتماد کرتے ہیں، اپنے حکمرانوں سے محبت کرتے ہیں، وہاں قانون کی پاسداری ہے، تمام قوانین پر عمل ہوتا ہے، کچھ قوانین غیر اسلامی ہیں، مثلاً سود کا نظام بینکوں میں رائج ہے، لیکن عدالتی نظام میں سود کے فیصلوں پر ڈگری نہیں دی جاتی۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہاں سو فیصد اسلامی قوانین نافذ ہیں، لیکن بڑی حد تک اسلامی نظام رائج ہے، اور جتنا رائج ہے اس کے مثالی اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

*…..بعض مغربی حلقے سعودی عرب میں موجودہ نظامِ مملکت سے غیر مطمئن نظر آتے ہیں، اور وہ وقتاً فوقتاً وہاں جمہوریت کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں، اس کے متعلق آپ کی کیا رائے؟

*…..مغربی حلقے اس وجہ سے غیر مطمئن نظر آتے ہیں کہ سعودی عرب میں جرائم نہیں ہیں، لوٹ مار اور جلاؤ گھیراؤ کا ماحول نہیں ہے، عریانی اور فحاشی نہیں ہے، شرافت کا ماحول ہے، مکمل طور پر امن و امان ہے۔ اس کے برعکس امریکا اور یورپ میں جرائم کی شرح زیادہ ہے، وہ نہیں چاہتے کہ یہاں امن و امان قائم ہو، اسی طرح جمہوریت کے نام پر یہ مسلم ممالک میں اپنی سیاسی اغراض کے لئے جو کھیل کھیل رہے ہیں، سعودی حکومت نے جمہوریت کے نام پر انہیں یہ کھیلنے کا موقع نہیں دیا، اس لئے وہ غیر مطمئن نظر آتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جمہوریت کے نام پر جیسے دُنیا کے دیگر مسلم ممالک میں لوٹ مار کا بازار گرم ہے، وہی سلسلہ سعودی عرب میں جاری ہوجائے، ان کی جمہوریت کا مقصد اور مطلب یہ ہے کہ مسلم حکمرانوں کو اپنا آلۂ کار

بنا کر اُنہیں بلیک میل کرتے رہیں، جمہوریت کے نام پر ڈکٹیٹر شپ اور ظالمانہ نظام رائج ہو، پوری قوم کو آپس میں لڑانا، بدامنی پیدا کرنا، معاشی طور پر مسلمانوں کو تباہ کرنا، یہ سب مغربی حلقوں کا طریقۂ کار ہے، یہ موقع انہیں سعودی عرب میں نہیں مل رہا، تو وہ جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹتے نظر آتے ہیں۔

*…… پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان دِینی، ملّی اور رُوحانی رشتہ ہے، سعودی عرب اور پاکستان کے تعلقات کی مزید بہتری کے لئے آپ کے ذہن میں کیا تجاویز ہیں؟

*……سعودی عرب اور پاکستان کے تعلقات میں ہمیشہ بہتری رہی ہے، یہ تعلقات اِن شاء اللہ آئندہ بھی مزید مستحکم ہوں گے، دونوں ملکوں کو ایک دُوسرے کی اہمیت اور افادیت کا احساس ہمیشہ برقرار رکھنا چاہئے، اس سلسلے میں اقدامات میں کمی نہ آئے، آپس میں مختلف وفود کا تبادلہ ہونا چاہئے اور یہ سلسلہ مزید آگے بڑھنا چاہئے۔ سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں ایک دُوسرے سے تعاون ہو، معاشی اور اقتصادی میدان میں باہم سرمایہ کاری ہو، معلومات، مواصلات اور تعلیم کے شعبے میں باہمی تعاون کا نظام مضبوط بنیادوں پر قائم کریں۔ علمائے کرام کے وفود کا باہم تبادلہ ہو، اسی طرح زندگی کے مختلف شعبوں سے وابستہ وفود کو آپس میں آنے جانے کا موقع ملنا چاہئے، اس سے مسائل بھی اِن شاء اللہ حل ہوں گے اور تعلقات مزید استوار ہوں گے۔

*……سعودی حکومت ہر سال لاکھوں حجاجِ کرام کے لئے اطمینان بخش اقدامات کرتی ہے، اس کے باوجود بعض حلقے شاکی نظر آتے ہیں، آپ کی اس حوالے سے کیا رائے ہے؟

*……بعض لوگوں کو شکایت ضرور ہوگی، کیونکہ مشقت کے بغیر حج کا فریضہ ادا ہونا تقریباً ناممکن ہے، یہ عبادت ہی مشقت والی ہے، اسی لئے اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ بعض ناشکرے لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ راحتوں کے سامان کو

بھول جاتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے، اور تکلیف کا رونا روتے رہتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ حج میں کسی کو تکلیف نہیں ہوتی، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان تکلیفوں اور مشکلات میں اب بہت کمی آ گئی ہے، سعودی حکومت کی طرف سے انتظامات میں کوئی کمی نہیں ہے، انہوں نے حجاج کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، بڑی باریک بینی سے انہوں نے حجاج کی خدمت اور ضرورتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ مثلاً مسجدِ حرام کے باہر بہت سے لاکرز بنائے گئے ہیں، اگر کسی کا ایک دو رات کے لئے قیام ہے اور اس کے پاس زیادہ سامان نہیں ہے، اور وہ رات حرم میں گزارنا چاہتا ہے تو ایسے افراد کو لاکرز میں سامان رکھنے کی سہولت حاصل ہے، لاکرز کی معمولی فیس ہے۔ اسی طرح ایک شعبہ گمشدہ بچوں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کے لئے قائم ہے کہ جب تک بچے کے سرپرست نہیں ملتے، اس وقت تک یہ ادارہ بچوں کی دیکھ بھال کرتا رہے گا۔ اس شعبے میں کھلونے رکھے گئے ہیں، خدمت گار خواتین مقرّر ہیں، جو مکمل طور پر بچوں کی نگہداشت کرتی ہیں۔ جس انداز کا نظامِ حکومت سعودی عرب میں موجود ہے، اس کے انوار و برکات پر دسیوں نام نہاد جمہوریتیں قربان کی جاسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے عوام کو راحت پہنچانے اور دِین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)